## • آٹھ سو پچھترویں رات

آٹھ سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- نور الدین اور کنیز بڑے مزے سے صبح تک سوتے رہے' صبح ہوئی اور دن چڑھا تو نور الدین جاگا دیکھا کہ وہ پانی لائی ہے دونوں نے غسل کیا اور نور الدین نے نماز پڑھی' لڑکی ناشتہ لائی اس نے کھایا پیا۔ اس کے بعد لڑکی نے تکیے کے نیچے ہاتھ بڑھا کر وہ پٹی نکالی جو اس نے رات کو بنائی تھی اور نور الدین کو دے کر کہا اے میرے آقا' یہ پٹی لے اس نے پوچھا یہ پٹی کہاں سے آئی؟ لڑکی نے کہا اے میرے آقا یہ اسی ریشم کی ہے جو تو نے کل بیس درہم میں خریدا تھا۔ اسے لے کر عجمی بازار میں جا' دلال کو دے کر کہیو کہ لوگ اس پر بولی بولیں اور اس وقت تک نہ بیچیو جب تک دلالی نکال کر پورے بیس دینار تجھے نہ ملیں۔ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' بیس درہم کی چیز تھی جو ایک رات میں بن گئی ہو کہیں بیس دینار میں بکی ہے! لڑکی نے کہا اے میرے آقا' تجھے اس کی قیمت کی خبر نہیں تو اسے بازار لے جا کر دے تو سہی' جب تو آواز لگائے گا تو تجھے اس کی قیمت معلوم ہو جائے گی۔ نور الدین پٹی کو لے کر عجمی بازار میں گیا اور اسے دلال کو دے کر کہا اس پر آواز لگا۔ نور الدین ایک دکان کی چوکی پر بیٹھ گیا اور دلال پٹی لے کر چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے نو الدین کے پاس آ کر کہا اے میرے آقا' چل کر اپنی پٹی کی قیمت لے لے' اس کی قیمت بے دلالی کاٹے بیس دینار تک پہنچ گئی ہے۔ دلال کی باتیں سن کر نور الدین کو بڑا اچنبھا ہوا وہ مارے خوشی کے وجد کرنے لگا اور جا کر بیس دینار لے آیا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ حقیقت ہے یا دھوکہ۔ دینار لے کر اس نے سب کا رنگ برنگ ریشم لے لیا۔ تا کہ لڑکی ان سب کی پٹیاں بنا ڈالے۔ اب نور الدین نے گھر

جا کر لڑکی کو سارا ریشم دے دیا اور کہا کہ ان سب کی پٹیاں بنا ڈال بلکہ مجھے بھی سکھا دے تا کہ میں بھی تیرے ساتھ بیٹھ کر بناؤں' عمر بھر اس صنعت سے بہتر صنعت میری نظر سے نہیں گزری اور نہ اس سے زیادہ فائدہ مند۔ تجارت کرنے سے یہ ہزار درجے بہتر ہے اس کی باتیں سن کر لڑکی ہنس پڑی اور کہنے لگی اے میرے آقا نورالدین اپنے دوست عطر فروش کے پاس جا کر بیس درہم اور قرض لے اور کل پٹی کی قیمت میں سے یہ تیس اور پہلے کے پچاس درہم ادا کر دیجیو۔ نور الدین نے عطر فروش کے پاس جا کر کہا چچا' تیس درہم اور مجھے دے دے اگر خدا کو منظور ہے تو میں کل تمام اسی درہم لا کر تجھے دے دوں گا۔ عطر فروش نے تیس درہم لا کر تول کر دیئے۔

نور الدین انہیں لے کر بازار گیا اور کل کی طرح گوشت روٹی' خشک اور ترمیوہ اور عطر خرید کر لڑکی کے پاس لے آیا۔ اس لڑکی کو پٹی والی مریم کہتے تھے۔ گوشت لے کر اس نے فوراً پکایا اور عمدہ کھانا تیار کرکے اسے اپنے آقا نور الدین کے آگے لا رکھا۔

اس کے بعد اس نے شراب کا دسترخوان بچھایا دونوں نے شراب پی' لڑکی بھر بھر کر اسے پلاتی جاتی وہ اسے پلاتا جاتا اور دونوں ایک دوسرے سے باتیں چیتیں کرتے جاتے لڑکی اسے پیالہ دیتی اور کہتی اسے بھر کر مجھے پلا اور جب وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا تو وہ شرارت سے ہٹ جاتی۔ نشے کی وجہ سے اس کا حسن و جمال دوبالا ہو گیا تھا' اسی حالت میں نور الدین نشے میں آ کر سو گیا اور لڑکی اٹھ کر دستور کے مطابق پٹی بننے کے کام میں لگ گئی جب وہ بن چکی تو اس نے اسے ٹھیک ٹھاک کرکے ایک کاغذ میں لپیٹ دیا اور اپنے کپڑے اتار کرنور الدین کے پہلو میں جا لیٹی اور سویرے تک سوتی رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

## • آٹھ سو چھترویں رات

آٹھ سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ پٹی والی مریم نے پٹی بنااسے ٹھیک ٹھاک کر ایک کاغذ میں لپیٹ دیا اور صبح تک نور الدین کے ساتھ سوتی رہی۔ جب نور الدین سو کر اٹھا اور اپنی ضروریات سے فارغ ہو چکا تو لڑکی نے اسے پٹی دی اور کہا اسے کل کی طرح بیس دینار میں بیچ آ۔ وہ اسے لے کر بازار گیا اور بیس دینار میں بیچ' عطر فروش کے اسی درہم ادا کر آیا۔ اس کی عنایت کا شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی۔ اس نے کہا بیٹا' کیا تو کنیز کو بیچ آیا؟ نور الدین بولا تو مجھے بددعا دیتا ہے' میں کس طرح روح کو جسم سے نکال کر بیچ سکتا ہوں! یہ کہہ کر اس نے شروع سے لے کر آخر تک سارا ماجرا کہہ سنایا بوڑھا عطر فروش بے حد خوش ہوا اور کہنے لگا بیٹا خدا کی قسم تو نے مجھے دل سے شاد کر دیا' خدا نے چاہا تو تو ہمیشہ خیر و عافیت سے رہے گا۔ تیرے باپ کی محبت کی وجہ سے میں ہمیشہ تیری بھلائی چاہتا ہوں۔ بوڑھے عطر فروش کے پاس سے رخصت ہو کر نور الدین فوراً بازار گیا اور دستور کے موافق گوشت' میوے' شراب اور دوسری ضروری چیزیں مول لے کر لڑکی کے پاس آیا۔ غرض کہ ایک سال تک دونوں اسی عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے' لڑکی ہر رات ایک پٹی بناتی اور نور الدین صبح ہوتے ہی اسے بیس دینار میں بیچ آتا اور ضرورت کے مطابق اس میں سے خرچ کرتا۔ باقی لڑکی کے پاس اٹھا رکھتا تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔

ایک سال گزر گیا تو لڑکی نے کہا اے میرے آقا نو الدین' کل جب تو پٹی بیچ چکے تو اس کے داموں میں چھ رنگ کا ریشم الگ لیتا آئیو۔ میرے داغ میں یہ خیال آیا ہے کہ میں تیرے لئے ایک رومال بنوں جسے تو اپنے کندھے پر ڈالا کرے۔ ایسے رومال کی خوشی تاجر زادوں کو تو درکنار شاہ زادوں کو بھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔ نور الدین نے

بازار جا کر پٹی بیچی اور جس جس رنگ کا ریشم لڑکی نے کہا تھا خرید کر اس کے پاس لے آیا۔ مریم زناریہ ایک ہفتے تک اس کے بننے میں مشغول رہی۔ آخر اس نے رومال تیار کرکے نور الدین کو دے دیا' جب کبھی وہ اسے کندھے پر ڈال کر بازار میں نکلتا تو تاجر راہ چلتے اور شہر کے بڑے لوگ صف باندھ کرکھڑے ہو جاتے تاکہ اس رومال کا تماشہ دیکھیں ایک رات جبکہ نور الدین سو رہا تھا اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ لڑکی بلک بلک کر رو رہی ہے اس نے پوچھا اے میری آقا مریم تو کیوں رو رہی ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ جدائی کے صدمے سے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ جدائی ہونے والی ہے۔ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' کون ہے جو ہمیں جدا کر سکتا ہے کیونکہ میں تجھے ساری دنیا سے پیارا ہوں! لڑکی بولی میرا خیال اس سے بھی زیادہ ہے لیکن خوشی میں محو ہو جانا انسان کو ایک روز دکھ دکھاتا ہے۔ اے میرے آقا نور الدین' اگر تیری یہ تمنا ہے کہ جدائی نہ ہو تو ایک فرنگی سے بچ کر رہیو جو دائیں آنکھ سے کانا اور بائیں پاؤں سے لنگڑا ہے' گندہ رنگ داڑھی بھری ہوئی۔ وہی ہماری جدائی کا سبب ہو گا۔ میں نے اسے اس شہر میں آتے دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ وہ میری ہی تلاش میں آیا ہو گا۔ نور الدین نے کہا اے حسینوں کی سرتاج' اگر میری نظر اس پر پڑ گئی تو میں اسے قتل کر دوں گا تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ مریم بولی اے میرے آقا' نہ قتل کیجئو نہ اسے منہ لگائیو نہ اس سے لین دین کیجئو نہ کوئی معاملہ رکھیو نہ اس کے پاس بیٹھیو نہ اس کے ساتھ چلیو اور نہ اس سے کوئی بات کیجئو بلکہ شرعی جواب تک نہ دیجیو' اب خدا سے دعا کر کہ وہ ہمیں اس کی برائی اور مکر سے بچائے۔

دن نکلا تو نور الدین پٹی لے کر بازار گیا اور ایک دکان کے چبوترے پر بیٹھ کر تاجرزادوں سے باتیں کرنے لگا اتنے میں اسے نیند کا ایک جھونکا آیا اور وہ وہیں چبوترے پر سو گیا۔ اسی وقت اتفاق سے فرنگی سات اور فرنگیوں کو لئے ادھر سے گزرا' دیکھا کہ نور الدین رومال سے منہ ڈھانکے دکان کے چبوترے پر سو رہا ہے اور اس کا کنارہ اس کے

ہاتھ میں ہے۔ فرنگی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور رومال کا ایک کونہ پکڑ کر اسے دیر تک الٹتا پلٹتا رہا آہٹ سے نور الدین جاگ اٹھا دیکھا کہ وہی فرنگی جس کا ذکر لڑکی نے کیا تھا اس کے سرہانے بیٹھا ہے نور الدین نے اس زور سے اسے ڈانٹا کہ وہ سہم گیا۔ فرنگی بولا تو ہمیں کیوں ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے؟ کیا ہم نے تیری کوئی چیز لے لی ہے؟ نور الدین نے کہا اے ملعون خدا کی قسم اگر تو نے میری کوئی چیز لے لی ہوتی تو میں تجھے والی کے پاس لے جاتا۔ بولا اے مسلمان! تجھے اپنے دین ایمان کی قسم بتا کہ یہ رومال تجھے کہاں سے ملا؟ نور الدین نے کہا یہ میری ماں نے بنایا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

# • آٹھ سو سترویں رات

آٹھ سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ فرنگی نے نور الدین سے پوچھا کہ رومال کس نے بنایا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میری ماں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ فرنگی نے کہا اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال اور مجھ سے دام لے لے۔ نور الدین بولا اے ملعون' خدا کی قسم نہ اسے میں تیرے ہاتھ بیچوں گا نہ کسی اور کے ہاتھ ماں نے یہی ایک رومال بنایا ہے اور وہ بھی میرے نام پر۔ فرنگی نے کہا مرے ہاتھ بیچ ڈال میں ابھی اس کی قیمت پانچ سو دینار ادا کئے دیتا ہوں تو جا کر اپنی ماں سے اس سے بہتر بنوا لیجیو۔ نور الدین بولا میں اسے ہرگز نہیں بیچ سکتا کیونکہ اس کا جواب شہر بھر میں نہیں۔ فرنگی نے کہا اے میرے آقا کیا تو خالص سونے کے چھ سو دینار میں بھی نہ بیچے گا؟ فرنگی اسی طرح سو سو دینار بڑھاتا رہا یہاں تک کہ نو سو دینار لگا دیئے۔ نور الدین بولا کہ بے اس کے بکے خدا میری حاجت روائی کرے گا' میں اسے ہرگز ہرگز نہیں بیچوں گا خواہ تو دو ہزار دینار ہی کیوں نہ لگائے۔ فرنگی نور الدین کو لالچ دلاتا دلاتا ایک ہزار تک پہنچ گیا چند تاجر بولے کہ ہم تیرے ہاتھ یہ رومال بیچتے ہیں' لا دام نکال۔ نور الدین بولا خدا کی قسم میں تو نہیں بیچوں گا۔ ایک تاجر نے کہا بیٹا' اس رومال کی قیمت زیادہ سے زیادہ سو دینار ہو سکتی ہے بشرطیکہ کوئی قدردان مل جائے اور وہ زیادہ سے زیادہ دینے کے لئے بھی تیار ہو' یہ فرنگی تو تجھے ایک ہزار دینار دے رہا ہے' اس میں تجھے نو سو دینار کا فائدہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتا ہے؟ میری رائے میں تو اس رومال کو ایک ہزار میں بیچ ڈال اور جس نے یہ رومال بنایا ہے ایسا ہی اس سے دوسرا بنوا لے یا اس سے بھی اچھا اور اس ملعون دین کے دشمن سے ایک ہزار دینار کھرے کر لے۔ تاجروں کی شرم کے مارے نور الدین نے وہ رومال فرنگی کے ہاتھ ایک ہزار دینار میں بیچ ڈالا اور فرنگی نے سب کے سامنے دام نکال کر

دے دیئے۔ نور الدین چاہتا ہی تھا کہ مریم کے پاس جا کر اسے فرنگی کا ماجرا سنائے کہ فرنگی نے کہا اے تاجرو' نور الدین کو ابھی جانے نہ دینا' تو اور وہ سب آج رات میرے مہمان ہو' میرے پاس پرانی رومی شراب کا ایک پیپا ہے' ایک موٹا تازہ دنبہ' خشک اور تر میوے اور خوشبوئیں۔ آج رات کے لئے تم سب میری دعوت قبول کرو' ایسا نہ ہو کہ تم میں سے ایک بھی رہ جائے۔ تاجروں نے کہا اے ہمارے آقا نور الدین ایسی دعوت میں ہماری خواہش ہے کہ تو بھی ہمارے ساتھ ہو تا کہ ہم باتیں کر سکیں۔ مہربانی کرکے ہمارے ساتھ چل اس فرنگی نے ہم سب کو دعوت دی ہے۔ اور وہ بڑا سخی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اسے طلاق کی قسم دے کر کہا کہ گھر نہ جا' اور انہوں نے اپنی دکانیں بند کرکے نور الدین کو ساتھ لیا اور فرنگی کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور اس کے ہاں ایک کمرے میں پہنچے جو صاف ستھرا اور بڑا تھا جس کے اندر دو چبوترے تھے۔ فرنگی نے انہیں وہاں بٹھایا ان کے آگے ایک عجیب و غریب کاری گری کا دستر خوان بچھایا جس میں فاتح اور مفتوح' عاشق اور معشوق' بھیک مانگنے والے اور دینے والے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس دستر خوان پر فرنگی نے چینی اور بلور کے عمدہ عمدہ برتن رکھے جن میں نفیس نفیس میوے اور خوشبوئیں تھیں۔ ایک پیپا پرانی رومی شراب کا لے آیا اور موٹی تازی بھیڑ کے ذبح کرنے کا حکم دیا' وہ آگ جلا کو گوشت بھونتا' تاجروں کو کھلاتا' اس کے ساتھ شراب پلاتا جاتا اوراس سے اشارے سے کہتا جاتا کہ نور الدین کو بھی پلاؤ۔ تاجر اسے خوب شراب پلاتے رہے یہاں تک کہ نور الدین مست ہو گیا۔ جب فرنگی نے دیکھا کہ وہ نشے میں چور ہے تو اس سے کہنے لگا اے میرے آقا نور الدین آج رات تو نے ہمیں بہت خوش کیا' مرحبا مرحبا!

اسی طرح فرنگی اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر تھوڑی دیر تک اسے اپنی باتوں میں محو رکھا پھر کہنے لگا اے میرے آقا نور الدین کیا تو وہ کنیز میرے ہاتھ بیچنا چاہتا ہے جسے تو نے ایک سال ہوا کہ انہیں تاجروں کے سامنے ایک

ہزار دینار میں خریدا تھا؟ میں اس کی قیمت پانچ ہزار دینار دینے کو تیار ہوں یعنی چار ہزار زیادہ۔ نور الدین نے انکار کردیا۔ لیکن فرنگی اسے برابر کھلاتا پلاتا رہا یہاں تک کہ دس ہزار تک دام لگا دیئے۔ نور الدین نشے میں تو تھا ہی تاجروں کے سامنے بول اٹھا کہ ہاں بیچتا ہوں لا دس ہزار یہ سن کر فرنگی خوش ہو گیا اور تاجروں سے کہا گواہ رہنا۔ رات بھر اسی طرح کھانا پینا' ہنسی مذاق رہا اور جب صبح ہوئی تو فرنگی نے غلاموں کو بلا کر کہا کہ دینار لاؤ۔ وہ لائے تو اس نے دس ہزار دینار گن کر اسے نقد دے دیئے اور کہا اے میرے آقا نور الدین یہ دینار اپنی تحویل میں لے' یہ تیری اس کنیز کی قیمت ہے جو تو نے رات ان مسلمان تاجروں کے سامنے میرے ہاتھ بیچی ہے۔ نور الدین بولا' اے ملعون میں نے تیرے ہاتھ کچھ نہیں بیچا تو مجھ پر بہتان لگاتا ہے' میرے پاس کنیزیں کہاں سے آئیں! فرنگی نے کہا تو نے واقعی کنیز میرے ہاتھ بیچی ہے اور اس سودے کے یہ تاجر گواہ ہیں۔ تمام تاجروں نے کہا' ہاں اے نور الدین تو نے ہمارے سامنے اپنی کنیز کو بیچا ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو نے کنیز کو اس کے ہاتھ دس ہزار دینار میں فروخت کر دیا ہے۔ اٹھ اور دام لے کر کنیز کو اس کے حوالے کر دے' خدا اس کے بدلے اس سے بہتر تجھے دے گا۔ اے نور الدین یہ کیا برا سودا ہے کہ تو نے ایک کنیز ایک ہزار دینار میں مول لی۔ ڈیڑھ سال تک اس کے حسن و جمال کا مزا اڑایا دن رات اس کی صحبت میں حظ اٹھاتا اور وصال کا شربت پیتا رہا ہے! اور پھر اس کی اصلی قیمت پر نو ہزار دینار کا فائدہ مل رہا ہے! علاوہ بریں ہر روز تیرے لئے ایک پٹی بناتی تھی جسے تو بیس دینار میں بیچتا تھا۔ ان تمام باتوں کے بعد بھی تو بیچنا پسند نہیں کرتا اور فائدے کو حقیر سمجھتا ہے اس فائدے سے بڑھ کر آخر کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور اس لین دین سے زیادہ اور کون سا لین دین ہے! مانا کہ تجھے اس سے محبت تھی لیکن اس مدت میں اس سے سیر ہو چکا ہو گا تو ہم اپنی کسی بیٹی سے تیری شادی کر دیں گے اور اس کے آدھے سے کم مہر لیں گے باقی آدھے تیرے پاس بطور پونجی کے رہیں گے اور وہ لڑکی بھی اس سے زیادہ حسین ہو گی۔

غرض کہ تاجر نور الدین کے ساتھ نرمی سے باتیں کرتے اور اسے پھسلاتے رہے یہاں تک کہ اس نے کنیز کے بدلے دس ہزار دینار لے لئے۔ فرنگی نے فوراً قاضیوں اور گواہوں کو بلوایا۔ انہوں نے نور الدین کی طرف سے اس کنیز کا بیع نامہ لکھ دیا جس کا نام مریم زناریہ تھا۔ ادھر تو نور الدین پر یہ گزر رہی تھی ادھر مریم زناریہ دن بھر بیٹھی شام تک اپنے آقا کا انتظار کرتی رہی پھر شام سے لے کر آدھی رات تک اور بہت پریشان ہوئی اور رونے لگی۔ اس کے رونے کی آواز بوڑھے عطر فروش کے کان میں پڑی تو اس نے اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیجا۔ بیوی نے جا کر دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ کہنے لگی اے میری آقا تو کیوں رو رہی ہے؟ لڑکی بولی اماں' میں بیٹھی اپنے آقا نور الدین کی راہ دیکھ رہی ہوں لیکن وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری خاطر کسی نے اس پر کوئی چال نہ چلی ہو اور اس نے دھوکے میں آ کر مجھے بیچ نہ ڈالا ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو انہترویں رات

آٹھ سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مریم نے عطر فروش کی بیوی سے کہا کہ کہیں اس نے دھوکے میں آ کر مجھے بیچ نہ ڈالا ہو۔ عطر فروش کی بیوی بولی اے میری مریم آقا! اسے تو تجھ سے اتنا پیار ہے کہ اگر کوئی اسے اتنا سونا دے کہ یہ کوٹھڑی بھر جائے پھر بھی وہ تجھے نہیں بیچے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ قاہرہ سے اس کے والدین کے پاس سے آئے ہوں اور اس نے ان کی دعوت وہیں کر دی ہو جہاں وہ اترے ہوں اور انہیں یہاں لانے سے وہ شرماتا ہو کیونکہ یہ مکان ان کے لئے چھوٹا ہے' یا وہ کم درجے کے لوگ ہوں جنہیں وہ گھر میں لانا مناسب نہ سمجھتا یا تیرا حال ان سے چھپانا چاہتا ہو اور رات کو انہی کے پاس رہ گیا ہو۔ خدا نے چاہا تو کل وہ بہ خیریت یہاں آ جائے گا۔ اے میری آقا تو بالکل رنج نہ کر' اس کے نہ آنے کا یہی سبب ہو گا۔ میں آج رات تیرے پاس سوؤں گی اور تیرے آقا کے آنے تک تجھے تسلی دوں گی۔ اس کے بعد عطر فروش کی بیوی مریم کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی اور اسے تسلی دیتی رہی یہاں تک کہ رات ختم ہو گئی صبح ہوتے مریم نے دیکھا کہ نور الدین گلی میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے وہ فرنگی ہے اور ارد گرد دوسرے تاجر۔ انہیں دیکھتے ہی مریم کانپنے لگی اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ اس طرح کانپنے لگی جیسے طوفان کے وقت سمندر میں کشتی۔ عطر فروش کی بیوی نے اسے دیکھ کر کہا اے میری آقا مریم' تجھے کیا ہوا کہ تیری حالت بدل گئی' چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں؟ لڑکی نے کہا اے میری آقا' مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ گئی۔

یہ کہہ کر لڑکی سسکیاں بھرنے لگی اور اتنا روئی کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اسے جدائی کا بالکل یقین آ گیا اور وہ عطر فروش کی بیوی سے کہنے لگی اے میری آقا' میں

نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ میرے بیچنے کے بارے میں نور الدین پر کوئی چال چلی گئی ہے مجھے یقین ہے کہ اس نے رات کو مجھے اس فرنگی کے ہاتھ بیچ ڈالا' حالانکہ میں نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ لیکن قسمت کے لکھے کے آگے خبرداری کام نہیں کرتی۔ تجھے معلوم ہو گیا ناں کہ میں ٹھیک کہتی تھی۔ وہ دونوں یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ نور الدین مریم کے پاس پہنچا' مریم نے دیکھا کہ اس کا رنگ فق ہو گیا ہے وہ کانپ رہا ہے اور اس کے چہرے سے غم اور پشیمانی ٹپک رہی ہے اور وہ کہنے لگی اے میرے آقا نور الدین' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مجھے بیچ ڈالا۔ یہ سن کر وہ رونے' ٹھنڈے سانس بھرنے اور آہیں کھینچنے لگا' لڑکی کے آگے معذرت کی اور کہنے لگا اے میری آقا! جو کچھ قسمت میں لکھا تھا ہو گیا۔ تیرے بیچنے کے بارے میں لوگ مجھ پر چال چل گئے اور میں نے تجھے بیچ ڈالا۔ واقعی تیرے حق میں' میں نے بڑا گناہ کیا' لیکن ممکن ہے کہ جس خدا نے جدائی کا حکم دیا ہے وہی ہمیں پھر ملا کر ہم پر احسان کرے۔ لڑکی بولی' میں نے تجھے اس سے خبردار کر دیا تھا لیکن تو خبردار نہ ہوا۔ یہ کہہ کر لڑکی نے اسے سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی چومنے لگی۔

اتنے میں فرنگی ان کے پاس پہنچ گیا اور بڑھ کر شہزادی مریم کے ہاتھ چومنے چاہے کہ لڑکی نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا دور ہو اے ملعون' خدا نے چاہا تو اس میں بہتری ہو گی۔ یہ سن کر فرنگی ہنس پڑا' اس کی حرکت پر تعجب کرنے لگا اور معذرت کرتے ہوئے بولا اے میری آقا مریم میں نے کیا گناہ کیا؟ تیرے آقا نور الدین ہی نے تو تجھے اپنی مرضی سے میرے ہاتھ بیچا ہے۔ مسیح کی قسم اگر اسے تجھ سے محبت ہوتی تو کبھی یہ حرکت نہ کرتا اور اگر وہ تجھ سے اپنا مقصد پورا نہ کر چکا ہوتا تو تجھے ہرگز نہ بیچتا۔

یہ لڑکی افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی تھی' افرنجہ بہت بڑا شہر ہے اور قسطنطنیہ کی طرح کاری گری کا مرکز' اس میں عجیب و غریب چیزیں پائی جاتی ہیں اور بہت پیداوار ہوتی ہے۔

لڑکی کے اس شہر کو چھوڑنے کی وجہ نہایت عجیب و غریب ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- ## آٹھ سو اناسی ویں رات

جب آٹھ سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی کے اپنے ماں باپ کے شہر کو چھوڑنے کی وجہ عجیب و غریب ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی تربیت ماں باپ کے پاس نہایت اچھے طریقے سے ہوئی تمام دست کاریاں اس نے سیکھیں' مثلاً زردوزی' سینا' پرونا' بننا' پٹی بنانا' بساط خانے کا سامان اور سونے پر چاندی اور چاندی پر سونے کی پچی کاری کرنا' علاوہ اس کے فصاحت' لکھنا پڑھنا' حساب کتاب' شہ سواری اور شمشیر زنی' غرض کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے علوم و فنون سیکھے یہاں تک کہ وہ اپنے زمانے میں یکتاہو گئی۔ اس پر خدا نے اسے اتنا حسن و جمال دیا تھا کہ اس کا جواب دنیا میں ملنا ناممکن تھا۔ جب جزیروں کے بادشاہوں نے اس کی شادی کی درخواستیں بھیجیں تو اس کے باپ نے انکار کر دیا کیونکہ وہ اسے بے حد پیار کرتا تھااور دم بھر بھی اس کی جدائی اس کو گوارا نہ تھی۔ اس کے علاوہ باپ کی اور کوئی بیٹی بھی نہ تھی۔ بیٹے کئی تھے لیکن وہ بیٹوں سے زیادہ بیٹی کو چاہتا تھا' ایک بار وہ اتنی بیمار ہوئی کہ مرنے کے قریب پہنچ گئی' اس نے نذر مانی کہ اگر میں اچھی ہو گئی تو فلاں دیر کی زیارت کو جاؤں گی جو فلاں جزیرے میں ہے۔ یہ دیر' ان کے نزدیک بڑے درجے کا تھا اور لوگ تبرک نیاز مانا کرتے تھے۔ مریم اچھی ہو گئی تو اس نے ارادہ کیاکہ اپنی نذر پوری کرے اس کے باپ افرنجہ کے بادشاہ نے اسے ایک چھوٹی سی کشتی میں بٹھا کر دیر کو روانہ کر دیا اور اس کی خدمت کے لئے شہر کی بعض شریف زادیاں اور بطریق ساتھ کر دیئے۔

جب مریم اس دیر کے قریب پہنچی تو مسلمانوں کے ایک جہاز نے حملہ کردیا جس میں وہ مسلمان تھے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے پھرتے تھے۔ انہوں نے کشتی میں سے بطریقوں' لڑکیوں اور مال و دولت کو لے کر قیروان میں جا بیچا اور مریم ایک عجمی تاجر کے ہاتھ

بک گئی۔ یہ عجمی نامرد تھا اور وہ مریم سے محض اوپری خدمت لیا کرتا۔ ایک بار یہ عجمی اتنا بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب پہنچ گیا اور کئی مہینے تک بیمار رہا۔ اس بیماری میں



مریم نے اس کی اتنی خدمت کی کہ خدا نے اسے اچھا کر دیا۔ اچھا ہو گیا تو عجمی نے اس بات کا احساس کیا کہ مریم نے کیسی شفقت اور محبت سے بیماری کے زمانے میں اس کی خدمت کی اور اس نے اس احسان کا بدلہ دینا چاہا اور پوچھا کہ مریم مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے جواب دیا اے میرے آقا میں یہ چاہتی ہوں کہ تو مجھے ایسے شخص کے ہاتھ بیچ دے جسے میں چاہتی ہوں۔ عجمی نے کہا بہت خوب' یہ تیرا حق میرے اوپر ہے' خدا کی قسم اے مریم' میں تجھے اسی شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے تو پسند کرے' تیرا بیچا جانا تیرے ہی ہاتھ میں ہو گا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئی' عجمی نے اس کے آگے اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئی۔ اسے نماز سکھائی اور اس نے اس مدت میں اسلام کی تمام باتیں سیکھیں۔ عجمی نے اسے قرآن حفظ کرایا' فقہ اور حدیث پڑھائی اور اسکندریہ لا کر اسے ایسے شخص کے ہاتھ بیچا جسے وہ چاہتی تھی اور وہ یہی علی نور الدین تھا جس نے اسے خریدا تھا۔

یہ تو مریم کے وطن سے نکلنے کا قصہ ہوا' اب اس کے باپ افرنجہ کے بادشاہ کا حال سنو۔ یہ سنتے ہی بیٹی اور اس کے ساتھیوں پر کیا گزری ہے قیامت بپا ہو گئی۔ اس نے فوراً اس کی تلاش میں جہاز روانہ کئے اور انکے ساتھ بطریق شہ سوار اور بہادر پیادے بھیجے۔ انھوں نے مسلمانوں کے جزیروں میں اسے بہت تلاش کیا لیکن اس کا کہیں پتا نہ چلا وہ شکستہ دل ہو کر نہایت افسوس کے ساتھ اس کے باپ کے پاس لوٹ آئے۔ باپ کو نہایت صدمہ پہنچا اور پھر اس نے بیٹی کی تلاش میں اسی شخص کو بھیجا جو دائیں طرف سے کانا اور بائیں طرف سے لنگڑا لیکن اس کا بڑا وزیر تھا۔ حد درجے کا چالاک اور بڑی کاٹ چھانٹ کا آدمی' اور اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کے تمام ملکوں میں شہزادی کو تلاش کرے اگر کشتی بھر سونے کے بدلے بھی وہ مل سکے تو اسے خرید لائے۔ اس ملعون

نے سمندر کے تمام جزیروں اور ہر بڑے شہر میں اس کی تلاش کی کہیں سراغ نہ ملا۔ بالاخر وہ اسکندریہ پہنچا اسے خبر ملی کہ شہزادی قاہرہ والے نور الدین علی کے پاس ہے۔



اس کے بعد جو ماجرا پیش آیا معلوم ہے یعنی رومال کے ذریعے سے اس کا پتا لگا کر جو اس خوبی کے ساتھ اور کوئی نہ لگا سکتا تھا اس نے دھوکے سے اسے خرید لیا۔ اس کی خبر اس نے تاجروں کو پہلے سے دے دی تھی اور ان سے مل کر وہ یہ چال چلا تھا۔ جب شہزادی اس کے پاس پہنچی تو وہ برابر روتی اور آہیں بھرتی رہی۔ وزیر نے کہا اے میری آقا' رونا پیٹنا جانے دے اور وہاں چل جہاں تیرے باپ کا ملک' تیری حکومت اور عزت کی جگہ اور تیرا وطن ہے تاکہ تو اپنے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اس ذلت اور غربت کو خیرباد کہہ' تیری وجہ سے جو سفر کی تکلیف مجھے اٹھانی پڑی اور جو خرچ ہوا وہ بہت کافی ہے۔ ڈیڑھ سال سے برابر تکلیفیں اٹھا رہا اور خرچ کررہا ہوں تیرے باپ نے حکم دیا ہے کہ اگر کشتی بھر سونا بھی صرف ہو جائے تو میں تجھے خرید کر ضرور لے آؤں۔

غرض افرنجہ کے بادشاہ کا وزیر اس کے قدم چومتا اور اس کی خوشامد کرتا رہا لیکن وہ برابر ناراض ہوتی اور یہی کہتی رہی کہ اے مردود' خدا تجھے ہمیشہ نامراد رکھے! اتنے میں غلام ایک خچر لے آئے جس پر زردوزی کی زین پڑی ہوئی تھی شہزادی کو اس پر سوار کر دیا' اس کے اوپر ریشم کی ایک چھتری لگا لی جس کے ڈنڈے سونے اور چاندی تھے' اور فرنگی اس کے ارد گرد ہو لئے یہاں تک کو وہ باب البحر سے نکل آئی۔ یہاں انہوں نے ایک چھوٹی سی ناؤ پر سوار کیا اسے کھیتے ہوئے بڑے جہاز کے پاس پہنچے اور شہزادی کو اس میں سوار کر دیا۔ اس کے بعد کانا وزیر جہاز پر آیا اور ملاحوں سے کہا کہ لنگر اٹھا دو۔ انہوں نے فوراً اٹھا کر بادبان کھول دیئے اور چپو مارنے لگے جہاز چل دیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا کہ ادھر مریم کی نظر اسکندریہ کی طرف لگی ہوئی تھی رفتہ رفتہ وہ آنکھوں سے اوٹ ہو گیا اور مریم دل ہی دل میں کڑھنے اور رونے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

# • آٹھ سو اسی ویں رات

آٹھ سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مریم زناریہ برابر اسکندریہ کی طرف دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد

بھی وہ اسے یاد کرکر کے روتی رہی۔ بطریق اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتے لیکن وہ نہ مانتی اور اپنے خیال میں محو رہتی۔ راہ بھر اس کی یہی حالت رہی کہ اسے چین آتا نہ صبر۔

یہ تو مریم اور کانے لنگڑے وزیر کا ماجرا ہوا' اب نور الدین علی مصری کا حال سنو۔ جب مریم جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی تو دنیا اسے تنگ معلوم ہونے لگی۔ دل اور آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اس کمرے میں گیا جہاں وہ مریم کے ساتھ رہتا تھاوہ اس کو سیاہ اور تاریک نظرآیا۔ وہاںاس نے وہ سامان بھی دیکھے جن سے وہ پیٹیاں بنایا کرتی' وہ کپڑے بھی جو وہ پہنتی اس نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے آنسو بہنے لگے وہ اتنا رویا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اس کے بعد وہ اٹھادروازے میں قفل ڈال کر سمندر کی طرف چل کھڑا ہوا اور اس جگہ کو دیکھ کر جہاں سے جہاز اسے لے کر روانہ ہوا تھارونے پیٹنے اور یا مریم یا مریم پکارنے لگااور کہا کہ کیامیں نے تجھے محض خواب میں دیکھا تھا؟ نور الدین اسی طرح روتااور مریم مریم چلاتا تھا کہ ایک بوڑھا ایک کشتی میں سے نکل کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا بیٹا' شاید تو اس لڑکی پر روتا ہے جو کل فرنگی کے ساتھ گئی ہے بوڑھے کی یہ بات سنتے ہی نور الدین غش کھا کر گر پڑا اورجب اسے ہوش آیا تو بلک بلک کر رونے لگا۔ بوڑھے نے دیکھا کہ نور الدین نہایت حسین و جمیل' خوش قد' بدن کا سڈول اور خوش بیان ہے تو اسے اس پر ترس آ گیا۔ یہ بوڑھا ایک جہازکا ناخدا تھا جواسی لڑکی کے شہر کو جانے والا تھا اور جس میں سو مومن مسلمان تاجر تھے۔ وہ کہنے لگا صبر کر' آئندہ تیرے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ خدا کو منظور ہے

تو میں تجھے اس تک پہنچا دوں گا!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- # آٹھ سو اکیاسی ویں رات



آٹھ سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بوڑھے نے کہا کہ خدا کو منظور ہے تو میں تجھے اس تک پہنچا دوں گا تو نور الدین نے پوچھا کہ کب تک روانگی ہو گی؟ ناخدا بولا تین دن اور باقی ہیں' پھر اگر ہم سب بہ خیریت رہے تو چل دیں گے۔ ناخدا کی یہ باتیں سن کر نور الدین بہت خوش ہوا اور اس کے احسان اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اسے وصال کے دن اور اس بے نظیر لڑکی کی صحبت یاد آنے لگی اور وہ زار زار رونے لگا۔اس کے بعد نور الدین بازار گیا' کھانے پینے اور سفر کی تمام ضروری چیزیں لا کر ناخدا کے پاس پہنچا۔ ناخدا نے کہا بیٹا' تیرے پاس یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ راہ کے لئے کھانا پینا اور سفر کی باقی ضروریات۔ یہ سن کرناخدا ہنس پڑا اور کہنے لگا اپنے خیال میں تو عمواالصواری کی سیر کرنے جا رہا ہے' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں تو جانا چاہتا ہے دو مہینے کی راہ ہے' وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ہوا موافق اور مطلع صاف ہو۔ یہ کہہ کر بوڑھے نے نور الدین سے کچھ دام لئے اور بازار جا کراتنی چیزیں خرید لایا کہ اس کے لئے سفر میں کافی ہوں اور ایک پیپا میٹھے پانی کا بھر لایا۔ اب نور الدین تین دن جہاز میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ تاجر تیار ہو گئے اور ضرورت کی چیزیں لا کر جہاز میں بیٹھ گئے۔ ناخدا نے لنگر اٹھا دیئے اور جہاز اکیاون دن تک چلتا رہا جہاز امن کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کردیا' جہاز لوٹ لیا' تمام مسافروں کو پکڑ کرافرنجہ لے گئے اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ نور الدین بھی انہی میں تھا' بادشاہ نے حکم دیا کہ ان سب کو قید خانے بھیج دیا جائے۔

یہ لوگ بادشاہ کے پاس سے قید خانے کی طرف جا رہے تھے کہ جنگی جہاز آ پہنچا جس میں مریم زناریہ اور کانا وزیر تھا جب یہ جہاز کنارے آ کر لگا تو وزیر اتر کر بادشاہ کے پاس گیا اور خوشخبری دی کہ اس کی بیٹی مریم زناریہ صحیح سلامت آ گئی ہے۔ شادیانے

بجنے لگے‘ شہر خوب سجایا گیا بادشاہ تمام لشکر اور امرا کے ساتھ سوار ہو کر بیٹی کے خیرمقدم کے لئے سمندر کی طرف چلا۔ مریم جہاز سے اتری تو باپ نے اسے گلے لگایا‘ سلام کیا۔ بیٹی نے باپ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے گھوڑا منگوایا۔ وہ سوار ہو کر محل پہنچی۔ ماں نے اس کا خیرمقدم کیا اسے گلے لگایا‘ سلام کیا۔ اس کی خیریت پوچھی اور یہ کہ تو اب تک پہلے کی طرح باکرہ ہے یا عورت ہو چکی ہے؟ مریم نے جواب دیا اماں جان‘ جب کوئی لڑکی مسلمانوں کے ملکوں میں ایک تاجر کے ہاتھ سے دوسرے تاجر کے ہاتھ بکتی پھرے اور محکوم ہو کر رہے تو کیسے باکرہ رہ سکتی ہے؟ جس تاجر نے مجھے پہلے خریدا اس نے ڈرا دھمکا کر میری بکارت زائل کر دی اور دوسرے تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا‘ پھر اس نے ایک اور تاجر کے ہاتھ۔ اس کی یہ بات سن کر ماں کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ ماں نے اس کے باپ سے یہ ماجرا بیان کیا تو وہ بھی ہاتھ ملنے لگا‘ اس نے امرا اور بطریقوں سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ! مسلمانوں نے اس کو نجس کر دیا ہے اور یہ اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتی جبتک سو مسلمانوں کی گردن نہ اڑا دی جائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مسلمان قیدی جو قید خانے میں ہیں حاضر کئے جائیں۔ وہ لائے گئے تو نور الدین بھی ان میں تھا‘ بادشاہ نے حکم دے دیا کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ سب سے پہلے ناخدا کی گردن اڑائی گئی پھر ایک ایک کرکے تمام تاجروں کی‘ سوائے نور الدین کے اور کوئی باقی نہ رہا۔

اب انہوں نے نور الدین کے دامن میں سے ایک پٹی پھاڑی اس کی آنکھیں باندھ کر اسے قتل کی چٹائی پر لے گئے اور چاہتے ہی تھے کہ اس کی گردن اڑا دیں کہ ایک بڑھیا بادشاہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگی اے میرے مالک تو نے نذر مانی تھی کہ اگر تیری بیٹی مریم کو خداواپس لے آئے تو تو ہر گرجا کی خدمت کے لئے پانچ پانچ مسلمان قیدی دے گا۔ اب چونکہ تیری بیٹی آ گئی ہے اپنی نذر پوری کر۔ بادشاہ نے کہا والدہ‘ مسیح اوراس کے سچے دین کی قسم اس وقت میرے پاس قیدیوں میں سے محض یہ قیدی بچا

ہے' اسے لے جا تا کہ وہ گرجا کی خدمت میں تیری مدد کرے۔ جب اور مسلمان قیدی آئیں گے تو میں چار اور بھیج دوں گا۔ اگر تو ان کے قتل سے پہلے آئی ہوتی تو جتنے



تو چاہتی میں دے دیتا۔

بڑھیا نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور دعا دی کہ خدا اس کی عزت بقا اور نعمتیں قائم رکھے!

پھر فوراً نور الدین کی طرف بڑھ کر اسے خونی چٹائی پر سے لے آئی۔ دیکھا کہ وہ خوش رو اور خوش قد جوان ہے۔ اس کا چہرہ ایسا ہے جیسا چودھویں رات کا چاند' بڑھیا اسے لے کرگرجا کی طرف روانہ ہو گئی اور اسے کہا بیٹا' اپنے یہ کپڑے اتار ڈال کیونکہ ان کپڑوں میں تو بادشاہ کی خدمت کی جاتی ہے۔ یہ کہہ کر بڑھیا نور الدین کے لئے ایک کالا اونی جبہ' ایک کالا اونی عمامہ اور ایک چوڑی پٹی لے آئی' اسے وہ جبہ پہنایا' عمامہ باندھا' پٹی کمر میں لگائی اور اس سے کہا اب جا کر گرجا کی خدمت کر' اس نے سات دن تک خدمت کی ۔ ساتویں دن جبکہ وہ خدمت کر رہا تھا بڑھیا آئی اور کہنے لگی اے مسلمان' تو اپنے ریشمی کپڑے پہن لے۔ یہ دس درہم لے اور فوراً سیر کرنے چلا جا یہاں بالکل نہ ٹھہر ورنہ تیری جانکی خیر نہیں۔ نور الدین نے کہا اماں' کیا بات ہے؟ بڑھیا بولی بیٹا' بادشاہ کی بیٹی شہزادی مریم زناریہ ابھی گرجامیں آنے والی ہے تا کہ اس کی زیارت کرے' تبرک حاصل کرے اور اس خوشی میں کہ وہ مسلمانوں کے ملک سے چھٹ کر آئی ہے چڑھاوا چڑھائے اور نیاز کرے کیونکہ مسیح نے اسے نجات دی۔ اس کے ساتھ چار سو لڑکیاں اور آئیں گی جو حسن و جمال میں یکتا ہیں' منجملہ ان کے وزیر زادی اور دیگر امراء زادیاں ہیں۔ وہ سب تھوڑی دیر میں آنے والی ہیں' اگر انھوں نے تجھے کہیں دیکھ پایا تو تجھے تلواروں سے کاٹ کر پھینک دیں گی۔ نور الدین نے اپنے کپڑے پہن کر بڑھیا سے دس درہم لئے اور بازار جا کر شہر کی گلیوں کی سیر کرنے لگا تا کہ اسے شہر کی سمتیں اور دروازے معلوم ہو جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- آٹھ سو بیاسی ویں رات

آٹھ سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- نور الدین اپنے کپڑے پہن' بڑھیا سے دس درہم لے بازار چلتا ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد گرجا لوٹ آیا' دیکھا کہ بادشاہ زادی مریم زناریہ چار سو باکرہ لڑکیوں کے ساتھ جو چاندی کی طرح خوب صورت ہیں گرجا میں آئی منجملہ ان کے کانے وزیر کی بیٹی اور دیگر امرا کی بیٹیاں ہیں اور وہ انکے درمیان اس طرح چل پھررہی ہے جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند' جوں ہی نور الدین کی نظر اس پر پڑی تو اس سے نہ رہا گیا بے تاب ہو کر بے ساختہ "یا مریم یا مریم" چلانے لگا۔ لڑکیوں نے نور الدین کو یا مریم چلاتے ہوئے سنا تو انہوں نے اس کی طرف بڑھ کر تلواریں کھینچ لیں اور چاہتی ہی تھیں کہ اسے قتل کر ڈالیں۔ اتنے میں مریم نے اسے غور سے دیکھا' دیکھتے ہی پہچان گئی اور لڑکیوں سے کہنے لگی کہ اس جوان کو جانے دو پاگل ہے اس کے پاگل پن کا پتا اس کے چہرے سے چلتا ہے۔ مریم کو یہ کہتے ہوئے سن کر نور الدین نے اپنا سر ننگا کر دیا اور آنکھیں پھرانے اور ہاتھ مٹکانے اور پاؤں چلانے لگا اسکے منہ سے جھاگ نکلنے لگی۔ مریم نے لڑکیوں سے کہا میں نے کہا نہ تھا کہ دیوانہ ہے۔ اسے میرے پاس لے آؤ اور تم لوگ ہٹ جاؤ' میں ذرا سنوں تو کہ وہ کیا کہتا ہے کیونکہ میں عربوں کی بولی سمجھتی ہوں اور یہ بھی معلوم کروں کہ اس کے پاگل پن کا علاج ہو سکتا ہے یا نہیں۔ لڑکیاں اسے اٹھا کرمریم کے پاس لے آئیں اور ادھر ادھر چلی گئیں۔ مریم نے اس سے پوچھا کیا تو میری خاطر جان پرکھیل کر اور پاگل بن کر یہاں آیا ہے؟ نور الدین بولا کہ جینے کا مزا تو محض پاگلوں کے لئے ہے۔

مریم نے کہا نور الدین تو نے واللہ اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ میں نے آج سے پہلے تجھے اس دن سے خبردار کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہ سنی اور جیسا چاہا کیا۔ میں نے

جو کچھ تجھ سے کہا تھا وہ نہ کشف تھا' نہ فراست' نہ خواب' بلکہ مشاہدے کی بنا پر تھا کیونکہ جوں ہی میں نے کانے وزیر کی شکل دیکھی میں تاڑ گئی کہ وہ شہر میں محض مجھے ڈھونڈنے آیا ہے۔ نور الدین نے کہا اے میری آقا' عاقل کی غلطی سے ہم خدا کے آگے پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے بعد نور الدین اور شہزادی مریم زناریہ ایک دوسرے سے شکوے شکایت کرنے لگے۔ دونوں نے اپنی اپنی سرگزشت سنائی۔ اشعار پڑھے اور دونوں کے رخساروں پر دریا کی طرح آنسو بہنے لگے۔ غرض کہ دونوں نے اپنا اپنا دکھڑا اتنا رویا کہ ان کے منہ تھک گئے' دن ختم ہو گیا اور اندھیرا چھانے لگا۔ مریم اس وقت سبز پوشاک پہنے ہوئے تھی جس سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔ رات ہوئی تو شہزادی مریم نے لڑکیوں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم نے دروازہ بند کر دیا ہے؟

اب شہزادی مریم لڑکیوں کو لے کر اس کوٹھڑی میں گئی جس کا نام مریم عذرا ام نور کی کوٹھڑی تھا کیونکہ عیسائیوں کے اعتقاد کے بہ موجب حضرت مریم کی روح اور دل اس جگہ تھے۔ لڑکیاں وہاں تبرک لینے اور گرجا کا طواف کرنے لگیں۔ جب وہ فارغ ہو چکیں تو شہزادی مریم نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا اب میں چاہتی ہوں کہ اس گرجا میں اکیلی جا کر تبرک لوں' میں مسلمانوں کے ملکوں میں اتنے عرصے تک رہی ہوں کہ مجھے تبرک کا اشتیاق ہے۔ تم لوگ زیارت سے فارغ ہو کر جہاں چاہنا سو رہنا۔ وہ بولیں کہ سر آنکھوں سے' تیرا جو جی چاہے کر۔ یہ کہہ کر وہ اس سے رخصت ہو گئیں اور گرجا میں ادھر ادھر جا کر سو رہیں مریم انکی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر نور الدین کی تلاش میں نکلی دیکھا کہ وہ اس کے انتظار میں گویا انگاروں پر بیٹھا ہوا ہے جب وہ اس کے سامنے آئی تو اس نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے۔ وہ بیٹھ گئی اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اپنا بیرونی لباس اور گہنے اتار کر نور الدین کو سینے سے لگا لیا اور دونوں ایک دوسرے سے بوس و کنار کرنے لگے۔ وہ اسی مزے اور خوشی میں تھے کہ ایک غلام نے گرجا کی چھت پر گجر بجایا تاکہ لوگ عبادت کے لئے آئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • آٹھ سو تراسی ویں رات



آٹھ سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- غلام نے ناقوس بجایا تو مریم نے اٹھ کر اپنے کپڑے اور گہنے پہن لئے۔ نور الدین کو اس سے بے حد تکلیف ہوئی وہ رونے اور آنسو بہانے لگا۔ اس کے بعد شہزادی مریم نے نور الدین کو سینے سے لگالیا اس کے رخسار کو بوسہ دے کر کہا اے نور الدین تو اس شہر میں کتنے دنوں سے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سات دن سے۔ مریم بولی کہ شہر کی بھی سیر کی ہے اور اس کی گلیاں اور باہر جانے کے راستے اور دروازے بھی معلوم ہیں جو خشکی یا سمندر کی طرف نکلتے ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ مریم نے پوچھا تجھے اس صندوق کا راستہ بھی معلوم ہے جس میں گرجا کی نذر نیاز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں؟ نورالدین نے کہا ہاں۔ مریم بولی چونکہ تجھے یہ سب چیزیں معلوم ہیں تو کل تہائی رات گزرنے کے بعد اسی وقت اس صندوق کو کھول کر اس میں سے جو تیرا جی چاہے نکال لیجیو اور پھر گرجا کا وہ دروازہ کھول کر جہاں سے سرنگ جاتی ہے سمندر تک چلا جائیو وہاں تجھے ایک بجرا ملے گا جس میں دس ملاح ہوں گے جونہی ناخدا کی نظر تجھ پر پڑے تو اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیجیو' وہ تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے بجرے میں بٹھا لے گا' جب تک میں وہاں پہنچ نہ جاؤں تو اسی کے پاس رہیو۔ اور خبردار! رات میں نہ جائیو ورنہ پچھتائے گا اور پچھتائے سے کچھ نہ بنے گا۔ یہ کہہ کر شہزادی مریم' نور الدین سے رخصت ہوئی اور فوراً جا کر اپنی کنیزوں اور باقی لڑکیوں کو جگایا اور گرجا کے دروازے پر آ کر اسے کھٹکھٹایا بڑھیا نے دروازہ کھولا' مریم نے باہر نکل کر دیکھا کہ نوکر چاکر اور بطریق باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ انھوں نے زردوزی خچر پیش کیا اور وہ اس پر سوار ہو گئی۔ بطریقوں نے اس پر ریشمی چھتری لگائی اور خچر کی لگام اپنے ہاتھ لے لی' لڑکیاں پیچھے پیچھے ہولیں اور چاؤش لوگ ننگی تلواریں لے کر اس کے اردگرد اسے باپ کے محل تک

پہنچا آئے۔

یہ تو مریم زناریہ کی کہانی ہوئی' اب نورالدین مصری کا ماجرا سنو۔ جس پردے کے پیچھے وہ اور مریم چھپے ہوئے تھے وہیں وہ صبح تک چھپا بیٹھارہا۔ جب گرجا کا دروازہ کھلا اور لوگوں کی بھیڑ لگ گئی تو نور الدین بھی ان کے ساتھ مل گیا اور بڑھیا کے پاس پہنچا جو گرجا کی رکھوالی تھی۔ بڑھیا نے پوچھا آج رات تو کہاں سویا؟ اس نے جواب دیا ایک جگہ جو شہر کے اندر تھی جیسا کہ تو نے حکم دیا تھا۔ بڑھیا بولی بیٹا' تو نے ٹھیک کیا' اگر تو نے رات گرجا میں گزاری ہوتی تو شہزادی تجھے بری موت مارتی۔ نور الدین نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے رات کی مصیبت سے مجھے پناہ میں رکھا۔ دن بھر نور الدین اپنے کام میں مشغول رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی' اس نے اٹھ کر نذر کا صندوق کھولا اس میں سے وہ چیزیں نکال لیں جو ہلکی اور قیمتی تھیں۔ جب تہائی رات گزر چکی تو وہ سرنگ والے دروازے سے نکل کھڑا ہوا اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ پردہ پوشی کرے۔ سرنگ کا دروازہ کھول کر وہ سمندر پر پہنچ گیا دیکھا کہ وہیں دروازے کے قریب ایک کشتی لنگر ڈالے کھڑی ہے اس کا ناخدا ایک بہت بوڑھا خوبصورت شخص ہے جس کی داڑھی بہت لمبی ہے اور بیچ کشتی میں کھڑا ہوا ہے ناخدا کے آس پاس دس شخص اور ہیں۔ اور نور الدین نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا جیسا کہ مریم نے اس سے کہا تھا' ناخدا نے ہاتھ پکڑ کر اسے کشتی میں کھینچ لیا۔

اب بوڑھے ناخدا نے ملاحوں کو آواز دے کر کہا کہ کشتی کے لنگر اٹھا دو اور دن نکلنے سے پہلے چل دو۔ ایک ملاح نے کہا اے میرے آقا ناخدا' ہم کیسے چل سکتے ہیں! بادشاہ نے ہمیں خبر بھیجی ہے کہ وہ کل اس کشتی پر بیٹھ کرسمندر کی چھان بین کرے گا کیونکہ اسے ڈر ہے کہ کہیں مسلمان چور اس کی بیٹی کو نہ چرا لے جائیں۔ ناخدا نے ڈانٹ کرکہا اے مردود ستیاناس ہو تمہارا! کیا تمہاری یہ ہمت ہو گئی کہ تم میرا حکم نہیں مانتے اور مجھے پلٹ کر جواب دیتے ہو؟ یہ کہہ کر بوڑھے ناخدا نے تلوار کھینچ

لی اور اس ملاح پر ایسا وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی اس کی گردن کے پار ہو گئی۔ ایک دوسرا ملاح بولا ہمارے ساتھی نے کیا جرم کیا کہ تو نے اس کی گردن مار دی؟ یہ سن کر ناخدا نے دوسرے ہاتھ میں اس کی گردن بھی اڑا دی۔ ناخدا اسی طرح ایک ایک گردن اڑاتا رہا یہاں تک کہ دسوں کے سر کاٹ کر کنارے پر پھینک دیئے۔ اس کے بعد نور الدین کی طرف مخاطب ہوا اور چلا کر کہا کھونٹی سے رسی کھول دے۔

نور الدین ڈرا کہ کہیں اس پر بھی تلوار کا وار نہ ہو جائے' اٹھ کر دوڑا اور خشکی پر کود کر کھونٹی سے رسی کھول دی اور پھر بجلی کی طرح لپک کر کشتی پر آ گیا۔ ناخدا اس سے کہتا جاتا کہ یہ کر' وہ کر اور یوں گھما اور ستاروں کی طرف دیکھ' نور الدین سب کی تعمیل کرتا جاتا مگر اس کے دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ اس کے بعد نور الدین نے بادبان کھول دیئے اور کشتی متلاطم سمندر میں چل کھڑی ہوئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • آٹھ سو چوراسی ویں رات



آٹھ سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بوڑھے ناخدا نے کشتی کے بادبان کھول دیئے تو کشتی موافق ہوا کے ساتھ اسے اور نور الدین کو لے کر متلاطم سمندر میں چل دی' ادھر کشتی چلی جا رہی تھی اور ادھر نور الدین رسہ چرخی پکڑے ہوئے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اسے خبر بھی نہ تھی کہ غیب میں اس کے لئے کیا پوشیدہ ہے۔ جب اس کی نظر ناخدا پر پڑ جاتی اس کا دل کانپ اٹھتا اور اسے کچھ پتا نہ لگتا کہ ناخدا اسے کدھر لئے جا رہا ہے۔ اسی پریشانی میں صبح ہو گئی۔ نور الدین نے دیکھا کہ ناخدا نے اپنی داڑھی ہاتھ سے پکڑ کر کھینچی اور وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی معلوم ہوا کہ وہ جھوٹی اور محض چپکی ہوئی تھی۔ اب جو نور الدین نے ناخدا کی طرف نظر ڈالی تو وہ تو اس کی معشوقہ اور دلی محبوبہ شہزادی مریم تھی۔ یہ اس کی صرف چال تھی' اس نے ناخدا کو قتل کرکے اس کی داڑھی مع چہرے کی کھال کے اتار اپنے چہرے پر لگالی تھی۔ نور الدین کو اس کی اس کارستانی' بہادری اور دل کی مضبوطی پر سخت تعجب ہوا حیرت سے ہوش جاتے رہے اس کو اطمینان ہو گیا اور کہنے لگا اے میری دلی آرزو اور انتہائی مقصد' مرحبا' نور الدین جھومنے لگا اور اسے یقین آ گیاکہ اب میری مراد برآئی

شہزادی مریم دل کی بڑی مضبوط تھی سمندر میں کشتی کھینا جانتی تھی موسم کے حالات سے واقف تھی اور سمندر کے تمام راستے اسے معلوم تھے۔ نور الدین بولا اے میری آقا' اگر تو اور زیادہ یہی کھیل کھیلتی تو مارے ڈر کے میں مرجاتا خاص کر محبت کی آگ اور جدائی کی تکلیف کی وجہ سے۔ اس کی باتیں سن کر مریم ہنس پڑی اور اس نے فوراً اٹھ کر کھانے پینے کی چیزیں نکالیں' دونوں نے کھایا' پیا اور مزے اڑائے۔ اس

کے بعد اس نے یاقوت' جواہرات' طرح طرح کی معدنیات اور سونا چاندی نکالا جو وہ اپنے ماں باپ کے محل اور خزانے میں سے ہلکے اور قیمتی دیکھ کر لے آئی تھی انہیں نور الدین کے آگے پیش کیا اور وہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس ساری مدت میں ہوا معتدل رہی' کشتی برابر چلتی گئی۔ وہ اسکندریہ پہنچ گئے اس کے نئے پرانے نشانات اور عمودالصواری انہیں دکھائی دینے لگے۔ کنارے پہنچ کر نور الدین فوراً کشتی پر سے اتر پڑا اور اسے ایک پتھر سے باندھ کر کچھ قیمتی پتھر اپنے ساتھ لئے اور شہزادی مریم سے کہا اے میری آقا' تو کشتی میں بیٹھی رہ جب تک میں تجھے اس طرح نہ اتاروں جیسے کہ میرا جی چاہتا ہے۔ مریم بولی مگر یہ جلد ہونا چاہیے کیونکہ دیر کرنے میں پشیمانی اٹھانا پڑے گی۔ نور الدین نے کہا کہ میں دیر نہیں کروں گا۔ مریم کشتی میں بیٹھی رہی اور نور الدین اپنے باپ کے دوست عطر فروش کے گھر گیا تا کہ وہ اسکندریہ کے دستور کے موافق نقاب' چادر' جوتیاں اور جبہ لے کر آئے' لیکن یہ اس کو کیا معلوم تھا کہ زمانہ اس کے لئے کیا حوادث مہیا کر رہا ہے۔

یہ تو مریم اور نور الدین کی کہانی ہوئی' اب اس کے باپ افرنجہ کے بادشاہ کا حال سنو۔ صبح ہوئی تو اس نے اپنی بیٹی مریم کو ڈھونڈا لیکن کہیں اس کا پتا نہ چلا' اس نے کنیزوں اور غلاموں سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا اے ہمارے مولا' کل وہ یہاں سے گرجا گئی تھی' اس کے بعد کی ہمیں بالکل خبر نہیں۔ بادشاہ کنیزوں اور غلاموں سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ محل کے نیچے سے دو بار ایسی چیخ کی آوازیں آئیں کہ محل گونج اٹھا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اے بادشاہ' سمندر کے کنارے دس آدمی مرے ہوئے پائے گئے ہیں۔ شاہی بجرا غائب ہے' سرنگ کا دروازہ جو گرجا کی طرف ہے کھلا پڑا ہے اور قیدی جو گرجا کی خدمت کرتا تھا ندارد ہے۔ بادشاہ بولا اگر میرا بجرا جو سمندر میں تھا غائب ہے تو شک نہیں کہ میری بیٹی مریم اس میں ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

## آٹھ سو پچاسی ویں رات

آٹھ سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ افرنجہ کے بادشاہ نے کہا کہ اگر میرا بجرا غائب ہے تو بلاشک میری بیٹی اس میں ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے بندرگاہ کے سردار کو بلوایا' اس سے کہا کہ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی اگر تو میرے بجرے اور اس کے مسافروں کو فوراً نہ لے آیا تو میں تجھے اتنی بری طرح ماروں گا کہ لوگوں کو عبرت ہو گی۔ یہ کہہ کر اس نے اسے زور سے ڈانٹا وہ کانپتا ہوا گرجا کی بڑھیا کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا' تو نے کبھی قیدی سے سنا تھا کہ وہ کس ملک کا رہنے والا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں اسکندریہ کا رہنے والا ہوں۔ بڑھیا سے یہ سن کر ناخدا بندرگاہ پر آیا اور ملاحوں کو پکار کر کہا تیار ہو جاؤ اور بادبان کھول دو۔ ملاحوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور روانہ ہو گئے دن رات چلتے چلتے بالاخر اسکندریہ اس وقت پہنچے جبکہ نور الدین مریم کو کشتی میں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ان فرنگیوں کے ساتھ وہ کانا اور لنگڑا وزیر بھی آیا تھا جس نے مریم کو نور الدین سے مول لیا تھا۔ شاہی بجرا دیکھ کر ملاح پہچان گئے۔ اپنے جہاز کو انہوں نے دور جا کر باندھا اور ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر بجرے کے پاس آئے' یہ کشتی چپوؤں سے کھیئی جاتی تھی' اس میں سو جنگجو جوان تھے اور کانا لنگڑا وزیر بھی بڑا قوی ہیکل مردود شیطان اور ایسا چالباز ڈاکو تھا کہ اس کی چالبازیوں کا توڑ کسی کے پاس بھی نہ تھا' غرض اس کو ابو محمد بطال سمجھو۔ کھیتے کھیتے وہ اس بجرے کے پاس پہنچ گئے اور اس پر یک بارگی دھاوا بول دیا' لیکن دیکھا کہ اس میں سوائے مریم کے اور کوئی نہیں۔ تھوڑی دیر تک کنارے پر ٹھہرنے کے بعد وہ مریم اور بجرے کو اپنے جہاز کے پاس لے گئے اور بغیر لڑائی کے ان کا مقصد پورا ہو گیا یہاں تک کہ انہیں ہتھیار نکالنے کی بھی

ضرورت نہ پڑی۔ اب وہ عیسائی ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے ہوا موافق تھی اور وہ سپاہیوں کی پناہ میں تھے' اس طرح وہ افرنجہ جا پہنچے اور شہزادی مریم کو لے کر اس کے باپ کے پاس گئے جو اس وقت تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔



مریم کے باپ نے اسے دیکھ کر کہا اے دغاباز' تو نے باپ داداؤں کا دین کیسے چھوڑ دیا' مسیح کی پناہ سے کیوں نکل گئی جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور خانہ بدوشوں کا مذہب یعنی اسلام کیوں اختیار کیا جو صلیب اور بتوں کی ضد میں تلوار کے ذریعے سے قائم کیا گیا ہے؟ مریم بولی اس میں میری کیا خطا ہے! میں رات کو جاگی ہوئی تھی تا کہ حضرت مریم کی زیارت اور تبرک حاصل کروں۔ بے خبری کی حالت میں مسلمان ڈاکوؤں نے مجھ پر حملہ کر دیا' میرا منہ بند کر کے مشکیں باندھ دیں اور مجھے کشتی میں ڈال کر اپنے ملک کی طرف لے چلے۔ میں نے انہیں دھوکہ دے کر ان کے دین کی باتیں شروع کر دیں یہاں تک کہ انہوں نے میری مشکیں کھول دیں اتنے میں یکایک تیرے لوگ پہنچ گئے اور انہوں نے مجھے چھڑا لیا۔ مسیح اور سچے دین کی قسم' صلیب اور اس کی قسم جو صلیب پر چڑھایا گیا ہے کہ میں مسلمانوں کے پنجے سے چھوٹ کر بہت خوش ہوئی باپ نے کہا اے بدکار تو جھوٹی ہے قسم ہے انجیل اور اس کے اٹل حلال و حرام احکام کی کہ میں تجھے بری طرح قتل کروں گا تا کہ لوگ تیری بری مثال سے عبرت پکڑیں۔ کیا یہ تیرے لئے کافی نہ تھا کہ تو ایک بار جھوٹ بول چکی ہے تو اب پھر ہمیں دھوکہ دینا چاہتی ہے! بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر کے محل کے دروازے کے قریب صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ اسی وقت کانا وزیر اندر آیا' وہ بہت دنوں سے اسے چاہتا تھا' کہنے لگا اے بادشاہ' اسے قتل نہ کر بلکہ میرے نکاح میں دے دے۔ میں اس کی بڑی حفاظت کروں گا اور اس وقت تک اس سے ہم بستر نہ ہوں گا جب تک میں اس کے لئے سخت پتھر کا ایک محل نہ بنا لوں اور دیواریں اتنی اونچی نہ کروا لوں کہ کوئی چور اس پر چڑھ نہ سکے۔ جب وہ محل بن چکے گا تو میں اس کے دروازے

پر تیس مسلمانوں کی اپنی اور اس کی طرف سے بھینٹ چڑھاؤں گا۔ بادشاہ نے مہربانی فرما کر مریم کی شادی اس سے منظور کر لی۔ پادریوں' رہبانوں اور بطریقوں کو اجازت دے دی کہ دونوں کو ایک دوسرے سے بیاہ دیں۔ انھوں نے مریم کا نکاح کانے وزیر سے کر دیا' بادشاہ نے یہ بھی حکم دے دیا کہ اس کی شان کے موافق ایک مضبوط محل کی بنیاد رکھی جائے' اور فوراً کام شروع ہو گیا۔



یہ تو شہزادی مریم اس کے باپ اور کانے وزیر کا ماجرا ہوا' اب نور الدین اور بوڑھے عطر فروش کی کہانی سنو' عطر فروش کے گھر پہنچ کر نور الدین نے اس کی بیوی سے جبہ' نقاب' جوتیاں اور ایسے کپڑے لئے جو اسکندریہ کی عورتیں پہنتی ہیں اور سمندر پہنچ کر اس کشتی کی طرف چلا جس میں شہزادی مریم تھی مگر اس نے دیکھا کہ میدان خالی پڑا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو چھیاسی ویں رات

جب آٹھ سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- میدان خالی دیکھ کر نور الدین کا دل بیٹھ گیا اس کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے اور وہ سمندر کے کنارے دائیں بائیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ کہ لوگ کنارے پر کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں اے مسلمانو! اب اسکندریہ کی کوئی حرمت باقی نہیں رہی' فرنگی یہاں گھس آتے ہیں اور جو چاہتے ہیں مزے سے لے کر چل دیتے ہیں ان کا تعاقب نہ کوئی مسلمان کرتا ہے نہ مجاہد لشکر' نور الدین نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے جواب دیا بیٹا ابھی فرنگیوں کے ایک جہاز نے جس میں لشکر تھا اس بندرگاہ پر حملہ کر دیا اور ایک کشتی کو جو یہاں لنگر ڈالے کھڑی تھی مع ایک لڑکی کے پکڑ' اپنے ملک کو چل دیئے۔ یہ سنتے ہی نور الدین غش کھا کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو لوگوں نے ماجرا پوچھا' اس نے شروع سے آخر تک سب کچھ کہہ سنایا۔ لوگوں کو اصل واقعے کا پتہ چلا تو سب اسے برا بھلا کہنے لگے کہ آخر تو نے اسے بے جبے اور نقاب کے کیوں نہ باہر نکال لیا؟ غرض کہ ہر شخص کوئی نہ کوئی تکلیف دہ بات کہتا۔ ایک نے تو یہاں تک کہا کہ اسے چھوڑ' اس کی یہی سزا تھی۔ لوگ نور الدین سے اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ بوڑھا عطر فروش آ پہنچا اس نے دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور بیچ میں نور الدین بے ہوش پڑا ہے۔

عطر فروش نے نور الدین کے سرہانے بیٹھ کر اسے ہوشیار کیا اور جب وہ ہوش میں آ چکا تو اسے کہا بیٹا یہ تیری کیا حالت ہے؟ نور الدین بولا چچا' جو لڑکی میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی اسے جا کر میں اس کے باپ کے شہر سے کشتی میں بٹھا کر لایا تھا اور اس کے لانے میں سخت مصیبتیں جھیلی تھیں' جب یہاں پہنچا تو کشتی کو باندھ کر اور لڑکی کو اسی میں بیٹھا چھوڑ تیرے گھر گیا اور تیری بیوی سے کپڑے لتے لے

کر لڑکی کو لینے آیا' اتنے میں فرنگی آ کر کشتی اور لڑکی کو اڑا لے گئے۔ بوڑھے عطر فروش کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ وہ نور الدین پر بڑا افسوس کرنے لگا اور کہا بیٹا' تو نے بغیر جبے کے اسے کیوں نہ اتار لیا؟ لیکن اب باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ بیٹا' اٹھ میرے ساتھ شہر چل' ممکن ہے کہ خدا تجھے اس سے زیادہ حسین لڑکی عنایت کرے اور تو اسے بھول جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس لڑکی میں تجھے ٹوٹا نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی فائدہ رہا۔ بیٹا سن' جدائی اور ملاپ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ نور الدین نے کہا چچا' خدا کی قسم میں اسے کبھی بھول نہیں سکتا ہوں خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ عطر فروش نے کہا بیٹا' تیرے دل میں کون سی بات ہے جو تو کرنا چاہتا ہے؟ نور الدین بولا میں چاہتا ہوں کہ پھر روم کے ملک میں جا کر افرنجہ پہنچوں اور جان پر کھیل جاؤں۔ اس میں یا تو میرا مقصد پور ہو جائے اور یا میں مر جاؤں۔ بوڑھے عطر فروش نے کہا مثل ہے کہ گھڑا ہر بار سالم نہیں نکلتا۔ اگرچہ انہوں نے پہلی بار تجھے چھوڑ دیا ممکن ہے کہ اس بار وہ تجھے قتل کر ڈالیں۔ خاص کر اس وجہ سے کہ اب وہ تجھے خوب پہچان گئے ہیں۔ نور الدین بولا چچا' مجھے جانے دے تا کہ میں اس کی محبت میں جلد قتل ہو جاؤں اور اس کی جدائی میں گھٹ گھٹ کر نہ مروں اتفاق سے اس وقت ایک جہاز بندرگاہ میں لنگر ڈالے سفر کے لئے تیار کھڑا تھا مسافر اپنا اپنا کام نبٹا چکے تھے اور ملاح لنگر اٹھانے ہی والے تھے کہ نور الدین اس میں بیٹھ گیا' ہوا موافق تھی کشتی کئی دن تک چلتی رہی۔ وہ چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ کئی فرنگی جہاز سمندر میں چکر لگا رہے ہیں اور جس کشتی کو دیکھتے ہیں پکڑ لیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اندیشہ ہے کہ مسلمان ڈاکو کہیں شہزادی کو نہ لے جائیں۔ جب وہ کسی کشتی کو پکڑتے تو سارے مسافروں کو افرنجہ کے بادشاہ کے پاس لے جاتے اور وہ انہیں ذبح کرکے اپنی نذر پوری کرتا جو اس نے بیٹی کے بارے میں مانی تھی۔ جب ان کی نظر اس کشتی پر پڑی جس پر نور الدین تھا تو انہوں نے اسے بھی پکڑ لیا اور تمام مسافروں کو لے

کر بادشاہ کے پاس پہنچے جو مریم کا باپ تھا۔ جب قیدی صف باندھ کر کھڑے ہوئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ وہ سو مسلمان ہیں اس نے فوراً ان کے قتل کا حکم دے دیا' انہی میں نور الدین بھی تھا۔ سب ذبح کر دیئے گئے محض نور الدین باقی رہ گیا' جلاد نے اس کی کم سنی اور خوب صورتی کی وجہ سے اسے سب کے بعد رکھا تھا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر پہچان گیا اور کہنے لگا کہ کیا تو نور الدین نہیں ہے جو اس سے پہلے ایک بار اور یہاں آیا تھا؟ اس نے جواب دیا میں پہلے کبھی یہاں نہیں آیا تھا' نہ میرا نام نور الدین ہے بلکہ ابراہیم ہے۔ بادشاہ بولا تو جھوٹا ہے تیرا نام نور الدین ہے' تجھے میں نے اس بڑھیا کے حوالے کیا تھا جو گرجا کی سردار ہے تاکہ تو گرجا کی خدمت میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ نور الدین نے کہا اے میرے مولا' میرا نام ابراہیم ہے بادشاہ بولا اگر بڑھیا یہاں آئے اور تجھے دیکھے تو وہ ٹھیک بتا سکتی ہے کہ تو نور الدین ہے یا کوئی اور۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ کانا وزیر جس نے شہزادی سے نکاح کیا تھا آ پہنچا اور بادشاہ کے آگے زمین چوم کر کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت' محل بن کر تیار ہو چکا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب میں محل بنا کر تیار کر لوں گا تو اس کے دروازے پر تیس مسلمانوں کو ذبح کروں گا۔ اس وقت میں اسی لئے آیا تھا کہ تجھ سے تیس مسلمان لے کر ذبح کروں تاکہ مسیح کی نذر پوری ہو جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ مسیح اور سچے دین کی قسم سوائے اس قیدی کے میرے پاس اور کوئی نہیں یہ کہہ کر اس نے نور الدین کی طرف اشارہ کیا اور کہا اسے تو ابھی ذبح کر ڈال اور جب اور مسلمان قیدی میرے پاس آئیں گے تو میں باقی بھی تیرے پاس بھیج دوں گا۔ کانا وزیر' نور الدین کو لے کر چل دیا تاکہ اسے اپنے دروازے کی دہلیز پر ذبح کرے لیکن رنگ کرنے والوں نے اسے کہا اے ہمارے مولا' ہمارا دو روز کا کام اور باقی ہے' اس لئے ابھی ٹھہر جا' جب ہم رنگ روغن کر چکیں تو اسے ذبح کیجئو۔ ممکن ہے کہ اس وقت تک باقی انتیس بھی آ جائیں اور تو سب کو ایک ساتھ ذبح کر کے نذر پوری کر سکتا ہے۔ یہ سن کر وزیر نے حکم دیا کہ نور الدین کو قید کر دیا جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • آٹھ سو ستاسی ویں رات



آٹھ سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر نے نور الدین کے قید کئے جانے کا حکم دیا تو لوگ اس کے بیڑیاں ڈال کر اصطبل میں لے گئے۔ وہ بھوکا پیاسا اپنے اوپر افسوس کر رہا تھا۔ اسے موت ہی موت ہر طرف دکھائی دیتی تھی۔ بادشاہ کے دو گھوڑے بھائی بھائی تھے' ایک کا نام سابق اور دوسرے کا لاحق تھا اور وہ ایسے تھے کہ ایک ایک کی تمنا بڑے بڑے بادشاہوں کو ہو سکتی ہے ایک ان میں سے اشہب تھا چمک دار اوردوسرا ادہم رات کی طرح کالا۔ جزیروں کے بادشاہوں نے کہہ رکھا تھا کہ جو کوئی ان دونوں میں سے ایک گھوڑا بھی چرا لائے تو وہ جس قدر سونا اور موتی جواہرات مانگے ہم دیں گے پھر بھی کسی کو ایک گھوڑے کے چرانے میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاقاً ان میں سے ایک بیمار پڑ گیا۔ یرقان اور آنکھوں میں جالا بادشاہ نے ملک کے تمام بیطار بلوائے لیکن کسی کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ ایک بار بادشاہ کے پاس وہی کانا وزیر آیا جس نے اس کی بیٹی سے شادی کی تھی' دیکھا کہ وہ گھوڑے کے بارے میں بہت غمگین ہے۔ غم دور کرنے کی غرض سے اس نے بادشاہ سے کہا کہ یہ گھوڑا مجھے دے دے میں اس کا علاج کروں گا۔ بادشاہ نے اسے گھوڑا دے دیا اس نے گھوڑے کو لے جا کر اسی اصطبل میں رکھا' جہاں نور الدین بند تھا۔ جب یہ گھوڑا اپنے بھائی سے الگ ہو گیا تو اتنا چیخنے چلانے اور ہنہنانے لگا کہ لوگ پریشان ہو گئے۔ وزیر سمجھ گیا کہ گھوڑا اپنے بھائی کی جدائی کی وجہ سے چلاتا ہے اور بادشاہ کو اس کی خبر کی۔ جب بادشاہ نے اس کی تحقیق کی تو کہنے لگا اگر یہ جانور اپنے بھائی کی جدائی گوارا نہیں کر سکتا تو پھر انسانوں کی کیا حالت ہو گی! یہ کہہ کر اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ دوسرے گھوڑے کو بھی وزیر کے ہاں پہنچا آؤ اور اس سے کہنا کہ اپنی بیٹی کی خاطر میں یہ دونوں گھوڑے تجھے انعام میں دیتا ہوں۔

ایک رات نور الدین کی نگاہ ان دونوں گھوڑوں پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ ایک کی آنکھوں میں جالا ہے۔ نور الدین کو گھوڑوں کی پہچان اور ان کے علاج میں کچھ مشق تھی۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ موقع ہے میں ابھی جا کر وزیر سے کہتا ہوں کہ میں اس گھوڑے کا علاج کروں گا پھر اگر اس نے اجازت دے دی تو ایسی دوا دوں گا کہ وہ اندھا ہو جائے اور وزیر مجھے قتل کر دے اس رذالت کی زندگی سے تو کسی طرح نجات ملے۔ وزیر گھوڑے کو دیکھنے اصطبل میں آیا تو نور الدین نے کہا اے میرے مولا' اگر میں نے علاج کر کے اس گھوڑے کی آنکھوں کو اچھا کر دیا تو تو مجھے کیا دے گا؟ وزیر بولا مجھے اپنے سر کی قسم اگر تو نے اسے اچھا کردیا تو میں تجھے ذبح نہ کروں گا اور جو تو مانگے گا دوں گا۔ نور الدین نے کہا اے میرے مولا' میرے ہاتھ کھلوا دے وزیر نے حکم دے دیا کہ اس کے ہاتھ کھول دیئے جائیں اور اس نے ایک دوا تیار کر کے گھوڑے کی آنکھوں میں لگائی' ان پر پٹی باندھ دی اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب اس کی آنکھیں جاتی رہیں گی اور وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس کے بعد نور الدین خوب آرام سے سویا' خدا کے آگے گڑگڑایا اور کہا اے میرے پروردگار جو میری دعا ہے تو خوب جانتا ہے۔ جب صبح ہوئی اور دن چڑھنے لگا تو وزیر نے اصطبل میں آ کر گھوڑے کی آنکھوں سے پٹی کھولی دیکھا کہ خدا کی قدرت سے وہ بالکل صاف اور خوب صورت ہو گئی ہیں۔ نور الدین سے اس نے کہا اے مسلمان! تجھ سے بڑھ کر معالج میں نے دنیا میں نہیں دیکھا۔ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی کہ میں تجھ سے بے حد خوش ہوں ہمارے ملک کا ایک بیطار بھی اس گھوڑے کا علاج نہ کر سکا۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اپنے ہاتھ سے اس کی بیڑیاں اتار دیں اسے ایک نفیس پوشاک پہننے کو دی اصطبل کا داروغہ بنا دیا ماہانہ اور روزینہ مقرر کیا اور اصطبل کی ایک منزل اسے رہنے کو عطا کی۔ جو نیا محل وزیر نے شہزادی مریم کے لئے بنایا تھا اس کی ایک کھڑکی وزیر کے گھر کی طرف تھی اور اسی منزل کے سامنے جس میں نور الدین رہتا تھا نور الدین ایک مدت تک مزے مزے کی چیزیں کھاتا پیتا اور سائیسوں پر حکم چلاتا رہا ان میں

سے جو کوئی غیر حاضر ہوتا یا طویلے میں بندھے ہوئے گھوڑوں کو دانہ چارا نہ دیتا تو وہ اسے دھکے دیتا' خوب مارتا اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتا۔ نور الدین کی وجہ سے وزیر بڑا خوش تھا لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ اونٹ کس کل بیٹھنے والا ہے۔ نور الدین روز دونوں گھوڑوں کے پاس جاتا اور ان پر ہاتھ پھیرتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وزیر انہیں کتنا چاہتا اور ان کی عزت کرتا ہے وزیر کی ایک باکرہ بیٹی تھی ایسی حسین جیسے چوکڑی بھرنے والا آہو یا لچک دار شاخ' اتفاق سے ایک روز وہ اس جھروکے میں بیٹھی تھی جو وزیر کے گھر اور نور الدین کے کمرے کے سامنے تھا کہ اس نے نور الدین کو کچھ حسرت آمیز اشعار پڑھتے سنا' اپنے دل میں کہنے لگی کہ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی یہ مسلمان بڑا خوش رو جوان ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عاشق ہے اور اپنی معشوقہ سے جدا' خدا جانے اس خوش رو جوان کی محبوبہ اسی کی طرح حسین ہے تو اس کا آنسو بہانا اور فریاد کرنا بجا ہے ورنہ وہ انہی حسرتوں میں اپنی عمر ضائع کر رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# آٹھ سو اٹھاسی ویں رات



آٹھ سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وزیر کی بیٹی نے کہا ورنہ وہ انہی حسرتوں میں اپنی عمر ضائع کرے گا۔ اتفاق سے وزیر کی بیوی مریم زناریہ ایک دن پہلے نئے محل میں آ چکی تھی اور وزیر کو معلوم تھا کہ وہ غمگین و ملول رہتی ہے اس لئے اس کا ارادہ ہوا کہ اس کے پاس جا کر اس جوان کا ذکر کرے۔ اس کا یہ خیال ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ شہزادی مریم نے جواس کے باپ کی بیوی تھی اسے بلوا بھیجا تاکہ اس کے ساتھ باتیں چیتیں کرکے اپنا دل بہلائے۔ وزیر زادی اس کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ وہ غمگین ہے آنسو رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ کہنے لگی اے شہزادی' تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو غمگین اور سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ سن کر شہزادی مریم کو گزرا ہوا زمانہ یاد آ گیا جبکہ وہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتی تھی۔ وزیر زادی نے کہا اے شہزادی' غمگین نہ ہو اور میرے ساتھ محل کے جھروکے پر چل' ہمارے ہاں اصطبل میں ایک حسین' خوش قامت اور شیریں کلام جوان ہے جو فراق زدہ عاشق معلوم ہوتا ہے شہزادی مریم نے اپنے دل میں کہا اگر وزیر زادی کی باتیں سچی ہیں تو یہ نور الدین ہی کی علامتیں ہیں جو بے چارا زخم خوردہ ہے۔ دیکھنا تو چاہیے کہ وہ نور الدین ہے یا کوئی اور؟

اب شہزادی مریم کی محبت اتنے جوش میں آئی اور تمنائیں اس قدر امنڈنے لگیں کہ وہ فوراً اٹھ کر وزیر زادی کے ساتھ جھروکے پر پہنچی دیکھا تو اپنے محبوب اور آقا نور الدین کی سی صورت نظر آئی۔ ذرا غور سے دیکھنے کے بعد اسے بالکل شبہ باقی نہ رہا' لیکن اس نے دیکھا کہ نور الدین مارے رنج و غم کے بیمار اور بہت زیادہ دبلا ہو گیا ہے اس بھید کواس نے وزیر زادی پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اس سے کہنے لگی کہ مسیح اور سچے دین

کی قسم مجھے اب تک یہ نہ معلوم تھا کہ تجھے میری پریشانی اور رنج و غم کی خبر ہے۔

یہ کہہ کر وہ جھروکے کے پاس سے اٹھی اور اپنی جگہ چلی گئی اور وزیر زادی اپنے کام پر چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد شہزادی مریم جھروکے کے پاس لوٹی' وہاں آ کر بیٹھ گئی اور نور الدین کو دیکھنے لگی کہ وہ کیسا پیارا ہے۔ گویا چودھویں رات کا چاند' لیکن اس کی صورت سے حسرت ٹپک رہی ہے اور آنسو جاری ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

# • آٹھ سو نواسی ویں رات

آٹھ سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب مریم نے دیکھا کہ نور الدین کی صورت سے حسرت ٹپک رہی ہے اور آنسو جاری ہیں تو اس نے دوات اور کاغذ منگوا کر بسم اللہ کے بعد یہ لکھنا شروع کیا: "سلامتی ہو تیرے اوپر اللہ کی طرف سے اور رحمت اور برکت! میں تجھے خبر دیتی ہوں کہ تیری باندی مریم تجھے سلام کہتی ہے اور وہ تیری تمنا میں تڑپ رہی ہے اور یہ اسی کیطرف سے خط ہے۔ جوں ہی تجھے یہ خط ملے فوراً وہ تمام باتیں کیجئو جو میں اس میں لکھ رہی ہوں اور خبردار نہ ان کے خلاف کیجئو نہ سستی سے کام لیجیو۔ بہترین موقع تہائی رات گزرنے کے بعد ہے۔ اس وقت سوائے اس کے اور کوئی کام نہ کیجئو کہ دونوں گھوڑوں پر زینیں کس کر انہیں شہر کے باہر لے جائیو اور اگر کوئی پوچھے کہ تو کہاں جا رہا ہے تو کہیو کو انہیں نہلانے کو لئے جا رہا ہوں۔ تو یہ کہے گا تو تجھے کوئی نہ روکے گا کیونکہ لوگوں کو یقین ہو گا کہ شہر کے دروازے بند ہیں۔ یہ لکھ کر اس نے خط بند کیا اور اسے ایک ریشمی رومال میں لپیٹ کر جھروکے سے نور الدین کے پاس پھینک دیا۔ نور الدین نے اسے اٹھا کر پڑھا اس کا طلب سمجھا اور یہ معلوم کرکے کہ یہ شہزادی مریم کا خط ہے اسے چوما' آنکھوں سے لگایا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ رات ہوتے اس نے دونوں گھوڑوں کو بنانا سنوارنا شروع کیا اور جب تہائی رات گزر چکی تو اس نے ان پر زینیں کسیں اور اصطبل سے نکل کر دروازے میں قفل ڈال دیا اور شہر کے باہر جا کر شہزادی مریم کا انتظار کرنے لگا۔

یہ تو نور الدین کی کہانی ہوئی' اب شہزادی مریم کا ماجرا سنو' وہ فوراً اٹھ کر اس کمرے میں گئی جو محل میں اس کے لئے آراستہ کیا گیا تھا' اس نے دیکھا کہ کاناوزیر شتر مرغ کے پروں کا ایک تکیہ لگائے بیٹھا ہے لیکن اس کی ہمت نہیں پڑتی کہ اس کی

طرف ہاتھ بڑھائے یا باتیں کرے۔ اسے دیکھتے ہی مریم نے خدا کی درگاہ میں مناجات کی اور کہنے لگی کہ خداوندا اس کی مراد مجھ سے پوری نہ ہونے دیجیو اور پاک کرنے کے بعد مجھے ناپاک نہ بنائیو۔ پھر وہ وزیر کی طرف متوجہ ہو کر محبت کا اظہار کرنے لگی اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر پیار کرنے لگی اور کہا اے میرے آقا! آخر یہ ناز نخرا کیسا؟ مثل ہے کہ تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھا کھڑے کو سلام کرتا ہے اے میرے آقا' اگر تو میرے پاس آ کر باتیں نہیں کرتا تو میں تیرے پاس آ کر باتیں کروں گی۔ وزیر نے کہا اے تمام دنیا کی رانی' نیکی اور احسان تیری طرف سے ہے۔ میں تو تیرے نوکروں میں سے ایک نوکر اور تیرا ادنی غلام ہوں۔ اے یکتا موتی' میں تجھ سے بات کرتے شرماتا ہوں اور تیرے آگے میرا سر نیچا ہو جاتا ہے۔ مریم بولی کہ باتیں نہ بنا بلکہ کھانے پینے کے لئے کچھ لا۔ یہ سنتے ہی وزیر نے باندیوں اور نوکروں کو آواز دے کر کہا کہ کھانا لاؤ وہ فوراً دسترخوان لا کر بچھا گئے اور اس پر طرح طرح کے کھانے چن دیئے۔ شہزادی مریم نے دسترخوان کی طرف ہاتھ بڑھایا خودبھی کھاتی جاتی اور وزیر کے منہ میں بھی نوالے دیتی جاتی اور اس کا منہ بھی چومتی جاتی۔

جب دونوں کا پیٹ بھر گیا تو انہوں نے اٹھ کر ہاتھ دھوئے۔

اس کے بعد نوکروں نے دسترخوان بڑھایا اور مے نوشی کا سامان حاضر کیا۔ مریم جام بھر بھر کر پیتی اور پلاتی اور وزیر کی خدمت کرتی جاتی یہاں تک کہ مارے خوشی کے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وزیر کو خوب شراب چڑھ گئی اور اس کی زبان بھٹکنے لگی تو مریم نے اپنی جیب سے تازہ مغربی بھنگ کا ایک ٹکڑا نکالا کہ اگر ہاتھی بھی اس میں سے ذرا سی سونگھ لیتا تو اس سال سے آئندہ سال تک سوتا رہتا۔ یہ بھنگ مریم نے اسی موقع کے لئے تیار کی تھی۔ وزیر کو بے خبر پا کر اس نے وہ بھنگ پیالے میں ڈال دی اور اسے بھر کر اس کے آگے پیش کیا۔ مارے خوشی کے وزیر کے ہوش جاتے رہے اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ اسے شراب دے رہی ہے اور وہ پیالے کو چڑھا گیا۔ ابھی شراب پیٹ تک نہ اترنے پائی ہو گی کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ شہزادی مریم نے اٹھ

کر فوراً دو خرجیوں میں ایسی چیزیں بھریں جو ہلکی اور قیمتی تھیں مثلاً جواہرات' یاقوت اور طرح طرح کی قیمتی معدنیات' اس کے بعد اس نے کھانے پینے کا سامان ساتھ لیا اور جنگی لباس پہن کر ہتھیار لگا لئے' اس کے علاوہ اس نے نور الدین کے لئے عمدہ شاہی لباس ساتھ لیا اور سب چیزوں کو خرجیوں میں رکھ کر اپنے کندھے پر لادا اور محل سے نکل نور الدین کی تلاش میں چل دی۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # آٹھ سو نوے ویں رات

آٹھ سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مریم محل سے نکل کر نور الدین کی تلاش میں چل دی۔



یہ تو مریم کا ماجرا ہوا' اب مسکین عاشق نور الدین کی سرگزشت سنو۔ وہ شہر کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا اور گھوڑوں کی لگامیں ہاتھ میں لئے مریم کی راہ دیکھنے لگا۔ خدا نے اس پر نیند مسلط کر دی اور وہ سو گیا پاک ہے وہ ذات جو کبھی سوتی نہیں! جزیروں کے بادشاہ زیادہ سے زیادہ مال و دولت دینے کے لئے تیار تھے بشرطیکہ کوئی ان دونوں گھوڑوں کو یا کم از کم ایک کو چرا لائے۔ اس زمانے میں ایک حبشی غلام تھا جس نے جزیروں میں پرورش پائی تھی اور گھوڑوں کے چور کے نام سے مشہور تھا۔ فرنگستان کے بادشاہوں نے اسے بہت رشوتیں دی تھیں کہ وہ دونوں گھوڑوں میں سے ایک کو چرا لائے اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ دونوں چرا لائے تو وہ اسے ایک پورا جزیرہ دے دیں گے اور ایک نفیس خلعت عطا کریں گے۔ یہ غلام افرنجہ میں مدت سے چھپ کر گشت لگایا کرتا تھا لیکن اب تک ایک گھوڑا بھی اس کے ہاتھ نہ لگا تھا کیونکہ دونوں بادشاہ کے اصطبل میں تھے جب بادشاہ نے وہ دونوں گھوڑے کانے وزیر کودے دیئے اور وہ اس کے اصطبل میں آ گئے تو غلام بہت خوش ہوا اور اس کی ہمت بڑھ گئی اس نے کہا' مسیح اور سچے دین کی قسم اب میں انہیں ضرور چرا لے جاؤں گا۔ اس رات وہ غلام اسی ارادے سے نکلا تھا کہ وہ وزیر کے اصطبل میں جا کر دونوں گھوڑے چرا لائے۔ وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس نے دیکھا کہ نور الدین پڑا سو رہا ہے اور دونوں گھوڑوں کی باگیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ غلام نے دونوں کی باگیں اتار دیں اور چاہتا ہی تھا کہ ایک پر سوار ہو کر دوسرے کو کھینچتا ہوا لے جائے کہ شہزادی مریم دونوں خرجیاں کندھے سے لٹکائے آ پہنچی اور غلام کو نور الدین سمجھ کر اسے ایک خرجی دی اور اس نے اسے

ایک گھوڑے پر رکھ لیا غلام نے چپ چاپ خرجیاں لے لیں اور وہ اسے نور الدین سمجھتی رہی اس کے بعد وہ شہر کے دروازے سے باہر نکل آئی اور غلام چپ چاپ ساتھ ہو لیا۔ مریم نے کہا اے میرے آقا نور الدین تم چپ کیوں ہو؟ غلام نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا اے لونڈیا تو کیا کہتی ہے؟ مریم اس کی گنٹھل زبان سن کر سمجھ گئی کہ وہ نور الدین کی زبان نہیں اور سر اٹھا کر اس کی طرف نظر ڈالی اور دیکھا اس کے نتھنے لوٹوں کیطرح کے ہیں۔ اسے دیکھتے ہی مریم کی آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا وہ کہنے لگی اے بنوحام کے بزرگ تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا اے ملعون بچی' میرا نام مسعود ہے اور جب لوگ سو جاتے ہیں تو میں گھوڑے چرایا کرتا ہوں۔

اس پر مریم نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ تلوار کھینچ کر ایسا وار کیا کہ وہ چمکتی ہوئی غلام کی گردن کے آرپار ہو گئی' وہ زمین پر اپنے خون میں لوٹنے لگا اور خدا نے اس کی روح کو فوراً دوزخ میں پہنچا دیا جو بری قیام گاہ ہے۔ اب شہزادی مریم نے دونوں گھوڑوں کو لیا' ایک پر سوار ہو گئی اور دوسرے کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اور نور الدین کو ڈھونڈنے پیچھے لوٹی دیکھا کہ وہ اسی جگہ جہاں اس سے ملنے کا وعدہ تھا لگامیں پکڑے نیند میں خراٹے لے رہا ہے اسے نہ سر کا ہوش ہے نہ پاؤں کا۔ مریم نے گھوڑے سے اتر کر اسے دھکا دیا وہ سہم کر جاگ پڑا اور کہنے لگا اے میری آقا' خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح سلامت پہنچ گئی مریم نے کہا اٹھ کر چپ چاپ اس گھوڑے پر سوار ہو جا' وہ اس پر سوار ہو گیا او شہزادی مریم دوسرے گھوڑے پر اور دونوں شہر سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد مریم نے نور الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ سوئیو نہیں کیونکہ جو سویا وہ کھویا۔ نور الدین نے کہا اے میری آقا' کہہ تو سہی کیا بات ہے۔ اس پر مریم نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک سنایا۔

نور الدین بولا شکر ہے خدا کا کہ ہم بچ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے تیز تیز چلنا شروع کیا اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا اور باتیں کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں شہزادی مریم

غلام کو مار کر پھینک آئی تھی اور جہاں وہ دیو کی طرح زمین پر پڑا تھا۔ مریم نے نور الدین سے کہا اتر کر اس کے کپڑے اتار ڈال اور اس کے ہتھیار لے آ۔ اس نے کہا اے میری آقا' واللہ میں اترتے ڈرتاہوں' نہ میں اس کے قریب کھڑا ہوں اور نہ اس کے پاس پھٹکوں۔ غلام کا ڈیل ڈول دیکھ کر نور الدین ڈر گیا۔ مریم کے کارنامے پراس کا شکرگزار ہوا اور اس کی بہادری اور دلاوری پر تعجب کرنے لگا۔ اس کے بعد وہ رات بھر تیز تیز چلتے رہے' جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو وہ ایک بڑے سبزہ زار پر پہنچے جہاں غزال رعنائی کر رہے تھے جس کے ہر طرف سبزی ہی سبزی تھی' پھل آئے ہوئے تھے' چڑیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور چشمے ہر طرف بہہ رہے تھے۔ وہاں شہزادی مریم اور نور الدین اتر پڑے تاکہ اس وادی میں ذرا ستا لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو اکیانوے ویں رات



آٹھ سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مریم اور نور الدین نے اس وادی میں اتر کر پھل کھائے' پانی پیا اور گھوڑوں کو سبزہ زار میں چھوڑ دیا کہ چریں' پانی پیئں اور نور الدین اور مریم بیٹھ کر اپنی اپنی کہانیاں سنانے اور جدائی کے شکوے شکایت کرنے لگے۔ اتنے میں انہوں نے گرد اٹھتی دیکھی جس سے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی۔ قصہ یہ تھا کہ جب بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی وزیر سے کر دی اور وزیر اس رات اس کے پاس گیا تو صبح ہوتے بادشاہ انہیں صباح بہ خیر کہنے گیا جیسا کہ بادشاہوں کا اپنی بیٹیوں کے متعلق دستور ہے۔ بادشاہ اپنے ساتھ ریشمی جوڑے لیتا گیا اور راستے میں چاندی سونا نچھاور کیا تاکہ نورکر چاکر اور سنگار کرنے والیاں انہیں اٹھا لیں۔ بادشاہ اور اس کے چند غلام چلتے چلتے نئے محل میں پہنچے' دیکھا کہ وزیر فرش پر پڑا ہوا ہے اور اسے سر پاؤں کی خبر نہیں۔ بادشاہ نے محل میں ادھر ادھر دیکھا اس کی بیٹی بھی کہیں دکھائی نہ دی وہ گھبرا گیااس نے گرم پانی' سرکہ اور کندر منگا کر آپس میں ملایا اور اسے اس کی ناک میں ڈال کر اسے خوب ہلایا۔ پنیر کے ٹکڑے کی طرح بھنگ اس کے پیٹ سے نکل پڑی بادشاہ نے دوبارہ یہی کیا اور جب وزیر کو ہوش آیا تو اس نے اس کی اور اپنی بیٹی مریم کی خیریت پوچھی۔ وزیر بولا اے عظیم الشان بادشاہ' سوائے اس کے مجھے اس کی اور کوئی خبر نہیں کہ اس نے مجھے اپنے ہاتھ سے ایک جام پلایا تھا۔ اس وقت سے مجھے کچھ خبر نہیں' نہ معلوم وہ کہاں ہے

بادشاہ نے وزیر کی یہ باتیں سنیں تو غصے میں اندھا ہو گیا' تلوار کھینچ کر وزیر کے سر پر ایسا وار کیا کہ تلوار چمکتی ہوئی اس کے دانتوں سے نکل گئی۔ اس کے بعد بادشاہ نے غلاموں اور سائیسوں کو بلا کر کہا کہ دونوں گھوڑے لے آؤ۔ وہ بولے اے بادشاہ!

دونوں گھوڑے رات سے غائب ہیں ہمارا داروغہ بھی ان کے ساتھ غائب ہے اور آج صبح ہم نے دیکھا کہ سارے دروازے کھلے پڑے ہیں۔ بادشاہ نے کہا قسم ہے میرے دین



و ایمان کی کہ دونوں گھوڑوں کو سوائے میری بیٹی اور اس قیدی کے جو گرجا کی خدمت کرتا تھا کوئی نہیں لے گیا۔ وہی میری بیٹی کو پہلی بار بھی لے گیا تھا۔ اسے میں خوب پہچان گیا تھا' اسی کانے وزیر نے اسے میرے پنجے سے چھڑایا اور اب اس نے مجھے اس کا بدلہ دیا۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے فوراً اپنے تینوں بیٹوں کو بلایا' تینوں بڑے بہادر اور سورما تھے' ہر ایک شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں ایک ایک ہزار کے برابر تھا۔ بادشاہ نے ان سے چلا کر کہا کہ سوار ہو جاؤ' وہ سوار ہو گئے اور بادشاہ بھی اپنے بطریقوں' مصاحبوں اور سرداروں کو لے کر ان کے ساتھ سوار ہو گیا مریم اور نور الدین کی کھوج میں چل کھڑے ہوئے اور اسی وادی میں آ کر انہیں پکڑا انہیں دیکھ کر مریم اٹھ کھڑی ہوئی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار باندھ لی' ہتھیار لگا لئے اور نور الدین سے کہنے لگی کہ لڑائی میں تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ لڑائی میں میری ثابت قدمی ایسی ہے جیسے کھونٹی کی تاڑیں۔

نور الدین کی یہ باتیں سن کر مریم مسکرانے لگی اور بولی اے میرے آقا نور الدین' تو اپنی جگہ کھڑا رہیو' میں ان کے لئے کافی ہوں خواہ ان کا شمار ریت کے ذروں کی طرح کیوں نہ ہو اب مریم تیار ہو کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گئی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور گھوڑا اس طرح نکلا جیسے آندھی یا نل کا پانی' مریم اپنے زمانے کی سب سے بہادر لڑکی تھی کیونکہ باپ نے اسے بچپن ہی سے شہسواری اور جنگ جوئی سکھائی تھی۔ اس نے نور الدین سے کہا کہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پیچھے پیچھے رہیو اور اگر ہم بھاگیں تو خبردار تو گھوڑے سے گریو نہیں یاد رکھ تیرے گھوڑے کو کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ جب بادشاہ کی نظر اپنی بیٹی مریم پر پڑی تو وہ اسے پہچان گیا اور اپنے بڑے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے برطوط' مجھے یقین ہے کہ یہ تیری بہن مریم ہے' وہ ہمارے مقابلے پر آمادہ ہے اورہم سے جنگ کرنا چاہتی ہے۔ بڑھ کر اس پر حملہ کر

لیکن قسم ہے تجھے مسیح اور سچے دین کی اگر تو' اس پر فتح پا جائے تو جب تک عیسائیوں کا دین اس کے سامنے پیش نہ کر لیجیو اسے قتل نہ کیجنو۔ اگر وہ اپنا پرانا دین اختیار کر لے تو اسے گرفتار کرکے لے آیو' اور اگر انکار کرے تو اسے بری طرح سے قتل کر دیجیو تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اوریہی کارروائی اس ملعون کے ساتھ کیجنو جو اس کے ساتھ ہے۔ برطوط بولا سر آنکھوں سے اور فوراً بڑھ کر اس نے اپنی بہن مریم پر حملہ کر دیا۔ وہ بھی ادھر سے بڑھ کر اس کے قریب آ گئی۔ برطوط نے کہا اے مریم' کیا یہ کافی نہ تھا کہ تو نے باپ داداؤں کا مذہب چھوڑ کر خانہ بدوشوں کا مذہب یعنی اسلام اختیار کر لیا! قسم ہے مسیح اور سچے دین کی اگر تو نے اپنے باپ دادا بادشاہوں کا دین نہ اختیار کر لیا اور اس کی اچھی طرح پیروی نہ کی تو میں تجھے اس بری طرح قتل کروں گا کہ لوگوں کو عبرت ہو گی۔ مریم اپنے بھائی کی باتوں پر ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ گئی بات پھر ہاتھ نہیں آتی نہ مر کر کوئی پھر زندہ ہوتا ہے۔ ابھی تو تجھے اس سے زیادہ ناکامیاں اٹھانی ہیں۔ قسم ہے خدا کی کہ میں محمد بن عبداللہ کے دین سے منہ نہیں موڑوں گی کیونکہ وہی سچا دین ہے اگر مجھے موت کا جام پینا پڑے تو بھی میں اس سیدھے راستے سے نہیں پھروں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • آٹھ سو بانوے ویں رات

آٹھ سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مریم نے کہا اگر مجھے موت کا جام بھی پینا پڑے تو بھی میں سیدھے راستے سے منہ نہیں موڑوں گی۔ جب ملعون برطوط نے اپنی بہن کو یہ کہتے سنا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس پر وہ باتیں سخت گراں گزریں اب دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ جب وہ اپنی بہن مریم پر کوئی نیا ہاتھ مارتا تو وہ اسے نہایت خوبی سے روک لیتی۔ اس لڑائی نے اتنا طول کھینچا کہ دونوں گرد آلود اور گھوڑے نظروں سے غائب ہو گئے۔ برطوط حملہ کرتے کرتے تھک گیا تو مریم نے اس پر ایسا وار کیا کہ اس کی تلوار چمکتی ہوئی گردن کے آرپار ہو گئی اور خدا نے جلدی سے اس کی روح جہنم میں پہنچا دی جو بری جگہ ہے۔ اب مریم گھوڑے کو میدان میں جولانی دینے لگی اور کہا' ہے کوئی بہادر جنگجو' جو میرے مقابلے میں آئے؟ محض سورما نکل کر آئیں تا کہ میں انہیں ذلت کا جام پلاؤں۔ اے بت پرستو' کافرو اور گمراہو' آج کے دن ایمان والوں کا چہرہ سفید ہو گا اور کافروں کا سیاہ۔



بادشاہ نے دیکھا کہ اس کا بڑا بیٹا مارا گیا تو وہ اپنا منہ پیٹنے لگا کپڑے پھاڑ ڈالے اور منجھلے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے برطوس' فوراً اپنی بہن مریم کے مقابلے کے لئے نکل اپنے بھائی برطوط کا بدلہ اس سے لے اور اسے ذلت و خواری کے ساتھ گرفتار کرکے میرے پاس لے آ۔ اس نے کہا ابا جان' سر آنکھوں سے اور فوراً اپنی بہن مریم کے مقابلے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور حملہ کر دیا۔ ادھر سے مریم بھی حملہ آور ہوئی دونوں میں پہلے سے بھی زیادہ لڑائی ہونے لگی۔ بھائی نے دیکھا اس کی مریم کے آگے کچھ چلتی نظر نہیں آتی۔ وہ چاہتا تھا کہ بھاگ کھڑا ہو مگر مریم نے اسے مہلت نہ دی اس کے قریب آ کر ایسا ہاتھ دیا کہ اس کا سر بھٹا سا اڑ گیا۔ اب مریم پھر میدان

میں جولانی کرنے لگی اور کہا' کہاں ہیں شہسوار سورما اور کہاں ہے بے دین کانا وزیر؟ اس کا باپ بادشاہ زخمی دل اور فگار آنکھوں سے کہنے لگا کہ قسم ہے مسیح اور سچے دین کی اس نے میرے منجھلے بیٹے کو بھی قتل کر دیا۔ یہ کہہ کر اس نے چھوٹے بیٹے کو آواز دی اور کہا اے فسیان' اپنی بہن سے لڑنے کے لئے تیار ہو جا' جا کر اپنے دونوں بھائیوں کا بدلہ لے اور اس کا مقابلہ کر خواہ ادھر یا ادھر اور اگر تو اسے زیر کر لے تو بری طرح قتل کیجئو۔ غرض کہ اب مریم کا چھوٹا بھائی اس کے مقابلے میں نکلا مریم نے اس پر نہایت بہادری اور خوبی سے حملہ کیا اور کہنے لگی اے ملعون' اے اللہ اور مسلمانوں کے دشمن' میں تجھے بھی ابھی تیرے بھائیوں سے ملائے دیتی ہوں' کافروں کے رہنے کی جگہ بری ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میان سے تلوار نکالی اور ایسا وار کیا کہ اس کی گردن اور دونوں بانہیں اڑ گئیں۔ وہ بھی اپنے بھائیوں سے جا ملا اور خدا نے اس کی روح فوراً جہنم میں بھیج دی جو بری رہنے کی جگہ ہے۔

جب بطریقوں اور شہسواروں نے جو بادشاہ کے ساتھ تھے دیکھا کہ اس کے تینوں بیٹے مارے گئے حالانکہ وہ بڑے سورما تھے تو اس کے دل میں شہزادی مریم کی طرف سے ڈر بیٹھ گیا اوروہشت سما گئی' انہوں نے سر نیچا کر لیا انہیں موت' سر کوبی اور ذلت و خواری کا یقین آ گیا اور غصے سے ان کے دل میں آگ بھڑک اٹھی وہ دم دبا کر بھاگے۔

بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے تینوں بیٹے مارے گئے اور لشکر بھاگ کھڑا ہوا تو وہ حیران و پریشان اور ڈرنے لگا اس کے دل میں ایک آگ بھڑکنے لگی اور وہ اپنے جی میں کہنے لگا کہ شہزادی مریم ہمیں بے حد حقیر سمجھتی ہے اگر میں ہمت کرکے اکیلا اس کے مقابلے میں نکلوں تو ممکن ہے کہ وہ مجھے بھی نیچا دکھلائے اور بری طرح سے قتل کر دے جیسے کہ اس نے اپنے بھائیوں کو قتل کیا ہے کیونکہ اسے اب ہم سے کوئی امید باقی نہیں' نہ ہمیں اس کے لوٹ آنے کی پروا ہے لہٰذا بہتر ہے کہ اپنی عزت بچا کر اپنے شہر چلا جاؤں۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور اپنے شہر کی طرف چل دیا۔ جب وہ محل میں پہنچا تو اس کے دل میں آگ بھڑک رہی تھی کیونکہ

اس کے تینوں بیٹے مارے گئے اور لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور عزت خاک میں مل گئی۔
ابھی وہ آدھے ہی پل بیٹھا ہو گا کہ اس نے اپنے مصاحبوں اور سرداروں کو بلوایا اور ان سے اپنی بیٹی کی شکایت کی کہ اس نے اس کے تینوں بیٹوں کو قتل کر دیا جس پراسے بے حد رنج ہے اور ان سے مشورہ چاہا۔ سب نے یہی مشورہ دیا کہ وہ خلیفہ ہارون الرشید کے نام خط لکھے اور اسے سارے واقعے سے آگاہ کرے بادشاہ نے خلیفہ ہارون الرشید کو اس مضمون کا خط لکھا کہ "امیر المومنین کو سلام کے بعد معلوم ہو کہ میری ایک بیٹی ہے جس کا نام مریم زناریہ ہے اسے ایک مسلمان قیدی نے جس کا نام نور الدین علی ابن تاجر تاج الدین مصری ہے ' خراب کر دیا تھا اور ایک رات لے کر بھاگ گیا تھا۔ میں اپنے آقا امیر المومنین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسلمان ملکوں میں خط لکھ کر اس کا پتا چلائے اور ایک معتمد ایلچی کے ہاتھ یہاں بھیج دے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو ترانوے ویں رات

آٹھ سوترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- افرنجہ کے بادشاہ نے امیرالمومنین ہارون الرشید کو خط لکھا کہ "میری بیٹی کو تلاش کرکے اپنے نوکروں میں سے ایک معتمد ایلچی کے ہاتھ میرے پاس بھیج دے۔" اس خط میں یہ بھی تھا کہ "اس مہربانی کے بدلے میں تجھے رومتہ الکبریٰ کا آدھا شہر دے دوں گا تاکہ تو وہاں مسلمانوں کے لئے ایک مسجد بنوا لے اور اس کا خراج وصول کرے۔" جب وہ اپنے درباریوں اور مصاحبوں کے مشورے کے مطابق یہ خط لکھ چکا تو اس نے اسے لپیٹا اور اس وزیر کو بلوایا جسے اس نے کانے وزیر کی جگہ وزیر بنایا تھا اور اس سے کہا کہ اس پر شاہی مہر لگا۔ اسی طرح تمام سرداروں نے اپنے اپنے دستخط کر کے مہریں لگا دیں اب بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اگر تو میری بیٹی کو لے آیا تو میں تجھے دو امیروں کی جاگیر عطا کروں گا اور دوہری جھالر کی خلعت پہناؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے خط وزیر کو دیا اور کہا بغداد جا کر یہ خط خود خلیفہ کے ہاتھ میں دیجیو۔ وزیر خط لے کر روانہ ہو گیا' گھاٹیاں اور بیابان طے کرتا ہوا بغداد پہنچا۔ وہاں پہنچ کر وہ پہلے تین دن ستایا' پھر لوگوں سے امیر المومنین ہارون الرشید کے محل کا پتا دریافت کیا۔ لوگوں نے اسے وہاں پہنچا دیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر امیر المومنین سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب اجازت مل گئی تو وزیر اندر گیا اور اس کے آگے زمین چوم کر اسے افرنجہ کے بادشاہ کا خط پیش کیا اور اس کے ساتھ وہ تحفے تحائف بھی' جو امیر المومنین کے قابل تھے۔ جب امیر المومنین نے خط کھول کر پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو فوراً اپنے وزیروں کو حکم دے دیا کہ تمام اسلامی ممالک میں خط لکھے جائیں وزیروں نے خطوط لکھے' مریم اور نور الدین کے حلئے اور دونوں کے نام لکھے اور یہ کہ وہ بھاگ کر آئے ہیں جو کوئی انہیں پکڑے امیر المومنین کے پاس بھیج دے اور خبردار اس میں نہ سستی کی جائے نہ

غفلت' خطوط پر مہر لگی اور وہ پیادوں کے ہاتھ ہر صورت میں روانہ کر دیئے گئے۔

یہ تو ان بادشاہوں کا قصہ ہوا' اب نور الدین مصری اور افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی مریم زناریہ کی داستان سنو۔ بادشاہ اور اس کے لشکر کے بھاگنے کے بعد انہوں نے فوراً سوار ہو کر شام کی راہ لی' خدا نے ان کی پردہ پوشی کی اور وہ دمشق پہنچ گئے۔ لیکن خلیفہ کے فرستادے ان سے ایک دن پہلے وہاں پہنچ چکے تھے اور دمشق کے والی کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ دونوں جب کبھی اسے ملیں وہ انہیں پکڑ کر خلیفہ کے پاس بھیج دے۔ جوں ہی دونوں دمشق میں داخل ہوئے جاسوسوں نے ان کے پاس جا کر ان کے نام پوچھے' انہوں نے ٹھیک ٹھاک بتا دیا اور اپنا سارا قصہ سنا دیا۔

جاسوسوں کو معلوم ہو گیا کہ دونوں یہی ہیں وہ انہیں پکڑ کر دمشق کے والی کے پاس لے گئے اور والی نے انہیں دارالسلام بغداد بھجوا دیا۔ بغداد پہنچ کر انہوں نے امیر المومنین ہارون الرشید سے ملنے کی اجازت مانگی اجازت ملنے کے بعد وہ اس کے پاس آئے اور اس کے آگے زمین چومی اور کہا اے امیر المومنین یہ ہے افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی مریم زناریہ اور یہ ہے کہ مصری تاجر تاج الدین کا بیٹا نور الدین جس نے اسے خراب کیا ہے اور اسے اس کے وطن سے چرا کر دمشق لایا ہے۔ ان کے داخل ہوتے ہی ہم نے انہیں پکڑا اور ان کے نام پوچھے انہوں نے سچ سچ بتا دیا۔ اس کے بعد ہم انہیں لے تیری خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

امیر المومنین کی نظر مریم پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ اس کا قد درمیانہ بدن سڈول اور باتیں میٹھی ہیں اس جیسی حسین دنیا میں نہ ہو گی' علاوہ بریں اس کے چہرے سے بہادری ٹپکتی ہے۔ خلیفہ کے قریب پہنچ کر مریم نے اس کے آگے زمین چومی اور دعا دی کہ خدا اس کی عزت اور نعمتیں قائم رکھے اور اسے آفتوں سے بچائے! خلیفہ کو اس کی خوب صورتی اور شیریں زبانی پر تعجب ہوا اس نے پوچھا کہ تو ہی مریم زناریہ ہے جو افرنجہ کے بادشاہ کی بیٹی ہے؟ مریم نے کہا ہاں امیر المومنین' موحدین کے امام' دین کی پشت و پناہ اور رسول اللہ کے چچا زاد بھائی۔ اب خلیفہ نے علی نور الدین کی طرف نظر

اٹھائی دیکھا کہ وہ بڑا خوش رو اور خوب صورت جوان ہے گویا چودھویں رات کا چاند‘ خلیفہ نے پوچھا نور الدین علی تو ہی ہے جو تاجر تاج الدین کا بیٹا اور قیدی ہے؟ اس نے کہا اے امیر المومنین! ہاں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تو اس لڑکی کو اس کے باپ کے ملک سے کیوں بھگا لایا؟ اس پر نور الدین نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ یہ قصہ سن کر خلیفہ کو بڑا اچنبھا ہوا اور خوشی بھی ہوئی اور وہ کہنے لگا کہ مرد کیا کیا تکلیفیں جھیلتے ہیں!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • آٹھ سو چورانوے ویں رات

آٹھ سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ ہارون الرشید کو نور الدین کا قصہ سن کر بڑا تعجب ہوا' اس نے شہزادی مریم کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے مریم' سن تیرے متعلق تیرے باپ افرنجہ کے بادشاہ نے مجھے لکھا ہے' تو کیا کہتی ہے؟ مریم نے کہا اے زمین پر خدا کے خلیفہ اور نبی کی سنتوں اور فرضوں کے قائم کرنے والے' خدا تجھے ہمیشہ نعمتوں میں رکھے اور تکلیفوں سے بچائے! تو خدا کی زمین پر اس کا نائب ہے اور میں تمہارے دین میں داخل ہو چکی ہوں کیونکہ وہی مضبوط اور صحیح دین ہے اور میں نے کافروں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو مسیح پر بہتان لگاتے ہیں۔ میں خدا پر اور ان چیزوں پر جو اس کا رسول لایا ہے ایمان رکھتی ہوں' پاک خدا کی پرستش کرتی ہوں' اس کی توحید کی قائل ہوں' اس کے آگے عاجزی سے سجدہ کرتی ہوں اس کی بزرگی بیان کرتی ہوں اور خلیبفہ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں جنہیں اس نے ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دکھائے خواہ مشرکین کتنا ہی برا کیوں نہ مانیں۔ اے امیر المومنین کیا تیرا دل یہ گوارا کر سکتا ہے کہ ملحدوں کے بادشاہ کے لکھنے پر تو مجھے کافروں کے ملک کو بھیج دے جو خدا کے ساتھ شرک' صلیب کی تعظیم اور بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور عیسی کی الوہیت کے قائل ہیں حالانکہ وہ مخلوق ہے! اے خدا کے نائب' اگر تو نے ایسا کیا تو میں حشر کے دن خدا کے آگے تیرا دامن پکڑوں گی اور تیرے چچیرے بھائی رسول اللہ کے آگے تیری شکایت کروں گی اور "وہ' وہ دن ہو گا کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد' اگر کوئی چیز کام آئے گی تو انسان کا سچا دل۔" امیر المومنین نے کہا اے مریم! خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں۔ میں ایک مسلمہ موحد کو ایسی جگہ کیسے بھیج سکتا ہوں جہاں خدا اور اسکے رسول نے منع

کیا ہو! مریم بولی میں اقرار کرتی ہوں کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں اور یہ بھی اقرار کرتی ہوں کہ محمد اس کے رسول ہیں۔ امیر المومنین نے کہا' مریم' خدا تجھے برکت دے اور اسلام کی طرف اور زیادہ ہدایت کرے۔ چونکہ تو مسلمان ہو گئی ہے تیرا ہم پر حق ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ میں تیرے ساتھ کبھی ناانصافی نہ کروں گا خواہ تیرے بدلے مجھے زمین بھر سونا اور جواہرات ہی کیوں نہ مل رہے ہوں۔ تو اطمینان رکھ اور بالکل غم نہ کر کیا تو اس پر راضی ہے کہ یہ جوان علی مصری تیرا شوہر اور تو اس کی بیوی' مریم بولی میں کیونکر راضی نہ ہوں گی کہ یہ میرا شوہر ہو! اسی نے تو اپنے مال سے مجھے مول لیا ہے اور میرے اوپر بڑے بڑے احسان کئے ہیں' منجملہ ان کے وہ میری خاطر کئی بار اپنی جان پر کھیل چکا ہے۔

امیر المومنین نے لڑکی کی شادی نور الدین سے کر دی اس کا مہر باندھا اور شادی کے دن قاضی اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح نامہ لکھوا دیا' وہ دن دیکھنے کے قابل تھا۔

اب امیر المومنین روم کے بادشاہ کے وزیر کی طرف مخاطب ہوا جو اس وقت وہاں موجود تھا اور اس سے کہنے لگا تو نے اس کی باتیں سنیں؟ وہ اب مسلمان ہے اور میں اسے اس کے باپ کے پاس جو کافر ہے کیونکر بھیج سکتا ہوں' وہ اس کے ساتھ برا سلوک اور اس پر ظلم کرے گا خاص کر اس وجہ سے کہ اس نے اس کے بیٹوں کو قتل کیا ہے' اور قیامت کے دن اس کا گناہ میری گردن پر ہو گا! لہٰذا تو اپنے وطن واپس جا کر بادشاہ سے کہہ دے کہ یہ باتیں جانے دے اور بیٹی سے ہاتھ دھو بیٹھ۔ وزیر بے وقوف تو تھا ہی کہنے لگا اے امیر المومنین! قسم ہے مسیح اور سچے دین کی کہ میں بغیر مریم کو لئے واپس نہیں جا سکتا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو گئی ہو' اگر میں بے اس کے گیا تو بادشہ مجھے مار ڈالے گا۔ خلیفہ بولا کہ پکڑو اس مردود کو' اسے قتل کر دو اور جلا دو۔ شہزادی مریم بولی اے امیر المومنین' اس مردود کے خون سے اپنی تلوار گندی نہ کر اور خود تلوار کھینچ کر اس پر ایسا وار کیا کہ سر تن سے جدا ہو گیا اور

وہ جہنم واصل ہوا۔ خلیفہ کو اس کی پھرتی اور دلیری پر بڑا تعجب ہوا اس کے بعد خلیفہ نے نور الدین کو خلعت بخشا اور دونوں کے لئے خاص اپنے محل میں ایک حصہ عنایت کیا' اور ان کا ماہانہ اور روزینہ مقرر کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کے لئے تمام ضروری چیزیں کپڑے' فرش اور نفیس برتن مہیا کر دیئے جائیں غرض کہ وہ بغداد میں نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔



اس کے بعد نور الدین کو اپنے ماں باپ سے ملنے کا اشتیاق ہوا اس نے خلیفہ سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے وطن جا کر عزیز و اقارب سے ملے اور مریم کو بھی بلا کر خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے اجازت دے۔ قیمتی ہدیئے اور تحفے ان کے ساتھ کر دیئے' دونوں کو ایک دوسرے کی خبر گیری کرنے کی تاکید کر دی اور حکم دیا کہ مصر کے امرا' علما اور رؤسا کو خطوط لکھے جائیں کہ وہ نور الدین' اس کی بیوی اور ماں باپ کی خبر گیری رکھیں اور ان کا احترام کریں۔ جب یہ خبر تاج الدین کو مصر میں پہنچی تو وہ اپنے بیٹے کی واپسی پر بے حد خوش ہوا ماں کو بھی بہت خوشی ہوئی اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں سارے بڑے لوگ اس کے خیر مقدم کے لئے گئے اس سے ملے' یہ دن دیکھنے کے قابل تھا کہ سب پیارے آپس میں مل گئے۔ آئے دن کسی نہ کسی امیر کے گھر دعوت ہونے لگی اور سبھوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ نور الدین سے مل کر اس کے والدین بہت خوش ہوئے اور ان کا رنج و غم دور ہو گیا' اس طرح وہ شہزادی مریم سے مل کر بے حد خوش ہوئے' اس کی بڑی عزت کی۔ ہر دن ان کے لئے عید کا دن تھا وہ نہایت عیش و عشرت سے دن گزارنے لگے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تربتر کرنے والی' گھروں اور محلوں کو اجاڑنے اور قبروں کو آباد کرنے والے موت آ پہنچی۔ وہ دنیا سے چل بسے اور ان کا شمار مردوں میں ہو گیا۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں حکومت کی کنجیاں ہیں.......

### ○ مصری شوہر اور فرنگن بیوی کی کہانی



قاہرہ کا والی امیر شجاع الدین بیان کرتا ہے کہ ہم نے ایک رات صعید مصر میں ایک شخص کے ساتھ گزاری۔ اس نے ہماری دعوت کی اور ہمارا بہت احترام کیا۔ یہ شخص گندم گوں کیا بلکہ خاصا سیاہ فام اور بوڑھا تھا مگر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے گورے اور سرخی مائل تھے۔ ہم نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تیرے بچے گورے ہیں اور تو سیاہ؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی ماں فرنگن ہے اور یہ عجیب و غریب قصہ ہے ہم نے کہا کہ کیا تو ہمیں یہ قصہ بتا سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ سنو میں نے ایک بار اس شہر میں سن کی کھیتی کی' جب وہ تیار ہو گئی تو اسے کاٹا اور بنایا۔ اس میں میرے پانچ سو دینار صرف ہوئے لیکن جب میں اسے بیچنے لگا تو اس سے زیادہ دام کسی نے نہ لگائے۔ لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اسے عکا لے جاؤں' وہاں مجھے فائدہ ہو گا۔ اس وقت عکا فرنگیوں کے ہاتھ میں تھا۔ میں سن لے کر عکا گیا۔ اوراس میں سے تھوڑا سا چھ مہینے کی میعاد پر بیچا۔ اسی اثنا میں ایک فرنگن میرے پاس سن خریدنے آئی' فرنگنوں کا دستور ہے کہ بازار میں بے نقاب پھرتی ہیں۔ اس کا حسن دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اس کے ہاتھ میں نے کچھ مال ادھار بیچا اور وہ لے کر چل دی تھوڑے دنوں کے بعد وہ پھر میرے پاس آئی پھر میں نے اس کے ہاتھ ادھار بیچا لیکن پہلے سے بھی زیادہ مدت کے لئے۔ اب وہ بار بار آنے لگی۔ اور تاڑ گئی کہ میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ ہمیشہ ایک بڑھیا کے ساتھ آیا کرتی تھی' میں نے بڑھیا سے کہا کہ میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیاہوں' کیا تو کسی ترکیب سے میرا وصال اس سے کرا سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا میں ترکیب تو نکال سکتی ہوں لیکن یہ بھید ہم تینوں سے باہر نہ جانے پائے۔ علاوہ اس کے تجھے کچھ دام بھی خرچ کرنے پڑیں گے۔ میں نے کہا اگر مجھے اپنی جان بھی دے دینی پڑے تو کم ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • آٹھ سو پچانوے ویں رات

آٹھ سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس شخص نے کہا اگر مجھے جان بھی دینی پڑے تو دریغ نہ کروں گا۔ اب یہ فیصلہ ہوا کہ وہ بڑھیا کو پچاس دینار دے دے اور لڑکی اس کے پاس آئے۔ اسنے پچاس دینار نکال کر اسے دے دیئے۔ جب بڑھیا نے دینار لے لئے تو کہنے لگی کہ آج رات کو وہ تیرے ہاں آئے گی' اس کے لئے کوئی جگہ اپنے گھر میں آراستہ کر رکھیو۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے جا کر اپنی حیثیت کے مطابق کھانا پینا اور موم بتیاں تیار کیں۔ میرا مکان سمندر کے کنارے تھااور زمانہ گرمیوں کا' اس لئے میں نے چھت پر فرش بچھایا' فرنگن آئی ہم نے کھایا پیا اور جب رات زیادہ گزری تو ہم وہیں آسمان کے نیچے لیٹ گئے۔ چاند ہمارے اوپر چمک رہا تھا اور سمندر میں تاروں کے عکس ہمیں دکھائی دے رہے تھے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا تجھے خدا کے آگے شرم نہیں آتی کہ تو پردیسی آسمان کے نیچے اور سمندر کے کنارے ہو کر ایک فرنگن کے ساتھ خدا کی نافرمانی کرتا اور دوزخ کے عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ خداوندا! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ تیری شرم اور تیرے عذاب کے ڈر سے میں آج رات اس فرنگن کے ساتھ گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر میں صبح تک سوتا رہا' وہ صبح کو ناراض ہو کر اٹھی اور اپنے گھر چلی گئی میں اپنی دکان پر جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہ اور بڑھیا دونوں میرے پاس سے گزریں' وہ طیش میں بھری ہوئی تھی اور اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں بے حال ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا تو ایسا کہاں کا آیا جو اس لڑکی سے کنارہ کشی کرتا ہے؟ کیا تو سری مقطی ہے یا بشرحانی' جنید بغدادی یا فضیل بن عیاض؟ یہ کہہ کر میں بڑھیا کے پاس گیا اور کہا کہ اسے دوبارہ میرے ہاں لا۔ بڑھیا

بولی کہ مسیح کی قسم میں سو دینار سے کم میں اسے نہ لاؤں گی۔ میں نے اسے سو دینار دے دیئے اور وہ اسے پھر لے آئی۔ لیکن جب وہ میرے پاس آئی تو میں پھر وہی سوچ



کر گناہ سے باز آیا اور اسے خدا کے ڈر سے چھوڑ دیا۔

صبح کو حسب معمول میں پھر اپنی دکان پر جا بیٹھا۔ بیٹھا ہی تھا کہ وہ بڑھیا تیوری چڑھائے میری دکان کے سامنے سے گزری۔ میں نے کہا اسے ایک دفعہ اور لے آیا وہ بولی اب پانچ سو دینار سے کم میں تو' اس کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ میں یہ سن کر کانپ اٹھا اور پکا ارادہ کر لیا کہ سن کے تمام دام لے کر اپنی جان کے فدیئے میں دے دوں گا۔ اتنے میں ایک منادی ڈھنڈورا پیٹتا ہوا آیا کہ اے مسلمانو! جو وقتی صلح ہمارے اور تمہارے درمیان تھی ختم ہو گئی' اب جتنے تم میں سے یہاں باقی ہیں انہیں ہم ایک ہفتے کی مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ اپنا کاروبار ختم کرکے اپنے اپنے ملکوں کو چلے جائیں۔ اس صورت میں اس لڑکی کا آنا جانا بھی معدوم اور میں اپنے سن کے دام لوگوں سے وصول کرنے لگا جسے میں نے ادھار بیچا تھا' جتنے دام وصول ہوسکے وصول کئے اور جو باقی رہ گئے ان کے بدلے دوسرا مال لے لیا۔ غرض کہ عکا سے عمدہ عمدہ مال لے کر چل دیا مگر دل میں اسی فرنگن کی لو لگی رہی کیونکہ وہ میرے دل اور مال دونوں پر قبضہ کر چکی تھی' دمشق پہنچ کر سامان خوب مہنگا بیچا۔ صلح کے ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ چیزیں بہت مہنگی ہو گئی تھیں' خدا نے مجھے بہت فائدہ دیا۔ اب میں نے ان کنیزوں کی تجارت شروع کر دی جو لڑائی میں پکڑی گئی تھیں تا کہ اس فرنگن کی طرف سے مجھے تسکین ہو جائے اور تین سال تک اسی کام میں لگا رہا۔ اس کے بعد جو ماجرا ملک ناصر کو فرنگیوں کے ساتھ پیش آیا سب جانتے ہیں۔ خدا نے اسے ان پر فتح دی اور اس نے ان کے تمام بادشاہوں کو گرفتار کرکے خدا کے حکم سے سمندر کے کنارے کا تمام ملک اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس اثنا میں ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص ملک ناصر کے لئے ایک کنیز خریدنے میرے پاس آیا۔ میرے پاس ایک نہایت حسین کنیز تھی اسے میں نے پیش

کیا اور اس شخص نے اسے سو دینار میں خرید لیا۔ نوے دینار تو اس نے نقد ادا کر دیئے اور دس باقی رہے' اس وقت شاہی خزانے میں روپے کی کمی تھی کیونکہ سارا مال فرنگیوں کی لڑائی میں خرچ ہو چکا تھا جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو اس نے کہا اسے وہاں لے جاؤ جہاں قیدی لڑکیاں ہیں اور دس دینار کے بدلے ایک فرنگن لڑکی پسند کر لینے دو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

## • آٹھ سو چھیانوے ویں رات



آٹھ سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملک ناصر نے حکم دیا کہ میں ایک کنیز پسند کر لوں' لوگ مجھے وہاں لے گئے جہاں قیدی لڑکیاں تھیں۔ کنیزوں کو دیکھتے دیکھتے میری نظر اسی فرنگن لڑکی پر جا پڑی جس سے مجھے محبت تھی اور میں اسے پہچان گیا۔ وہ ایک فرنگی شہسوار کی بیوی تھی' میں نے ان سے کہا کہ اسے مجھ کو دے دو جب میں اسے لے کر اپنے خیمے میں آیا تو میں نے پوچھا کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ وہ بولی نہیں۔ میں نے کہا میں وہی تیرا دوست تاجر ہوں جو سن کی تجارت کرتا تھا میرے اور تیرے درمیان کچھ باتیں پیش آ چکی ہیں تو مجھ سے ڈیڑھ سو دینار بھی لے چکی ہے۔ بلکہ پانچ دینار اور لینے کی امید رکھتی تھی اب میں نے دس دینار میں تجھے خرید لیا ہے۔ وہ بولی کہ یہ تیرے سچے دین کی بدولت ہے' میں اقرار کرتی ہوں کہ خدا کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں۔ غرض وہ مسلمان ہو گئی اور بہت اچھی مسلمان ہوئی۔ اب میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم جب تک میں اسے آزاد کرکے قاضی کو خبر نہ کر لوں اس سے ہم بستر نہ ہوں گا۔ میں نے جا کر ابن شداد سے سارا ماجرا بیان کیا اوراس نے نکاح پڑھا دیا۔ میں اس سے ہم بستر ہوا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ اس کے بعد لشکر روانہ ہو گیا اور ہم لوگ دمشق چلے گئے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد دونوں طرف سے معاہدے کی رو سے تمام قیدی مرد اور عورتیں واپس دے دی گئیں سوائے اس عورت کے جو میرے پاس تھی کوئی باقی نہ رہی۔ اب لوگ کہنے لگے کہ فلاں شہسوار کی بیوی نہیں آئی۔ اس کے متعلق پوچھ گچھ اور بڑی جستجو ہونے لگی۔ لوگوں نے خبر دی کہ وہ میرے پاس ہے انہوں نے اسے مجھ سے مانگا۔ میں اس کے پاس نہایت پریشان حالت میں پہنچا میرا رنگ فق

تھا۔ اس نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا بادشاہ کافرستادہ قیدیوں کو لینے آیا ہے اور تجھے بھی مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ وہ بولی کہ گھبرا نہیں مجھے بادشاہ کے پاس لے چل‘



میں جانتی ہوں کہ اس سے کیا کہنا چاہیے۔

مصری کا بیان ہے کہ میں اسے لے کر سلطان ملک ناصر کے پاس گیا دیکھا کہ فرنگیوں کے بادشاہ کاایلچی اس کے دائیں طرف بیٹھا ہوا ہے‘ میں نے کہا یہی وہ عورت ہے جو میرے پاس ہے۔ ملک ناصر نے ایلچی کے سامنے اس سے پوچھا کہ تو اپنے وطن جانا چاہتی ہے یا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے‘ خدا نے تم سب کو آزاد کر دیا ہے۔ عورت نے سلطان سے کہا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اور میرا پیٹ دیکھ کہ حاملہ ہوں‘ اب میرا وجود فرنگیوں کے لئے بیکار ہے ایلچی نے کہا کون تجھے زیادہ عزیز ہے یہ مسلمان یا فلاں شہسوار جو تیرا شوہر ہے؟ اس نے وہی جواب دیا جو سلطان کو دیا تھا۔ ایلچی نے اپنے ساتھ والے فرنگیوں سے کہا کہ تم نے سن لیا کہ یہ کیا کہتی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں‘ ایلچی نے مجھ سے کہا کہ تو اپنی بیوی کو لے جا۔ میں ابھی چند قدم گیا ہوں گا کہ ایلچی نے مجھے واپس بلوایا اور کہا کہ لڑکی کی ماں نے میرے ہاتھ اس کے لئے ایک امانت یہ کہہ کر بھیجی ہے کہ میری بیٹی قید میں ہے اس کے پاس پہننے کو کپڑے نہیں‘ میں چاہتی ہوں کہ تو اسے یہ شندوق پہنچا دے۔ لہٰذا یہ صندوق بھی لیتا جا۔ میں نے صندوق لے لیا اور گھر پہنچ کر جب اسے کھولا تو دیکھا کہ اس کے کپڑے اسی طرح رکھے ہیں جیسے وہ چھوڑ آئی تھی اور دونوں توڑے بھی ایک پچاس اور دوسرا سو دینار کا اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بندھے ہوئے ان میں کوئی تغیر نہیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ اسی کے بچے ہیں اور وہ ابھی زندہ ہے۔ اسی نے یہ کھانا تمہارے لئے پکایا ہے۔ یہ قصہ سن کر ہمیں سخت تعجب ہوا اور بڑا لطف آیا‘ خدا بہتر جاننے والا ہے۔

## ○ ایک مال دار بغدادی اور اس کی کنیز کی کہانی

پرانے زمانے کا ذکر ہے بغداد میں ایک امیرزادہ رہتا تھا جس نے اپنے باپ سے بہت بڑی میراث پائی تھی۔ اسے ایک کنیز سے عشق تھا کنیز کو بھی اس سے ایسی ہی محبت تھی جیسے اسے کنیز سے۔ اس نے کنیز کے اوپر اتنا خرچ کیا کہ تمام مال و دولت ختم ہو گیا۔ اب اس نے چاہا کہ کوئی کام کرے لیکن کام بھی اسے نہ ملا۔ جب یہ جوان مال دار تھا تو وہ موسیقی کے استادوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا۔ اسے اس فن میں کافی مہارت ہو گئی تھی۔ اس کے بعض دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ تیرے اور تیری کنیز کے لئے بہترین پیشہ یہ ہے کہ تم گایا کرو۔ اس سے تو بہت کچھ کما لے گا اور کھانے پینے کا سامان ہو جائے گا لیکن نہ اس نے اسے پسند کیا نہ کنیز نے بلکہ کنیز نے اس سے کہا میری رائے یہ ہے کہ تو مجھے بیچ ڈال اورہم دونوں اس مصیبت سے چھٹ جائیں۔ جو شخص مجھ جیسی کو مول لے گا وہ ضرور مال دار ہو گا اور جب عیش و عشرت میں رہنے لگوں گی تو کسی نہ کسی تدبیر سے پھر تیرے پاس آ جاؤں گی۔ چنانچہ وہ کنیز کو بازار لے گیا۔ جس شخص کی نظر سب سے پہلے اس پر پڑی وہ بصرے کا رہنے والا ایک ہاشمی تھا بڑا ادیب' شریف اور سخی آدمی' اس نے ڈیڑھ ہزار دینار میں اسے خرید لیا۔ کنیز کے مالک کا بیان ہے کہ دام لے کر میں بہت پچھتایا۔ میں اور کنیز دونوں رونے لگے میں نے چاہا کہ سودا واپس ہو جائے لیکن خریدار راضی نہ ہوا۔ ناچار میں نے دیناروں کو تھیلی میں رکھ لیا' میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں کیونکہ گھر میں اس کے بغیر کیا جی لگتا' میں اتنا رویا پیٹا کہ کبھی ایسا نہ کیا ہو گا اور ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گیا' مجھے اپنے تن بدن کی خبر نہ رہی' تھیلی کو تکیے کی جگہ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ رہا نیند آ گئی اسی بے خبری کی حالت میں کوئی شخص تھیلی کو میرے سر کے نیچے سے نکال کر بھاگا میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا کہ تھیلی غائب ہے اس

کے پیچھے دوڑنا چاہا لیکن میرے پاؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی منہ کے بل گر پڑا رونے پیٹنے اور اپنے دل میں کہنے لگا تیری جان بھی گئی اور مال بھی۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- آٹھ سو ستانوے ویں رات

آٹھ سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نے کہا کہ جان بھی گئی اور مال بھی اور میری حالت اتنی ابتر ہوئی کہ میں دجلہ پہنچا' اور منہ پر کپڑا لپیٹ دریا میں کود پڑا۔ آس پاس کے لوگ سمجھ گئے کہ کسی بڑی مصیبت کی وجہ سے میں نے یہ حرکت کی ہے وہ میرے پیچھے کود پڑے اور مجھے باہر نکال لائے اور مجھ سے وجہ پوچھی میں نے اپنا قصہ سنایا تو انہیں بہت افسوس ہوا اور ایک بوڑھے شخص نے میرے پاس آ کر کہا کہ تیرا مال تو جا چکا ہے' اب تو اپنی جان کھو کر کیوں جہنمی بنتا ہے؟ میرے ساتھ چل کر اپنا گھر دکھا میں نے اس کے کہنے کی تعمیل کی جب ہم گھر پہنچے تو کچھ دیر تک وہ میرے ہاں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ مجھے ذرا تسکین ہوئی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ چلا گیا۔ وہ چلا گیا تو پھر وحشت نے عود کیا قریب تھا کہ میں خودکشی کر لوں لیکن مجھے آخرت اور دوزخ کی یاد آ گئی او میں اپنے گھر سے بھاگ کر ایک دوست کے پاس پہنچا اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اسے مجھ پر بہت ترس آیا وہ رونے لگا اور اس نے مجھے پچاس دینار دے کر کہا کہ میری رائے مان فوراً بغداد چلا جا اور جب تک لڑکی کی محبت تیرے دل سے نکل نہ جائے انہیں خرچ کر۔ تو' تو منشیوں کی اولاد میں سے ہے' تیرا خط بہت عمدہ ہے تو ادب میں ماہر ہے' جس والی کے پاس تیرا جی چاہے اس کے ساتھ لگا رہ' ممکن ہے کہ خدا تجھے تیری کنیز سے ملا دے۔ میں نے اس کی رائے مان لی' میرا دل مضبوط ہو گیا غم و رنج میں کمی آئی اور میں نے واسط جانے کا ارادہ کر لیا کیونکہ وہاں میرے عزیز و اقارب تھے سمندر کے کنارے پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ایک جہاز لنگر ڈالے کھڑا ہے اور ملاح اس میں سامان لاد رہے ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ جہاز ایک ہاشمی کا ہے اس پوشاک میں ہم تجھے نہیں

لے جا سکتے۔ میں نے انہیں کرائے کا لالچ دیا وہ بولے اگر تو جانے پر تلا ہوا ہے تو اس نفیس پوشاک کو اتار ڈال اور ملاحوں کے کپڑے پہن کر ہمارے ساتھ ہو جا۔ گویا تو بھی ملاح ہے۔ میں نے جا کر ملاحوں کا لباس خرید اور اسے پہن کر جہاز پر چڑھ گیا۔ یہ جہاز بصرے جا رہا تھا' مجھے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا اس جہاز میں وہی میری کنیز ہے اور دو باندیاں اس کی خدمت کر رہی ہیں۔ اب میری پریشانی ذرا دور ہوئی اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ کم از کم بصرے تک تو میں اس کی صورت دیکھوں اور اس کا گانا سنوں گا۔ اتنے میں وہی ہاشمی چند لوگوں کے ساتھ سوار آ پہنچا سب جہاز پر بیٹھ گئے اور جہاز چل نکلا۔

اس کے بعد ہاشمی نے کھانا نکالا اس نے کنیز نے اور سب لوگوں نے کھایا' ہاشمی نے کنیز سے کہا آخر کب تک تو نہ گائے گی اور گریہ و زاری کرتی رہے گی؟ تو ہی انوکھی تو نہیں جو اپنے محبوب سے جدا ہوئی ہو۔ یہ باتیں سن کر مجھے یقین آ گیا کہ اسے مجھ سے اب تک کتنی محبت ہے۔ اب ہاشمی نے کنیز کے سامنے پردہ ڈال دیا اور ان لوگوں کو بلا کر جو میری طرف تھے پردے کے باہر بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں معلوم ہوا کہ اس کے بھائی بند ہیں۔ وہ ان کے لئے ضروری چیزیں مثلاً شراب اور خشک میوہ نکال کر لایا سب کے سب کنیز سے گانے بجانے کا اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے سارنگی منگا کر اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور گانے لگی۔ گاتے گاتے اس کا دل بھر آیا اس نے سارنگی پھینک دی اور گانا بند کردیا۔ لوگوں کا مزا کرکرا ہو گیا اور میں غش کھا کر گر پڑا۔ انہیں گمان ہوا کہ مجھ پر جن چڑھ آیا ہے وہ میرے کان میں آیتیں پڑھنے لگے اور اسے برابر پھسلانے اور گانے پر آمادہ کرتے رہے آخر اس نے سارنگی لے کر دو شعر اور گائے اور غش کھا کر گر پڑی۔ لوگ رونے لگے' میں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا ملاح مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ ہاشمی کے ایک غلام نے کہا کہ تم اس دیوانے کو کیوں اپنے ساتھ لائے ہو؟ ایک اور شخص بولا کہ کسی شہر کے پاس پہنچ کر اسے اتار دینا تاکہ ہمیں اس سے نجات ملے۔ یہ

سن کر مجھے بہت رنج ہوا' میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان لوگوں کے ہاتھ سے چھٹکارا اسی وقت ہو سکتا ہے جب میں کنیز کو اپنی موجودگی کی خبر کر دوں اور وہ لوگوں کو منع کر دے کہ مجھے نہ اتاریں۔ اب چلتے چلتے ہم ایک گاؤں کے پاس پہنچے' جہاز کے مالک نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ خشکی پر اترو' لوگ اتر گئے۔ شام کا وقت تھا میں اٹھ کر پردے کے پیچھے گیا اور سارنگی لے کر ایک ایک کرکے راگ بجانے لگا یہاں تک کہ اس راگ پر پہنچا جو لڑکی نے مجھ سے سیکھا تھا اور پھر جہاز میں اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • آٹھ سو اٹھانوے ویں رات

آٹھ سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نے کہا کہ میں اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں لوگ بھی خشکی پر سے آ کر جہاز میں



اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس وقت خشکی اور سمندر پر چاندنی کھیت کئے ہوئے تھی ہاشمی نے کنیز سے کہا کہ خدا کے لئے ہمارا مزا کرکرا نہ کر۔ کنیز نے سارنگی اٹھائی تاروں پر ہاتھ پھیرا اور ایک چیخ ماری' لوگوں کو گمان ہوا کہ اس کی جان نکل گئی۔ وہ بولی کہ میرا استاد اس جہاز میں ہے۔ ہاشمی بولا اگر وہ ہمارے ساتھ ہوتا تو ہم ضرور اس کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے اور اس کی وجہ سے تیرا غم غلط ہو جاتا اور ہم تیرے گانے کا لطف بھی حاصل کرتے' جہاز میں اس کا ہونا ناممکن ہے' لڑکی نے کہا جب تک میرا استاد موجود ہے نہ میں سارنگی بجا سکتی ہوں نہ راگ گا سکتی ہوں۔ ہاشمی بولا اچھا ہم ملاحوں سے پوچھتے ہیں' لڑکی نے کہا ہاں پوچھ' اس نے ملاحوں سے پوچھا کہ کیا تم اپنے ساتھ اور کسی کو بھی لائے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں' میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تلاش کا خاتمہ کر دیا جائے اس لئے میں نے ہنس کر کہا میں اس کا استادہوں اور جب میں اس کا آقاتھا تو میں نے اسے کئی راگ سکھائے تھے۔ میری آواز لڑکی کے کان میں پڑی تو وہ کہنے لگی خدا کی قسم یہ تو میرے آقا کی آواز ہے۔ غلام آ کر مجھے ہاشمی کے پاس لے گئے اس نے مجھے پہچان لیا اور کہا ارے یہ تجھے کیا ہو گیا اور تجھ پر کیا مصیبت گزری؟ میں نے اپنی ساری روداد سنا دی اور رونے لگا' ساتھ ہی پردے کے پیچھے سے لڑکی کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ مجھ پر ترس کھا کر ہاشمی اوراس کے بھائی بند بھی رو پڑے۔ ہاشمی کہنے لگا کہ واللہ میں اب تک نہ لڑکی کے پاس گیا ہوں نہ اس سے ہم بستر ہوا ہوں نہ آج تک اس کا گانا سنا ہے۔ خدا نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے' میں بغداد محض گانا سننے اور امیر المومنین سے اپناوظیفہ لینے گیا تھا

اور مجھے دونوں میں کامیابی ہوئی۔ جب میں اپنے وطن کو لوٹنے لگا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ کوئی بغدادی گانے والا میرے ساتھ رہنا چاہیے اور اس کنیز کو خرید لیا مجھے اس کی بالکل خبر نہ تھی کہ تم دونوں کی یہ حالت ہے۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بصرے پہنچ کر اسے آزاد کر دوں گا اور اس کی شادی تیرے ساتھ کر کے تیرے لئے کافی تنخواہ مقرر کر دوں گا بلکہ کافی سے بھی زیادہ' لیکن اس شرط پر کہ جب میں اس کا گانا سننا چاہوں تو پردہ ڈال کر وہ پردے کے پیچھے گائے' میرے بھائیوں اور مصاحبوں کے ساتھ تو بھی موجود ہو' میں یہ سن کر چپ ہو گیا۔

اس کے بعد ہاشمی نے اپنا سر پردے کے اندر ڈال کر کہا اب تو خوش ہے؟ وہ اسے دعائیں دینے لگی اور اس کی شکرگزار ہوئی۔ پھر اس نے اپنے ایک غلام کو بلا کر کہا کہ اس جوان کا ہاتھ پکڑ کر لے جا اس کے کپڑے اتار کر عمدہ لباس پہنا' عطر لگا اور ہمارے پاس لے آ۔ غلام مجھے لے گیا اور جو کچھ اس کے آقا نے حکم دیا تھا کیا اور پھر مجھے اس کے پاس لے آیا اور جس طرح دونوں کے آگے شراب رکھی گئی میرے آگے بھی رکھی گئی۔ لڑکی نے بہترین گانے گائے سب کو وجد آنے لگا اور مجھے بھی بے حد خوشی ہوئی اب میں نے اس لڑکی سے سارنگی لے کر گانا شروع کیا۔ لوگ میرا گانا بجانا سن کر بہت خوش ہوئے سارے راستے یہی کیفیت رہی' تھوڑی دیر میں گاتا اور تھوڑی دیر لڑکی یہاں تک کہ جہاز کنارے پر آ کر ٹھہرا' جہاز نے لنگر ڈال دیا سب لوگ کنارے پر اتر پڑے اور میں بھی اتر پڑا۔ میں نشے میں تو تھا ہی پیشاب کرنے بیٹھا تو نیند آ گئی مسافر جہاز پر بیٹھ کر چل دیئے انہیں میرا پتا بھی نہ چلا کیونکہ وہ بھی نشے میں تھے۔ ادھر وہ بصرے پہنچ گئے ادھر میری آنکھ اسوقت کھلی جب دھوپ تیز ہونے لگی۔ میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ ہاشمی کا نام کیا ہے' اس کا گھر کہاں ہے اور وہ کس لقب سے پکارا جاتا ہے۔ حیران و پریشان تھا اور جو خوشی مجھے لڑکی سے مل کر ہوئی تھی خواب و خیال معلوم ہوتی

تھی۔ اسی پریشانی کی حالت میں ایک بڑا جہاز میرے پاس سے گزرا میں اس میں بیٹھ کر بصرے پہنچا جہاں نہ میں کسی کو پہچانتا تھا اور نہ ہاشمی کا گھر جانتا تھا۔ وہاں ایک



بقال کی دکان پر جا کر میں نے اس سے دوات اور کاغذ مانگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • آٹھ سو ننانوے ویں رات

آٹھ سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان کا بیان ہے کہ میں دوات اور کاغذ لے کر کچھ لکھنے لگا۔ بقال نے دیکھا کہ میں خوش خط ہوں لیکن میرے



کپڑے میلے کچیلے ہیں' اس نے میرا حال دریافت کیا میں نے کہا پردیسی ہوں اور نادار' وہ بولا کیا تو میرے ساتھ رہنا پسند کرے گا؟ میں تجھے کھانا کپڑا اور روزانہ نصف درہم دیا کروں گاتو میری دکان کا حساب کتاب رکھا کیجئو۔ میں نے کہا ہاں اور اس کے پاس ٹھہر گیا اس کی آمدنی اور خرچ کا حساب لکھنے لگا۔ ایک مہینہ ہو گیا تو اس نے دیکھا کہ آمدنی بڑھ گئی ہے اور خرچ کم ہو گیا ہے۔ اس پر اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور میرا روزینہ ایک درہم کر دیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو اس نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ میری شادی اپنی بیٹی سے کر دے اور دکان میں مجھے اپنا ساجھی بنا لے۔ میں نے اسے منظور کر لیا اور اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا اور دکان کا کام کاج کرنے لگا۔ باوجود ان سب باتوں کے میں ہمیشہ شکستہ دل رہتا اور میرے چہرے سے غم ظاہر ہوتا۔

بقال شراب پیتا تو مجھے بھی پلاتا لیکن غم کی وجہ سے میں منظور نہ کرتا۔ دو سال تک یہی کیفیت رہی۔ ایک دن جب کہ میں دکان میں بیٹھا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ لوگ کھانا پینا لئے کہیں جا رہے ہیں بقال سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا آج کا دن سیر و تفریح کے لئے مخصوص ہے۔ تمام گانے بجانے والے اور امیرزادے سمندر کے کنارے جا کر کھاتے پیتے اور نہرایلہ پر درختوں کے درمیان سیر و تفریح کرتے ہیں۔ میرے دل نے کہا کہ میں بھی جا کر سیر کروں' ممکن ہے کہ جب میں ان لوگوں کو دیکھوں تو میری محبوبہ بھی مل جائے۔ میں نے بقال سے کہا میں بھی سیر و تفریح کے لئے جانا چاہتا ہوں' وہ بولا بہتر ہے' انہیں کے ساتھ چلا جا اور اس نے میرے لئے کھانا پینا تیار کروا دیا میں نہرایلہ پہنچا تو دیکھا کہ لوگ لوٹ رہے ہیں' میں بھی ان کے

ساتھ لوٹ کر آنے لگا اتنے میں میری نظر اس ناخدا پر پڑی جس کی کشتی میں ہاشمی اور کنیز تھے کہ وہ نہرابلہ میں کشتی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اسے آواز دی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مجھے پہچان کر اپنے ساتھ بٹھا لیا اور کہنے لگے کہ تو زندہ ہے؟ اور مجھے گلے لگا کر میرا قصہ پوچھنے لگے۔



جب میں اپنا سارا قصہ سنا چکا تو وہ بولا ہمارا خیال تھا کہ نشے کی حالت میں پانی میں ڈوب گیا ہے میں نے ان سے لڑکی کا حال پوچھا انھوں نے بیان کیا کہ جب اسے معلوم ہوا کہ تو کھو گیا ہے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سارنگی جلا ڈالی۔ رونے پیٹنے لگی۔ ہم بصرے پہنچے تو اس سے کہا کہ یہ رونا دھونا اور غم کرنا جانے دے۔ اس نے کہا میں کالے کپڑے پہنوں گی' اس گھر کے ایک کونے میں ایک قبر بنا کر اس کے پاس بیٹھ رہا کروں گی اور گانے سے توبہ کروں گی۔ ہم نے اس کے لئے یہ سب چیزیں بنا دیں اور وہ آج تک اسی حالت میں ہے۔ یہ کہہ کر وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلے وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ واقعی اسی حالت میں ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے ایک چیخ ماری میں سمجھا کہ اس کی جان نکل گئی اور اسے گلے لگا لیا اور دیر تک گلے لگائے رہا۔ ہاشمی نے مجھ سے کہا کہ اسے لے جا' میں نے کہاں ہاں لیکن پہلے اسے آزاد کر دے جیسا کہ تو نے وعدہ کیا تھا اور اس کا نکاح میرے ساتھ پڑھا دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ہمیں بہت کچھ عمدہ سامان' لباس' فرش اور پانچ سو دینار دیئے اور کہا کہ یہی رقم میں تجھے ہر مہینے دیا کروں گا' لیکن شرط یہ ہے کہ تو میرا مصاحب رہے اور لڑکی گانا سنایا کرے۔ اس کے بعد اس نے ہمارے لئے ایک گھر خالی کر دیا اور حکم دیا کہ ہماری سب ضروریات کی چیزیں اس میں منتقل کرا دی جائیں' میں لڑکی کو اس میں لے گیا۔ پھر میں نے بقال کے پاس جا کر اپنا قصہ سنایا اور کہا کہ تو مجھے اجازت دے دے کہ میں تیری لڑکی کو بے کسی جرم کے طلاق دے دوں۔ میں نے اس کا مہر بھی واپس کر دیا اور چیزیں بھی جو میرے اوپر واجب تھیں۔ دو

سال تک ہاشمی کے ساتھ رہا خوب مال دار ہو گیا اور میری وہی حالت ہو گئی جو کنیز کے ساتھ بغداد میں تھی۔ خدا نے ہماری مشکل دور کر دی' ہمیں بہت کچھ دیا اور صبر



کے بدلے کامیابی عطا کی۔ واللہ اعلم۔

○ جلی عاد بادشاہ اور اس کے وزیر کی کہانی

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں ہند کا ایک بادشاہ تھا' جلی عاد نام تھا۔ بہت بلند بالا' خوب صورت' خوش سیرت' سخی اور عظیم الشان' فقیروں پر احسان کرتا' رعیت اور تمام ملک والوں سے محبت رکھتا۔ اس کے ماتحت بہتر بادشاہ تھے اوراس کے ملک میں تین سو پچاس قاضی'اس کے ستر وزیر تھے اور ہر دس سپاہیوں پر ایک سردار' بڑے وزیر کا نام شماس تھا' اس کی عمر بائیس سال کی تھی' وہ بڑا خلیق' نرم زبان' سوچ سمجھ کر جواب دینے والا' ہر بات میں پکا' حکیم' مدبر' باوجود کم سنی کے حکم رانی میں قابل اور علم و ادب میں ماہر' بادشاہ اس سے بے حد محبت کرتا اور اس کی فصاحت' بلاغت اورسیاست دانی کی وجہ سے اس کا بہت گرویدہ تھا اور اس وجہ سے بھی کہ خدا نے اس کے دل میں رحم اور رعیت پروری عطا کی تھی۔ بادشاہ بھی بڑا انصاف پسند تھا' رعیت کی حفاظت' چھوٹوں بڑوں کے ساتھ احسان کرتا اور جس رعایت' بخشش' امان اور اطمینان کی ضرورت انہیں ہوتی اسے مہیا کرتا' رعیت سے خراج کم لیتا' ہر چھوٹے بڑے سے محبت رکھتا' ان کے ساتھ احسان کرتا اور شفقت سے پیش آتا۔ غرض کہ وہ ان کے ساتھ ایسی خوش خلقی سے پیش آتا کہ پہلے کبھی کوئی نہ پیش آیا ہو گا۔ باوجود ان تمام باتوں کے اولاد کی طرف سے بدنصیب تھا۔ جب یہ خیال آتا کہ خدا نے سب کچھ دیا مگر کوئی بیٹا نہیں دیا تو کلیجے پر سانپ سا لوٹ جاتا۔ ایک دن وہ لیٹا ہوا سوچ رہا تھا کہ میرے بعد حکومت و سلطنت کا کیا حشر ہو گا کہ اسے نیند آ گئی اس نے خواب میں

دیکھا کہ وہ ایک درخت کی جڑ میں پانی ڈال رہا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

# • نو سو ویں رات

نو سو ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جلی عاد نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک درخت کی جڑ میں پانی ڈال رہا ہے' اس درخت کے آس پاس اور بہت سے درخت ہیں' اتنے میں اس درخت سے آگ نکلی اور اس نے آس پاس کے تمام درخت جلا دیئے۔ بادشاہ کی خوف سے آنکھ کھل گئی۔ ایک غلام کو بلا کر کہا کہ وزیر کو فوراً بلا لا۔ غلام نے شماس کے پاس جا کر کہا کہ بادشاہ نے تجھے فوراً بلایا ہے' وہ ابھی گھبرایا ہوا نیند سے اٹھا ہے اور مجھے بھیجا ہے کہ تجھے فوراً لے چلوں۔ غلام کی یہ باتیں سن کر شماس فوراً چل کھڑا ہوا' بادشاہ کے پاس پہنچا دیکھا ہ وہ فرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ شماس نے اس کے آگے سجدہ کیا دعا دی کہ اس کی عزت اور نعمتیں قائم و دائم رہیں اور کہنے لگااے بادشاہ! خدا تجھے کبھی غمگین نہ کرے! آج رات تو نے کیا خواب دیکھا کہ ڈر گیا اور فوراً مجھے بلوایا؟ بادشاہ بولا بیٹھ جا' وہ بیٹھ گیا اور بادشاہ نے خواب بیان کرنا شروع کیا کہ میں نے رات ایسا خواب دیکھا ہے جس سے میں ڈر گیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں ایک درخت کی جڑ میں پانی ڈال رہا ہوں' اس درخت کے آس پاس اور بہت سے درخت ہیں اتنے میں اس درخت کی جڑ سے ایک آگ نکلی اس نے آس پاس کے سارے درخت جلا دیئے۔ یہ خواب دیکھ کر میں سہم گیا' کانپنے لگا اور تجھے بلوا بھیجا کیونکہ تو بڑا ماہر ہے خواب کی تعبیر جانتا ہے۔ بڑا عالم اور دانش مند ہے۔ شماس نے تھوڑی دیر کے لیئے سر جھکایا اور پھر مسکرانے لگا۔ بادشاہ نے پوچھا اے شماس تیری سمجھ میں کیا آتا ہے؟ سچ سچ کہہ دے اور مجھ سے کچھ نہ چھپا۔ شماس کہنے لگا اے بادشاہ! خدا نے تیری دعا منظور کر لی اور تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا۔ اس خواب کی تعبیر بہت نیک ہے وہ یہ کہ خدا تجھے ایک لڑکا دے گا وہ تیری بڑی عمر کے بعد تیرا وارث ہو گا لیکن اس میں ایک بات ہو گی جس کا بیان کرنا میں

اس وقت مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ ابھی اس کی تفصیل کا وقت نہیں آیا ہے۔
یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اس کا ڈر جاتا رہا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بات ہے تو جب تعبیر پوری بتانے کا وقت آ جائے تو اسے پورا کر دیجیو تاکہ میری خوشی پوری ہو جائے' میں اس سے محض خدا کی مرضی کا خواہاں ہوں۔ شماس نے دیکھا کہ بادشاہ پوری تعبیر سننے پر تلا ہوا ہے تو اس نے کچھ بہانہ کرکے ٹال دیا۔ بادشاہ نے اپنے ملک کے تمام نجومیوں اور تعبیر گوؤں کو بلایا وہ سب حاضر ہوئے تو ان سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا میں چاہتاہوں کہ تم اس کی ٹھیک ٹھاک تعبیر بتاؤ۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے اجازت مانگی کہ وہ بات کرے۔ بادشاہ نے اسے اجازت دے دی تو اس نے کہا اے بادشاہ سن' تیرا وزیر شماس اس خواب کی تعبیر بتانے سے عاجز نہیں ہے لیکن اس نے اس وجہ سے نہیں بتایا کہ تجھے پریشانی نہ ہو۔ یہ ہے وجہ کہ اس نے پوری تعبیر نہیں بتائی۔ لیکن اگر تو مجھے اجازت دے تو میں کہوں۔ بادشاہ بولا اے تعبیر گو' بلا کم و کاست کہہ ڈال اور سچ سچ بتا۔ تعبیر گو نے کہا تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اس وقت تیرا وارث ہو گا جب تو بڑی عمر کو پہنچ چکا ہو گا لیکن رعیت کے ساتھ اس کا برتاؤ وہ نہ ہو گا جو تیرا ہے بلکہ وہ تیرے دستور کے خلاف چلے گا لوگوں پر ظلم کرے گا اور اس کا وہی حشر ہو گا جو چوہے کو بلی کے ساتھ ہوا' خدا اس سے محفوظ رکھے! بادشاہ نے پوچھا کہ بلی اور چوہے کی کیا کہانی ہے؟

## ○ بلی اور چوہے کی کہانی

تعبیر گو نے کہا خدا بادشاہ کی عمر دراز کرے! ایک بار ایک بلی رات کے وقت ایک جھاڑی میں گئی کہ کچھ شکار مارے لیکن اسے کچھ ہاتھ نہ لگا بلکہ وہ سردی اور بارش کیوجہ سے بیمار اور کمزور ہو گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی۔ کہ مطلب نکلنے کے لیے کوئی

چال چلنی چاہیے۔ اتنے میں اسے ایک درخت کے نیچے ایک بل دکھائی دیا وہ اس کے قریب جا کر سونگھنے اور میاؤں میاؤں کرنے لگی یہاں تک کہ اسے پتا چل گیا کہ بل کے اندر ایک چوہا ہے' اردگرد گھومنے لگی اور ارادہ کیا کہ چوہے کو پکڑنے کے لئے اندر گھسے جب چوہے کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بلی کی طرف پیٹھ کر کے پاؤں ٹیک لئے تا کہ بل کا منہ بند ہو جائے۔ اور بلی اندر نہ آ سکے۔ یہ دیکھ کر بلی کمزور آواز سے کہنے لگی بھائی تو یہ کیا کرتا ہے؟ میں تو تیرے پاس پناہ لینے آئی ہوں تا کہ تو میرے حال پر رحم کھا کر مجھے آج رات اپنے بل میں رہنے دے۔ بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے میں بیمار ہو گئی ہوں۔ کتنی ہی بار میں نے موت کی دعا مانگی ہے کہ مجھے آرام مل جائے اب میں سردی اور بارش کی ماری تیرے دروازے پر پڑی ہوں اور تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ مہربانی کر اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر لے لے اور اپنے بل کے دروازے ہی پر مجھے پڑا رہنے دے' میں پردیسن اور مسکین ہوں مثل ہے کہ جو پردیسی مسکین کو اپنے گھر میں پناہ دیتا ہے قیامت کے روز اسے جنت دی جاتی ہے۔ اے میرے بھائی تو اس بات کا مستحق ہے کہ میرا ثواب لے اور مجھے اجازت دے دے کہ میں آج رات صبح تک تیرے ہاں گزار دوں اور پھر چلتی بنوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو کے بعد پہلی رات



نو سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلی نے چوہے سے کہا میں محض رات گزار کر چلتی بنوں گی۔ بلی کی باتیں سن کر چوہا بولا تو کیسے میرے بل میں آ سکتی ہے! تو تو میری قدرتی دشمن ہے اور تیری غذا میرا گوشت ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تو مجھے کہیں دھوکہ دے رہی ہو کیونکہ یہ تیری فطرت ہے اور تیرے عہد و پیماں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ مثل ہے کہ بداطوار شخص کے سپرد خوبصورت عورت کو نہیں کرنا چاہیے نہ فقیر نادار کے سپرد مال کو' نہ آگ کے سپرد سوکھی لڑکی کو' اس لئے میں اپنے آپ کو تیرے حوالے نہیں کر سکتا۔ عقل مندوں نے بھی کہا ہے کہ جب دشمن کمزور ہو جاتا ہے تو اس کی دشمنی بڑھ جاتی ہے۔ بلی نے نہایت دھیمی آواز اور اداس چہرہ بنا کر کہا تیرا کہنا ٹھیک ہے' میں اس سے انکارنہیں کرتی لیکن درخواست کرتی ہوں کہ پچھلی باتیں معاف کر دے جو میری اور تیری فطری دشمنی کی وجہ سے پیش آئی ہیں بزرگ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ جو مخلوق دوسری مخلوق کو معاف کر دیتی ہے تو اس کا خالق بھی اس کے گناہ بخش دیتا ہے' میں کل تک تیری دشمن ضرور تھی مگر آج تیری دوستی کی طلب گار ہوں۔ بقول کسی کے کہ اگر تو اپنے دشمن کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ نیکی کر' اور بھائی' میں تو خدا کے سامنے تجھ سے عہد و پیمان کرتی ہوں کہ میں تجھے کبھی نقصان نہ پہنچاؤں گی۔ علاوہ اس کے اب مجھ میں اس کی طاقت بھی نہیں' اس لئے خدا پر بھروسہ کرکے میرے ساتھ بھلائی کر اور اے میرے بھائی' میرے عہد و پیمان پر بھروسہ رکھ۔ چوہا بولا میں کیسے اس شخص کا عہد و پیمان مان سکتا ہوں جس کی دشمنی میرے ساتھ ازلی ہے اور جس کا دستور ہی مجھے دھوکہ دینا ہو۔ اگر ہماری دشمنی سوائے خون کے اور کسی چیز کی ہوتی تو بھی خیریت

تھی لیکن وہ تو روحوں کے درمیان فطری دشمنی ہے مثل ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو دشمن کے سپرد کردیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنا ہاتھ کالے سانپ کے منہ میں دے دے۔ بلی نے ناراض ہو کر کہا اب میں پریشان ہو گئی ہوں اور میرا جسم کمزور ہو گیا ہے' نزع کی حالت ہے اور عنقریب تیرے دروازے پر میری جان نکل جائے گی اور یہ گناہ تیری گردن پر ہو گا کیونکہ تو مجھے مصیبت سے نجات دے سکتا ہے اور نہیں دیتا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔

یہ سن کر چوہا خدا سے ڈرا' اسے ترس آ گیا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جو خدا سے اپنے دشمن پر مدد لینا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ دشمن کے ساتھ رحم اور نیکی سے پیش آئے۔ میں خدا پر بھروسہ کرکے اس بلی کو مرنے سے بچائے لیتا ہوں تاکہ مجھے اس کا ثواب ملے۔ یہ کہہ کر چوہا باہر نکل آیا اور بلی کو گھسیٹ کر اپنے بل میں لے گیا۔ بلی تھوڑی دیر تک اس کے پاس چپ چاپ بیٹھی رہی یہاں تک کہ اس میں طاقت آ گئی وہ ستا چکی اور ذرا دم لے لیا تو وہ اپنی بیماری' کمزوری اور دوستوں کی کمی پر افسوس کرنے لگی' چوہا اس کو دلاسہ دینے اور اس کی دل جوئی کرنے لگا' اس کے قریب آ کر کبھی بیٹھتا کبھی اس کے آس پاس پھرتا۔ اتنے میں بلی بل کے منہ پر ٹیک لگا کر لیٹ گئی تاکہ چوہا اس کے قبضے میں رہے نکل نہ بھاگے۔ جب چوہا بل سے نکلنے لگا تو ظاہر تھا کہ بلی کے پاس سے گزرے جوں ہی بلی کے قریب آیا اس نے اسے پکڑ کر پنجے میں دبوچ لیا' کاٹنے' جھنجوڑنے' اچھالنے' لڑھکانے نوچنے اور تکلیف دینے لگی۔ اب چوہا خدا سے دہائی مانگنے اور نجات کی درخواست کرنے لگا اور ناراض ہو کر بلی سے کہا کہ وہ عہد و پیماں کہاں گیا جو تو نے باندھا تھا اور کہاں ہوئیں وہ قسمیں جو تو نے کھائی تھیں؟ کیا یہی بدلہ ہے جو تو مجھے دے رہی ہے؟ میں نے تجھے اپنے بل میں داخل کیا اور اپنی جان تیرے سپرد کر دی لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ جو اپنے دشمن کے ساتھ عہد باندھتا ہے وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ خیر مجھے

اپنے پیدا کرنے والے پر بھروسہ ہے کہ وہ مجھے تیرے پنجے سے چھڑائے گا۔ چوہا یہی کہہ رہا تھا اور بلی ارادہ کر ہی رہی تھی کہ اسے چٹ کر جائے اتنے میں ایک شکاری آ پہنچا جس کے پاس شکاری کتے تھے' ایک کتے نے بل کے پاس آ کر دیکھا کہ اندر لڑائی جھگڑا ہو رہا ہے اس نے خیال کیا کہ بل کے اندر لومڑی کسی چیز کا شکار کر رہی ہو گی۔ یہ سوچ کرکتا نیچے کی طرف دوڑا کہ اس کا شکار کرے اور بلی کو پکڑ کر کھینچا جب بلی کتے کے پنجے میں پھنس گئی تو اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اس نے چوہے کو چھوڑ دیا جو ابھی زندہ تھا بلکہ گھائل تک نہیں ہوا تھا مگر بلی کو شکاری کتا کھینچ کر باہر نکال لایا اور اس کی گردن توڑ کر پھینک دی' اور یہ مثل ٹھیک اتری کہ جو رحم کرتا ہے اس پر کسی نہ کسی دن رحم کیا جاتا ہے اور جو ظلم کرتا ہے وہ فوراً ظلم کا بدلہ پا لیتا ہے۔

اے بادشاہ! یہ ہے جوان کے ساتھ پیش آیا لہٰذا کسی کو یہ نہ چاہیے کہ بھروسہ کرنے والے کو دغا دے کیونکہ جو شخص دغا دے گا اور خیانت کرے گا اس کا وہی حشر ہو گا جو بلی کا ہوا' جیسی کرنی ویسی بھرنی اور جو نیکی کرے گا اس کا ثواب پائے گا' لیکن اے بادشاہ! افسوس نہ کر اور غمگین نہ ہو کیونکہ ظلم وجور کرنے کے بعد تیرا بیٹا تیری اچھی عادتیں اختیار کر لے گا۔ اور یہ فاضل شماس جو تیرا وزیر ہے چاہتا ہے کہ تجھ سے کوئی ایسی بات نہ چھپائے جس کا تعلق تجھ سے ہے اور اس کا ایسا کرنا بہت ٹھیک ہے کیونکہ مثل مشہور ہے وہی شخص سب سے زیادہ ڈرتا ہے جس کا علم سب سے زیادہ ہو اور جو بھلائی کرنے پر سب سے زیادہ تلا ہوا ہو۔ یہ سن کر بادشاہ قائل ہو گیا اور حکم دیا کہ انہیں بہت انعام دیا جائے۔ بعدازاں بادشاہ نے انہیں رخصت کیا اور اٹھ کر اندر گیااور سوچنے لگا۔ جب رات ہوئی تو وہ اپنی ایک بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا جو اسے سب سے زیادہ عزیز اور پیاری تھی۔ چار ماہ گزرنے کے بعد بچہ اس کے پیٹ میں کلبلانے لگا اسے بے حد خوشی ہوئی اس نے بادشاہ کو خبر دی۔ بادشاہ بولا کہ

میرا خواب ٹھیک نکلا' آئندہ خدا مددگار ہے بادشاہ نے رانی کو بہترین محل رہنے کے لئے دیا' اسے بڑی عزت و حرمت سے رکھا اور اسے بہت کچھ انعام دیا پھر اس نے ایک غلام کو بلا کر کہا' شماس کو بلا لا۔ شماس آیا تو بادشاہ نے اس سے اپنی بیوی کا حاملہ ہونا بیان کیا اور خوش ہو کر کہا کہ میرا خواب ٹھیک نکلا اور میری مراد برآئی۔ یقین ہے کہ اس حمل سے بیٹا پیدا ہوگا اور میری بادشاہت کا وارث ہو گا۔ اے شماس' تیری کیا رائے ہے؟ شماس چپ رہا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بادشاہ بولا کیا بات ہے کہ تو میری خوشی میں شامل نہیں ہوتا اور مجھے جواب نہیں دیتا؟ اے شماس' کیا یہ بات تجھے بری معلوم ہوتی ہے؟ شماس نے بادشاہ کے آگے سجدہ کرکے کہا اے بادشاہ' خدا تیری عمر دراز کرے! درخت کے سائے میں بیٹھنے سے فائدہ اگر اس میں سے آگ نکلنے لگے! صاف شراب پینے میں کیا مزا اگر وہ گلے میں پھنسی رہے! اور ٹھنڈا میٹھا پانی پینے سے کیا فائدہ اگر پینے والا اس میں ڈوب جائے! اے بادشاہ! میں خدا کا اور تیرا غلام ہوں لیکن مثل ہے کہ تین چیزوں کے بارے میں سمجھدار آدمی کو بات نہیں کرنی چاہیے۔ جب تک وہ پوری نہ ہو جائیں ایک مسافر کے بارے میں جب تک وہ سفر سے لوٹ نہ آئے دوسرے سپاہی کے بارے میں جب تک وہ دشمن کو زیر نہ کر لے' تیسرے حاملہ عورت کے بارے میں جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو کے بعد دوسری رات

نو سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ کہنے کے بعد کہ عقل مندوں کو تین چیزوں کے بارے میں زبان نہیں کھولنی چاہیے جب تک وہ پوری نہ ہو جائیں۔ شماس نے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ سن! ادھوری بات کے بارے میں زبان کھولنے والے کی مثال ایسی ہے جیسی اس درویش کی جس کے سر پر گھی الٹ گیا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس درویش کی کیا کہانی ہے اور اس کے ساتھ کیا گزری؟

### ○ درویش کی کہانی جس کے سر پر گھی الٹ گیا تھا

شماس نے کہا اے بادشاہ! کسی شہر میں ایک شریف شخص کے ہاں ایک درویش رہتا تھا جسے ہر روز اس شخص کے ہاں سے کھانا ملتا' تین روٹیاں' تھوڑا سا گھی اور شہد' اس شہر میں گھی منگا تھا اس لئے وہ درویش گھی کو ایک ہانڈی میں جمع کرتا جاتا یہاں تک کہ وہ بھر گئی' اس نے اس ڈر سے کہ کہیں چوری نہ ہو جائے اپنے اوپر چھینکے میں لٹکا دیا ایک رات جب کہ وہ ڈنڈا لئے اپنے فرش پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ گھی اس شہر میں مہنگا ہے مجھے سب کا سب گھی بیچ کر ایک بھیڑ خریدنی اور اس میں ایک کسان کے ساتھ ساجھا کرنا چاہیے۔ پہلے سال اس کے ایک نر پیدا ہو گا پھر مادہ' دوسرے سال پہلے مادہ پھر نر' پھر ان بھیڑوں کے بھی نر اور مادہ بچے ہوں گے یہاں تک کہ ایک بڑا گلہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں اپنا حصہ الگ کر لوں گا اور اس میں سے ایک حصہ بیچ ڈالوں گا اور اس کے داموں سے فلاں زمین مول لوں گا اس میں باغ لگا کر ایک عالی شان محل بنواؤں گا کپڑے اور پوشاکیں بنواؤں گا' غلام اور باندیاں خریدوں گا پھر فلاں تاجر کی بیٹی سے شادی کروں گا اور ایسی ولیمے کی دعوت دوں گا کہ کبھی

نہ ہوئی ہو کیونکہ اس کے لئے میں جانور ذبح کروں گا‘ عمدہ کھانے‘ مٹھائیاں‘ شکر پارے بنواؤں گا اور اس میں موسیقی دانوں‘ استادوں اور سارے باجوں کو اکٹھا کروں گا۔ پھول‘ خوشبوئیں او خوش بو دار بوٹیاں مہیا کروں گا۔ تمام امیروں‘ غریبوں‘ عالموں‘ رئیسوں اور حکام کودعوت دوں گا جوشخص جس چیز کی فرمائش کرے گا لاموجود کروں گا‘ طرح طرح کے کھانے اور شرابیں منگواؤں گا اور ڈھنڈورا پٹوا دوں گا کہ جس کسی کو جس چیز کی ضرورت ہو لے جائے جب دلہن کی منہ دکھائی ہو چکے گی تو میں اس سے ہم بستر ہوں گا‘ اسکے حسن و جمال کے مزے لوٹوں گا‘ خوب کھاؤں گا‘ پیوں گا اور لطف اٹھاؤں گا اور اپنے دل میں کہوں گا کہ اب میری مراد برآئی اور زہد و عبادت سے چھٹکارا ملا۔ اس کے بعد میری بیوی کو حمل رہ جائے گا اس کے ایک لڑکا پیدا ہو گا‘ مجھے بڑی خوشی ہو گی‘ میں دعوتیں دوں گا اور بڑے ناز و نعمت سے اسے پالوں گا اسے حکمت‘ ادب اور حساب سکھاؤں گا اس کا نام لوگوں میں مشہور کروں گا‘ مجلسوں میں بیٹھ کر اس پرناز کروں گا‘ اسے بھلائی کرنے کا حکم دوں گا اور وہ میری مخالفت نہیں کرے گا‘ بری باتوں سے اسے روکوں گا اور اسے تنبیہہ کروں گا کہ خدا سے ڈرے‘ نیکی کرے اور اسے عمدہ عمدہ اور خوب صورت خوبصورت تحفے دوں گا‘ اگر میں دیکھوں گا کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کرتاہے تو اسے اور زیادہ تحفے تحائف دوں گا اور اگر میں دیکھوں گا کہ وہ گناہ کی طرف مائل ہے تو اسی ڈنڈے سے اس کی خبر لوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے خیالی بیٹے کو مارنے کے لئے ڈنڈا اٹھایا اور وہ جا کر گھی کی ہانڈی پر پڑا جو چھینکے میں لٹک رہی تھی وہ ٹوٹ گئی اس کے ٹکڑے درویش کے سر پر آ کر گرے اور گھی اس کے سر کپڑوں اور داڑھی پر بہنے لگا اور لوگوں نے اس سے عبرت حاصل کی۔

اے بادشاہ! یہی وجہ ہے کہ انسان کو کسی بات پر زبان نہیں کھولنی چاہیے جب تک وہ ہو نہ جائے۔ بادشاہ نے کہا اے وزیر‘ تو سچ کہتا ہے۔ تو بڑا اچھا وزیر ہے کیونکہ تو سچ بولتا اور اچھا مشورہ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے تیرا رتبہ میرے نزدیک تیری خواہش کے

موافق ہے او میں تجھے ہمیشہ مانتا ہوں۔ شماس خدا اور بادشاہ کے آگے سجدے میں گر گیا اسے دعا دی کہ تیری نعمتیں ہمیشہ قائم رہیں اور خدا تیری عمر دراز کرے اور تیرا رتبہ بلند کرے! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا خواہ وہ پوشیدہ ہو یا اعلانیہ۔ تیری رضامندی میری رضامندی ہے اور تیری ناراضگی میری ناراضگی۔ سوا تیری خوشی کے' میری اور کوئی خوشی نہیں اور یہ ممکن نہیں کہ اگر تو مجھ سے ناراض ہو تو مجھے نیند آ سکے کیونکہ تیرے احسان کی وجہ سے خدا نے مجھے تمام اچھی چیزیں دی ہیں۔ میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے فرشتوں سے تیری نگہبانی کرے اور جب تو اس سے ملے تو وہ تجھے اچھا ثواب دے! یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور شماس اس سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد رانی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا' خوش خبری دینے والوں نے جا کر بادشاہ کو خوش خبری دی کہ تیرے بیٹا پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا خدا کا بڑا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ اس نے ناامیدی کے بعد مجھے اولاد دی اور وہ بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے تمام رعایا کے نام خط بھیجے تاکہ انہیں خبر ہوجائے اور انہیں اپنے ہاں بلایا اور تمام امرا' رؤسا' علما اور حکام جو اس کے ماتحت تھے حاضر ہوئے۔

یہ تو بادشاہ کا حال ہوا' اب اس کے بیٹے کا حال سنو' سارے ملک میں شادیانے بجنے اور ہر طرف سے لوگ آنے لگے۔ عالم' فلسفی' ادیب اورحکیم آ کر دربار میں داخل ہوئے اور اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ساتوں بڑے وزیروں کو حکم دیا جن کا سردار شماس تھا کہ وہ اپنی اپنی حکمت کے مطابق اس مسئلے پر تقریریں کریں جو اس وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔ وزیروں کا سرتاج شماس سب سے پہلے اٹھا اور بادشاہ سے تقریر کرنے کی اجازت چاہی' بادشاہ نے اجازت دے دی' وزیر نے کہنا شروع کیا کہ شکر ہے خدا کا جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور اپنے شاہی بندوں پر جو عادل اور منصف ہیں یہ احسان کیا کہ انہیں حکومت اور نیک روی دی' ان کے ہاتھ سے ان کی رعیت کو روزی عطا کی' بالخصوص ہمارا بادشاہ جس کے ذریعے سے خدا نے

ہمارے ملک کے مردوں کو زندہ کیا! اس نے ہمیں نعمتوں سے پاٹ دیا اس کی سلامتی کی وجہ سے ہمیں عیش و عشرت' اطمینان اور انصاف نصیب ہوا۔ کونسا بادشاہ اپنی رعیت کے ساتھ وہ کام کرتا ہے جو اس بادشاہ نے کیا۔ ہماری ضروریات کو پورا کرنا' ہمارے اوپر سے ظلم و ستم کو دور کرنا! یہ خدا کا لوگوں پر احسان ہے اگر ان کا بادشاہ ان کاموں میں دلچسپی لے اور انہیں ان کے دشمنوں سے بچائے کیونکہ دشمن کا انتہائی مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے دشمن کو زیر کرکے انہیں اپنے قبضے میں لے آئے۔ بہت سے لوگ اپنے بیٹوں کو بادشاہوں کے پاس خدمت کے لئے بھیجتے ہیں اور ان کے پاس غلاموں کی طرح رہتے ہیں تاکہ وہ انہیں دشمنوں سے بچائیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ اس بادشاہ کے زمانے میں کسی دشمن نے ہمارے ملک میں قدم نہیں رکھا' یہی بڑی نعمت اور سعادت ہے جسکی تعریف سے لوگ عاجز ہیں کیونکہ وہ تعریف سے بالاتر ہے اور تو اے بادشاہ' اس بڑی نعمت کا اہل اور مستحق ہے اور ہم تیری پناہ اور تیری قوت کے سائے میں ہیں' خدا تجھے بہترین ثواب دے اور تیری عمر دراز کرے! ہم اس سے پہلے خدا کے آگے ہاتھ جوڑ کر دعا مانگتے تھے کہ وہ ہماری دعا قبول کرے اور تجھے ہماری خاطر زندہ رکھے اور ایک نیک بخت بیٹا دے جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں' خدا نے ہماری درخواست سن لی اور دعا قبول کر لی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو تیسری رات

نو سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- وزیر شماس نے بادشاہ سے کہا کہ خدا نے ہماری درخواست اور دعا قبول کر لی اور ہمیں بہت جلد خوشی عطا کی جس طرح کہ کسی تالاب میں مچھلیوں کو بادشاہ نے پوچھا کہ مچھلیوں کا کیا قصہ ہے اور یہ کس طرح ہوا؟



- ○ مچھلیوں اور جھینگے کی کہانی

شماس نے کہا اے بادشاہ! کسی جگہ ایک تالاب تھا اور اس میں چند مچھلیاں رہتی تھیں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ اس کا پانی سوکھ گیا اور مچھلیاں ایک دوسرے کے قریب آ گئیں کیونکہ ان کے لئے پانی کافی نہ تھا وہ مرنے کے قریب ہو گئیں اور کہنے لگیں معلوم نہیں اب ہمارا کیا حشر ہونے والا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے کس سے جا کر مشورہ کریں کہ ہمیں کیونکر نجات مل سکتی ہے۔ ان میں سے ایک مچھلی کھڑی ہوئی جو عمر اور عقل میں سب سے بڑی تھی اور بولی سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم خدا سے دعا مانگیں لیکن پہلے چل کر جھینگے سے مشورہ کر لیں وہ ہمارا سردار ہے۔ دیکھیں کہ اس کی کیا رائے ہے وہ ہم سب سے زیادہ صائب الرائے بھی ہے۔ مچھلیوں نے اس کی رائے مان لی اور سب کی سب مل کر جھینگے کے پاس گئیں دیکھا کہ وہ اپنے گڑھے میں بیٹھا ہوا ہے اسے ان کی تکلیف کی خبر تک نہیں۔ مچھلیوں نے اسے سلام کرکے کہا اے ہمارے آقا! کیا تجھے ہماری حالت کی خبر نہیں حالانکہ تو ہمارا حاکم اور سردار ہے۔ جھینگے نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تمہیں کیا ہوا اور کیا چاہتی ہو؟ مچھلیوں نے اپنا قصہ سنایا اور کہا پانی کی کمی سے ہم پر مصیبت آ گئی ہے' تالاب اگر

بالکل سوکھ گیا تو ہم مر جائیں گے۔ ہم تیری رائے لینے آئے ہیں جس سے ہم بچ جائیں کیونکہ تو ہمارا بڑا اور ہم سے زیادہ سمجھدار ہے۔ جھینگے نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر نیچا کر لیا اس کے بعد کہنے لگا اس میں شک نہیں کہ تمہاری عقل ناقص ہے تمہیں خدا کی رحمت سے ناامیدی ہے اور اس بات کو نہیں جانتیں کہ وہ تمام مخلوقات کو روزی دینے کا ذمہ دار ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ خدا اپنے بندوں کو بغیر حساب کے روزی دیتا ہے قبل اس کے کہ اس نے کوئی چیز پیدا کی ہو اس کی روزی مقرر کر دی ہے اور اپنی خدائی قدرت سے ہر شخص کی عمر محدود اور روزی مقسوم کر دی ہے۔ پھر ہم کیسے اس چیز پر غمگین ہو سکتے ہیں جو ابھی تک غیب میں پوشیدہ ہے! میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں کہ خدا کے آگے عاجزی کی جائے اور ہم میں سے ہر ایک اپنا ضمیر صاف کرکے خدا سے دعا مانگے کہ وہ ہمیں تکلیفوں سے بچائے۔ جوخدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کی امید کو بے کار نہیں جانے دیتا اور جو اس کا وسیلہ چاہتا ہے وہ اسے نامراد نہیں پھیرتا۔ اگر ہم اپنی حالت درست کر لیں تو ہمارے سب کام ٹھیک ہو جائیں گے اور ہمیں بھلائی اور نعمتیں ملیں گی۔ میری صلاح ہے کہ ہم صبر کریں اور دیکھیں کہ خدا کیا کرتا ہے اگر ہمیں موت آ جائے گی تو آرام ہو جائے گا اور اگر کوئی ایسی بات پیش آ جائے گی کہ ہمیں بھاگنا پڑے تو ہم بھاگ کر خدا جہاں لے جائے گا چلے جائیں گے تمام مچھلیوں نے ایک زبان ہو کر کہا اے ہمارے مولا' تو ٹھیک کہتا ہے' خدا تجھے ہماری طرف سے نیک بدلہ دے! یہ کہہ کر سب مچھلیاں اپنی اپنی جگہ چلی گئیں۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ خدا نے خوب مینہ برسایا اور تالاب پہلے سے زیادہ بھر گیا۔

اے بادشاہ' اسی طرح ہم بھی تیری اولاد کی طرف سے نا امید ہو چکے تھے۔ اب چونکہ خدا نے ہماری خاطر تجھے ایک مبارک لڑکا دیا ہے ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ نیک بخت نکلے' تیری آنکھیں ٹھنڈی کرے تیرا اچھا وارث ہو اور ہمارے ساتھ ایسی بخششیں

کرے جیسی کہ تو کرتا رہا ہے جو کوئی خدا سے مقصد رکھتا ہے خدا اسے نامراد نہیں پھیرتا‘ کسی شخص کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے اس کے بعد دوسرا وزیر اٹھا اور اس نے بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے جواب میں وعلیکم السلام کیا۔ وزیر نے تقریر شروع کی کہ کوئی بادشاہ اس وقت تک بادشاہ نہیں کہلا سکتا جب تک وہ بخششیں اور انصاف نہ کرے اور اپنے احکام میں دیا دلی سے کام نہ لے‘ رعیت کے ساتھ پرانے عمدہ دستور کی حفاظت نہ کرے‘ انہیں تکلیف سے نہ بچائے‘ غریبوں کی خبرگیری نہ کرے اور جس کا جو واجب حق ہو نہ دے تاکہ سب اس کے لئے دعا کریں اور اس کے فرمانبردار رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا بادشاہ رعیت کا پیارا ہوتا ہے دنیا میں بلندی حاصل کرتا ہے اور آخرت میں بزرگی اور خدا کی رضا مندی‘ اے بادشاہ ہم سب تیرے غلام اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جتنی خوبیاں ہم نے بیان کی ہیں وہ سب تجھ میں موجود ہیں۔ مثل ہے کہ بہترین بات یہ ہے کہ بادشاہ کو رعایا کے حق میں منصف ہونا چاہیے‘ ان کے حکیم کو ماہر اور ان کے عالم کو باخبر اور اپنے علم پر عمل کرنے والا۔ ہم ان ساری بھلائیوں سے مستفید ہیں اس سے پہلے ہم اس بات سے ناامید ہو چکے تھے کہ تیرا ایک بیٹا ہو جو تیرے بعد حکومت کرے لیکن خدا نے تیری دعا نہیں ٹالی کیونکہ تیرا گمان اس کی طرف سے اچھا تھا اور تو نے اپنے کام کو اس کے حوالے کر رکھا تھا۔ تیری امید کیسی اچھی امید تھی! اور تیرا حال وہی ہوا جو کوے کا سانپ کے ساتھ ہوا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیسے؟ کوے اور سانپ کی کیا حکایت ہے؟

وزیر نے کہا اے بادشاہ‘ کسی درخت پر ایک کوا اور اس کی بیوی آرام اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے یہاں تک کہ بچے نکلنے کا زمانہ آیا۔ یہ زمانہ سخت گرمیوں کا تھا‘ ایک سانپ اپنے بل میں سے نکل کر درخت پر چڑھ گیا اور شاخوں میں لٹکتے لٹکتے کوے کے گھونسلے میں جا بیٹھا اور گرمیوں کا سارا زمانہ اس میں گزار دیا۔ کوے مارے مارے پھرنے لگے‘ نہ انہیں آرام ملتا نہ کہیں رہنے کی جگہ۔ جب گرمیاں ختم ہو گئیں تو سانپ اپنی جگہ چلا گیا اور کوا اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ ہم خدا کا شکر بجا لاتے ہیں

کہ اس نے ہمیں بچا لیا اور اس آفت سے نجات دی۔ اگرچہ اس سال ہمارے کھانے پینے کا سامان ضائع ہو گیا لیکن خدا ہماری امیدوں پر پانی نہیں پھیرے گا' ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں صحیح سلامت رکھا' ہمیں سوائے اس کے اور کسی پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے اگر خدا کو منظور ہے اور ہم آئندہ سال تک زندہ رہے تو ہمیں اور بچے عنایت کرے گا۔ پھر بچے نکالنے کا زمانہ آیا تو سانپ اپنی جگہ سے نکل کر پھر درخت پر چڑھا۔ ابھی وہ ایک شاخ میں لٹکا ہی ہوا تھا اور پہلے کی طرح کوے کے گھونسلے میں گھسنا ہی چاہتا تھا کہ ایک چیل اس پر جھپٹی اور اس زور سے اس کے سر پر پنجہ مارا کہ اس کے چیچھڑے اڑ گئے۔ وہ زمین پر گر پڑا اور چیونٹیوں نے آ کر اسے چٹ کر لیا' کوا اور اس کی بیوی سلامتی اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے ان کے بہت سے بچے ہوئے اور انہوں نے اپنی سلامتی اور اولاد پر خدا کا شکریہ ادا کیا۔

اے بادشاہ' ہمیں بھی اس بات پر خدا کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اس نے ناامیدی کے بعد تجھے مبارک بیٹا دے کر تجھ پر اور ہم پر کتنا احسان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو چوتھی رات

نو سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب دوسرا وزیر اپنی تقریر ختم کر چکا تو تیسرا وزیر اٹھا اور کہنے لگا اے منصف بادشاہ جو اس دنیا میں نیکی کرے



گا آخرت میں اس کا پھل پائے گا' خوش ہو کر جسے دنیا والے چاہتے ہیں اسی کو آسمان والے بھی چاہتے ہیں۔ خدا نے تیری محبت کے حصے کرکے تیری رعیت کے دلوں میں رکھ دیئے ہیں ہمیں اور تجھے چاہیے کہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کی حمد بجا لائیں تاکہ وہ اپنی نعمتوں سے تجھے اور تیری وجہ سے ہمیں مالا مال کر دے۔ اے بادشاہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ بغیر خدا کے حکم کے کوئی شخص کچھ نہیں کر سکتا' وہی بخشش کرنے والا ہے اور جو بھلائی کسی کے حصے میں آئی ہے اسی سے ملی ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے بندوں کو نعمتیں دیتا ہے' کسی کو مالا مال کر دیتا ہے اور کسی کو اپنی روٹی کمانے کے لئے مزدوری کرنی پڑتی ہے کسی کو خدا سردار بناتا ہے اور کسی سے دنیا چھڑا کر اپنی طرف راغب کر لیتا ہے' اس کا قول ہے کہ میں ہی نفع اور نقصان پہنچاتا ہوں' میں ہی شفا دیتا' بیمار کرتا' مارتا' جلاتا' امیر اور غریب بناتا ہوں' ساری چیزیں میرے ہی ہاتھ میں ہیں اور وہ لوٹ کر میرے ہی پاس آئیں گی۔ ہر شخص پر فرض ہے کہ خدا کا شکر کرے اور اے بادشاہ! تو سب سے بڑا نیک اور نیک بخت ہے کیونکہ مثل ہے کہ سب سے زیادہ نیک اور نیک بخت وہ شخص ہے جس میں خدا نے دنیا اور آخر دونوں کی نیکیاں جمع کر دی ہوں اور جو خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کرے اور اس کی عطا کردہ حکومت پر شکرگزار ہو اور جو شخص ظلم کرتا ہے فرائض اور حقوق پر کاربند نہیں ہوتا تو اس کی مثال جنگلی گدھے اور لومڑی کی سی ہے بادشاہ نے پوچھا کہ وہ قصہ کیا ہے؟

## ○ جنگلی گدھے اور لومڑی کی کہانی

وزیر نے کہا اے بادشاہ! ایک لومڑی ہر روز اپنے بھٹ سے نکل کر روزی تلاش کرنے جایا کرتی تھی۔ ایک روز جب وہ کسی پہاڑی پر تھی دن ڈھل گیا اس نے لوٹنے کا ارادہ کیا' راہ میں دیکھا کہ ایک اور لومڑی چلی جا رہی ہے۔ دونوں لومڑیاں ایک دوسرے سے اپنے اپنے شکار کی باتیں کرنے لگیں۔ ایک نے کہا کہ کل مجھے ایک وحشی گدھا مل گیا' میں بھوکی تھی تین دن سے کچھ کھایا نہ تھا خوش ہو گئی۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے لئے جنگلی گدھا بھیج دیا اور میں اس کے دل کی طرف بڑھی اور اسے کھا کر خوب سیر ہو گئی۔ اس کے بعد میں اپنے بھٹ میں چلی گئی۔ آج تین روز ہوئے کہ مجھے کھانے کو نہیں ملا ہے مگر میں سیر ہوں۔ دوسری لومڑی اس کی سیری کا حال سن کر حسد کرنے لگی اور اپنے دل میں کہا کہ میں بھی ضرور گدھے کا دل کھا کر چھوڑوں گی۔ اور اس نے کئی دن تک کچھ کھایا نہیں کمزور اور مرنے کے قریب ہو گئی اس کی دوڑ دھوپ جاتی رہی اور اپنے غار سے باہر بھی نہ نکل سکی۔ ایک دن جبکہ وہ اپنے غار میں بیٹھی ہوئی تھی دو شکاری شکار کے لیے ادھر آ نکلے اور ایک گدھے کو دیکھ کر اس کا پیچھا کیا اور دن بھر اس کا پیچھا کرتے رہے۔ بالاخر ایک نے اس پر ایک دوشاخہ تیر چلایا جو گدھے کے بدن میں گھس کر اس کے دل تک پہنچ گیا اور وہ مر کر اسی لومڑی کے غار کے پاس گرا۔ شکاریوں نے اسے ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ مر چکا ہے اور وہ تیر جو اس کے دل میں چبھ گیا تھا کھینچا۔ لکڑی تو باہر نکل آئی لیکن پیکان اندر رہ گیا۔ شام ہوئی تو لومڑی کمزوری اور بھوک سے پریشان اپنے غار سے نکلی دیکھا کہ ایک جنگلی گدھا غار کے منہ پر پڑا ہوا ہے اتنی خوش ہوئی کہ پھولے نہ سمائی اور کہنے لگی کہ شکر ہے خدا کا اس نے بغیر محنت مشقت کے میری خواہش پوری کر دی' میں کیا جانتی تھی کہ مجھے جنگلی گدھا مل جائے گا۔ شاید خدا اسے مار

کر یہاں کھینچ لایا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گدھے کی طرف جھپٹی اور اس کا پیٹ پھاڑ کر اپنا سر اس میں ڈالا اور منہ ادھر ادھر دوڑانے لگی اور جب اسے دل مل گیا تو اسے نگلنا چاہا۔ دل اس کے حلق میں پہنچا تو دو شاخہ پیکاں اس کے گلے کی ہڈی میں چبھ گیا وہ نہ اسے نگل سکتی نہ اگل سکتی۔ لومڑی کو یقین ہوا کہ موت آ گئی اور کہنے لگی سچ ہے کہ کسی مخلوق کو اس سے زیادہ نہ طلب کرنا چاہیے جو خدا نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اگر میں اس پر قناعت کرتی جو خدا نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے تو ہلاک نہ ہوتی۔



لہٰذا اے بادشاہ' انسان کو چاہیے کہ قسمت کے لکھے پر راضی رہے' خدا کا شکر کرے اور اس سے ناامید نہ ہو۔ دیکھ اے بادشاہ' تیری اچھی نیت اور نیک کرداریوں کی وجہ سے خدا نے ناامیدی کے بعد تجھے بیٹا دیا۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے لمبی عمر اور دائمی نیک بختی عطا کرے اور تیری دراز عمر کے بعد اسے تیرا مبارک وارث بنائے جو تیرے راستے پر چلے۔ اس کے بعد چوتھا وزیر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر بادشاہ سمجھ دار اور عقل مندی کی باتوں کو سمجھنے والا ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو پانچ ویں رات



نو سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- چوتھے وزیر نے کہا اگر بادشاہ سمجھ دار ہو اور دانش مند ہو اور حکمرانی' سیاست دانی' نیک نیتی اوررعایا کے ساتھ انصاف پسندی برتتا ہو' معزز لوگوں کی عزت' محترم لوگوں کا احترام کرتاہو اور باوجود قدرت کے عفو کر سکتا ہو' بڑوں اور چھوٹوں کی رعایت اور ان کا بوجھ ہلکا ان کے ساتھ بخشش کرتا ہو' ان کی جانوں کی حفاظت ان کی پردہ پوشی کرتا ہو اور ان کے ساتھ عہد و پیماں پر قائم رہتا ہو' تو وہ دنیاوی اور اخروی نیک بختی کا مستحق ہے۔ یہی چیز اسے رعایا سے محفوظ رکھتی ہے۔ ملک کی برقراری' دشمنوں پر فتح یابی اور مطلب براری کے لئے مددگار ہوتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے خدا کی نعمت اس پر اور بڑھ جاتی ہے اور اس میں خدا کی شکرگزاری کی توفیق پیدا ہو جاتی ہے' اس کی مہربانی سے اسے کامیابی ہوتی ہے۔ لیکن اگر بادشاہ میں یہ باتیں نہیں تو وہ اور اس کا ملک دونوں مصیبتوں اور آفتوں کا شکار رہتے ہیں کیونکہ وہ قریب اور دور والوں دونوں پر ظلم و ستم کرتا ہے اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو ایک بادشاہ کا اس کے درویش بیٹے کے ساتھ ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیسے؟

### ○ ظالم بادشاہ اور اس کے درویش بیٹے کی کہانی

وزیر بولا اے بادشاہ! پچھم کے ملک میں ایک بادشاہ بڑا ظالم' جابر' تند مزاج اور سخت گیر تھا رعایا کے ساتھ بالکل رعایت نہ کرتا۔ جب کوئی شخص اس کے ملک میں داخل ہوتا تو اس کے حکام اس کے مال کے پانچ حصے کرکے چار حصے لے لیتے اور صرف پانچواں

حصہ اس کے لئے چھوڑ دیتے۔ اللہ کی شان کہ اس کا بیٹا باپ کے برعکس بڑا نیک بخت اور سعید تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ دنیا ٹیڑھی چل رہی ہے تو اس نے دنیا ترک کر دی اور بچپن ہی سے درویش بن کرخدا کی عبادت کرنے نکل کھڑا ہوا۔ دنیا سے دست کشی کرکے جنگل بیابانوں کی سیر کرتا اور کبھی کبھی شہروں میں بھی جاتا۔ اتفاق سے ایک بار اسی شہر میں آ پہنچا۔ پہرے داروں نے اسے پکڑ کر اس کا جھاڑا لیا لیکن سوائے دو جوڑے کپڑوں کے اس کے پاس کچھ نہ نکلا' ایک نیا اور ایک پرانا۔ پہلے انہوں نے اسے خوب ذلیل و خوار کیا پھر اس کے نئے کپڑے اتار لئے اور پرانے چھوڑ دیئے۔

وہ فریاد کرنے اور کہنے لگا کہ اے ظالمو' ستیاناس ہو تمہارا! میں ایک فقیر درویش آدمی ہوں ان کپڑوں سے تمہارا کیا فائدہ ہوگا! اگر تم وہ کپڑے واپس نہ کرو گے تو میں بادشاہ کے پاس جا کر تمہاری شکایت کروں گا۔ انہوں نے جوابدیا کہ ہم نے تو بادشاہ ہی کے حکم سے یہ کیا ہے' تیرا جو جی چاہے کر۔ درویش بادشاہ کے محل پر پہنچا لیکن دربانوں نے اسے اندر جانے سے روکا وہ لوٹ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب سوائے اس کے چارا نہیں کہ میں یہیں اس کا انتظار کروں اور جب وہ نکلے تو اس سے شکایت کروں کہ میری کیا گت بنائی گئی۔ وہ بادشاہ کے نکلنے کا انتظار ہی کر رہا تھا کہ اس نے لشکری کو کہتے سنا کہ وہ آ رہا ہے۔ درویش آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ یکایک بادشاہ نکل آیا' درویش نے اس کے سامنے آ کر اس کی کامیابی کی دعا دی اور وہ ماجرا بیان کیا جو اسے پہرے دار کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ان کی شکایت کی اور کہا کہ میں اللہ والے لوگوں میں سے ہوں دنیا ترک کر کے خدا کی خوشنودی ڈھونڈ رہا ہوں' درویشی اختیار کر لی ہے' جن لوگوں کے پاس میں جاتا ہوں وہ حتی الامکان میرے ساتھ بھلائی کرتے ہیں اور اسی حالت میں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں جاتاہوں۔

اس کے بعد درویش نے کہا کہ جب میں اس شہر میں آیا تو مجھے خیال تھا کہ یہاں کے لوگ بھی میرے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو درویشوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن

تیرے ملازموں نے مجھے روک کر میرا لباس اتار لیا اور خوب مارا دیکھ میری حالت میری مدد کر، میرے کپڑے دلوا دے اور میں فوراً اس شہر سے چلا جاؤں گا۔ ظالم بادشاہ نے جواب دیا کہ تجھے کس نے اس شہر میں آنے کو کہا تھا کیا تو نہیں جانتا کہ یہاں کا بادشاہ کیا کرتا ہے؟ درویش نے کہا میرے کپڑے دے دے پھر جو جی چاہے کیجئو۔ درویش کی یہ باتیں سن کر بادشاہ کا مزاج برہم ہو گیا وہ کہنے لگا اے جاہل، ہم نے تجھے ذلیل کرنے کے لیے تیرے کپڑے اتار لئے ہیں اور اب چونکہ تو شور مچا رہا ہے ہم تیری جان نکال لیں گے۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اسے قید خانے بھجوا دیا۔ جب وہ قید خانے پہنچا تو اپنے جواب پر پچھتانے لگا اور اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگا کہ آخر میں کپڑوں کو چھوڑ کر بھاگ کیوں نہ گیا۔ جب آدھی رات ہوئی تو اس نے اٹھ کر بہت دیر تک نماز پڑھی اور کہنے لگا کہ خداوندا تو ہی انصاف کرنیوالا اور میرا حال جاننے والا ہے کہ مجھے اس جابر بادشاہ کے ساتھ کیا پیش آیا، میں تیرا مظلوم بندہ ہوں اور تیرے آگے دعا مانگتا ہوں کہ میرے حال پر رحم کر مجھے اس ظالم بادشاہ کے پنجے سے چھڑا اور اس پر اپنا عذاب اتار کیونکہ تو کسی ظالم کے ظلم سے بے خبر نہیں ہے۔ اگر تو سمجھتا ہے کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا تو آج ہی رات اس پر اپنا عذاب نازل کر، تیرا حکم انصاف ہے اور تو ہر مظلوم کا مددگار ہے، تیری قدرت اور بڑائی آخر تک قائم رہے گی۔ جب قید خانے کے داروغہ نے اس مسکین کی دعا سنی تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ اتنے میں بادشاہ کے محل سے ایک شعلہ نکلا اور وہاں سے لے کر قید خانے تک ہر جگہ آگ لگ گئی سوائے داروغہ اور درویش کے کوئی نہ بچا۔ درویش آزاد ہو گیا وہ اور داروغہ وہاں سے چل دیئے اور چلتے چلتے ایک دوسرے شہر میں پہنچے، ادھر ظالم بادشاہ کا شہر ایک سرے سے دوسرے سرے تک راکھ ہو گیا۔

اے نیک بخت بادشاہ! ہم تو دن رات تیرے لئے دعا مانگتے اور خدا کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس نے تجھے پیدا کیا اور تیرے انصاف اور خوش خلقی سے ہمیں اطمینان ہے۔ اس

بات کا بڑا غم تھا کہ تیرے کوئی اولاد نہ تھی جو تیرے بعد بادشاہت کرے اور ڈر تھا کہ کہیں تیرے بعد کوئی دوسرا بادشاہ نہ بن بیٹھے لیکن اب اس نیک بخت لڑکے کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا نے ہم پر کرم کیا ہمارا غم دور کرکے ہمیں دل شاد کر دیا۔



ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے خلیفہ بنائے ایسی عزت اور سعادت دے جو ہمیشہ باقی رہے۔

اب پانچواں وزیر اٹھا اور کہنے لگا کہ مبارک ہے بزرگ خدا-------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو چھٹی رات

نو سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- پانچویں وزیر نے کہا کہ مبارک ہے بزرگ خدا جو عمدہ بخششیں کرتا اور نفیس انعامات دیتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ ہمیں تحقیق کیساتھ معلوم ہے' خدا اسی کے ساتھ انعام و اکرام کرتا ہے جو اس کا شکریہ بجا لاتا اور اس کے دین پر قائم رہتا ہے اور اے نیک بخت بادشاہ! تجھ میں یہ تمام خصلتیں پائی جاتی ہیں علاوہ ازیں رعایا کے ساتھ ایسا عدل و انصاف بھی جس سے خدا راضی ہو۔ اسی وجہ سے خدا نے تیرا رتبہ بڑھایا۔ تیری زندگی کو مبارک بنایا اور ناامیدی کے بعد تجھے یہ نیک تحفہ دیا ہے جو تیرا نیک بخت بیٹا ہے جس کے سبب سے ہمیں دائمی خوشی اور سرور حاصل ہوا ہے جو کبھی جا نہیں سکتا۔ اب تک تیرے بیٹا نہ ہونے سے ہمیں بہت رنج و غم تھا تیرا عدل اور تیری محبت جوہمارے ساتھ ہے۔ ہم سوچ میں پڑے ہوئے تھے اور ہمیں ڈرتھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری زندگی ختم ہو جائے اور تیرا والی وارث کوئی نہ ہو ہماری رائیں مختلف ہو جائیں' ہم میں پھوٹ پڑ جائے اور ہماری وہی حالت ہو جائے جو کوے کی ہوئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کوے کا کیا قصہ ہے؟

وزیر نے عرض کیا اے نیک نہاد بادشاہ ------- کسی جنگل میں ایک بہت بڑی گھاٹی تھی جہاں بہت سے چشمے' درخت' میوے تھے اور چڑیاں زبردست خدا کی تسبیح کرتی تھیں جس نے دن اور رات پیدا کئے ہیں۔ منجملہ اور چڑیوں کے وہاں کوے بھی تھے جو بڑے عیش وآرام سے رہتے۔ ان کا سردار اور حاکم ایک کوا تھا جوان پر بڑا مہربان اور شفیق تھا' جس کے ساتھ وہ امن و امان سے بسر کرتے اور اپنے درمیان اتنا اچھا انتظام رکھتے کہ چڑیوں کی ان کے خلاف کچھ نہ چلتی۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ ان کے سردار کو موت

آ گئی جو ہر مخلوق کے لئے مقدر ہے۔ انہیں بہت رنج و افسوس ہوا لیکن سب سے زیادہ رنج اس بات کا تھا کہ کوئی ایسا نہیں جواس کا جانشین ہو سکے سب نے مل کر مشورہ کیا کہ کون ایسا نیک ہے جو ان کا سردار بنے۔ بعض نے ایک کوے کو تجویز کیا اور کہا کہ بس یہی ہمارا بادشاہ ہونے کے قابل ہے لیکن دوسرے ان سے متفق نہ ہوئے اور اس کوے کو پسند نہ کیا۔ اس پر ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی جھگڑا ہونے لگا اور بڑا فتنہ و فساد ہوا۔ بالاخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ رات بھر آرام کریں جب صبح ہو تو کوئی روزی کی فکر میں نہ جائے جب تک دن نہ نکل آئے اور پو پھٹتے ہی ایک جگہ جمع ہوں اور دیکھیں کہ کون سا پرندہ سب سے تیز اڑتا ہے جو سب سے تیز اڑے وہی خدا کی طرف سے ہمارے اوپر مامور سمجھا جائے گا ہم اسے بادشاہ بنا لیں گے اور اپنی حکومت اس کے سپرد کریں گے۔ اس پر سب رضامند ہوگئے اور اس شرط پر اتفاق ہو گیا۔ اتنے میں ایک شکرا آتا دکھائی دیا انہوں نے اس سے کہا اے نیک بخت' ہم تجھے اپنا سردار مقرر کرتے ہیں تا کہ تو ہمارا انتظام کر۔ شکرا راضی ہو گیا اور کہنے لگا خدا نے چاہا تو تمہیں مجھ سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ اس کے سردار بننے کے بعد یہ دستور ہو گیا کہ جب کوے اپنی روزی ڈھونڈنے نکلتے تو وہ ان میں سے ایک کے ساتھ ہو جاتا اور اسے مار کر اس کا بھیجا اور دونوں آنکھیں کھا جاتا باقی حصہ پھینک دیتا وہ برابر یوں ہی کرتا رہا یہاں تک کہ کوے تاڑ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی بڑی تعداد ہلاک ہو چکی ہے اور باقی بھی یقیناً ہلاک ہو جائیں گے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ ہم میں بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں اور ہمیں اس کا احساس اس وقت ہواجب ہمارے بڑے ہلاک ہونے لگے۔ اب ہمیں چاہیے کہ اپنی جان کی خیر منائیں' چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ہمیں بھی اب تک یہی ڈر تھا کہ ہماری بھی کہیں یہی گت نہ بنے اور کوئی غیر ہم پر بادشاہت نہ کرے لیکن خدا نے اپنی عنایت سے یہ شہزادہ ہمیں عطا کیا جو تیرا ہی گوشت و پوست ہے اور اب ہمیں یقین ہے کہ ہم اطمینان اور اتفاق سے رہیں گے۔

ہمارے وطن میں امن و امان اور سلامتی رہے گی مبارک ہے برتر وبزرگ خدا اور وہی حمد' شکر اور اچھی ثنا کا حقدار ہے۔ خدا برکت دے ہم کو جو اس کی رعیت ہیں اور ہمیں اور اسے نیک بختی عطا کرے! اس کے بعد چھٹا وزیر اٹھا اور کہنے لگا اے بادشاہ! خدا تجھے دنیا اور آخرت دونوں میں نیک بخت رکھے! بزرگوں کا یہ پہلے ہی سے مقولہ ہے کہ جو نماز پڑھتا' روزہ رکھتا' ماں باپ کا حق ادا کرتا اور انصاف سے احکام جاری کرتا ہے تو جب وہ خدا سے ملے گا اسے راضی پائے گا۔ جب سے تو ہمارا حکمران بنا ہے ہمارے ساتھ انصاف کرتا ہے تیرا کام مبارک ہے اس لئے ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے بہترین ثواب اور تیرے احسانوں کا بدلہ دے۔ تو نے ابھی سن لیا ہے کہ اس عالم وزیر نے کیا کہا' اگر بادشاہ مر جائے یا کوئی دوسرا بادشاہ حکومت کرنے لگے جو اس جیسا نہ ہو تو ہمیں کتنی مایوسی ہو گی' اس کے بعد ہم میں کتنا اختلاف بڑھے گا اور اس اختلاف کی وجہ سے کیا آفت آئے گی' اس لئے ہم نے خدا سے دعا کی کہ وہ بادشاہ کو ایک نیک بخت بیٹا عطا کرے جو اس کے بعد ملک کا والی وارث بنے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان جس دنیاوی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کا نتیجہ اسے معلوم نہیں ہوتا' اس وجہ سے انسان اپنے پروردگار سے کوئی ایسی چیز نہ مانگے جس کے نتیجے میں وہ بے خبر ہو کیونکہ ایسی حالت میں اس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہوتا ہے اس کی مطلوبہ چیز میں اس کی تباہی پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو سپیرے اس کے بیوی بچوں اور گھر والوں کا ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو ساتویں رات

نو سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- وزیر نے کہا کہ اس کا وہی حشر ہو گا جو سپیرے‘ اس کی بیوی بچوں اور گھر والوں کا ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ سپیرے‘ اس کے بیوی بچوں اور گھر والوں کا کیا قصہ ہے؟



- ### سپیرے اور اس کے بیوی بچوں کی کہانی

وزیر نے کہا اے بادشاہ! ------- ایک سپیرا تھا جو سانپ پکڑتا‘ انہیں پالتا اور انہی کے ذریعے سے اپنی روزی پیدا کرتا۔ اس کے پاس ایک بڑا پٹارا تھا جس میں تین سانپ تھے لیکن گھر والوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ وہ ہر روز اس پٹارے کو لے کر شہر کا چکر لگاتا لوگوں کو سانپوں کا تماشا دکھاتا اور اپنے بال بچوں کے لئے روٹی کماتا‘ شام کے وقت گھر لوٹتا اور پٹارے کو ایک طرف رکھ دیتا اور دوسرے دن صبح کو پھر اسے لے کر شہر میں نکل جاتا۔ یہی اس کا دستور تھا گھر والے بالکل بے خبر تھے کہ پٹارے میں کیا ہے۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ جب سپیرا عادت کے موافق گھر لوٹ آیا تو اس کی بیوی نے پوچھا اس پٹارے میں کیا ہے؟ سپیرا بولا اس سے تیرا کیا مطلب ہے؟ کیا تیرے پاس کافی بلکہ اس سے بھی زیادہ کھانے کو نہیں ہے! جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس پر قناعت کر اور ادھر ادھر کی باتیں نہ پوچھ۔ عورت یہ سن کر چپ تو ہو گئی لیکن اپنے دل میں کہنے لگی کہ میں ضرور اس بات کا پتا لگا کر رہوں گی کہ اس پٹارے میں کیا ہے۔ اس پر وہ تل گئی اپنے بچوں کو بھی لگا دیا وہ اپنے باپ سے پوچھیں کہ اس پٹارے میں کیا ہے اور ضد کریں تا کہ وہ انہیں بتا دے۔ بچوں کو گمان ہوا کہ اس میں ضرور کوئی کھانے کی چیز ہو گی وہ روز باپ کے پیچھے پڑ جاتے کہ دکھا

پٹارے میں کیا ہے۔ باپ ان کو ٹال دیتا۔ پھسلاتا اور کہتا کہ یہ بات نہ پوچھو۔ ایک مدت تک یہی پوچھ گچھ ہوتی رہی اور ان کی ماں برابر انہیں اکساتی رہی یہاں تک کہ ماں بیٹوں نے یہ صلاح کی کہ جب تک باپ پٹارا کھول کر انہیں دکھا نہ دے اس وقت تک وہ نہ اس کا کھانا کھائیں گے نہ پانی پئیں گے۔ ایک رات وہ یہی سوچ رہے تھے کہ سپیرا بہت سا کھانا پینا لے کر آیا اور انہیں بلایا کہ آؤ ساتھ مل کر کھائیں' لیکن انہوں نے آنے سے انکار کر دیا اور خفگی کا اظہار کیا' باپ انہیں میٹھی میٹھی باتیں کرکے پھسلاتا اور کہتا کہ تم کیا چاہتے ہو' کھانا پینا یا کپڑے! انہوں نے کہا ابا' ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتے کہ تم اس پٹارے کو کھول دو ہم بھی تو دیکھیں کہ اس میں کیا ہے۔ اس نے کہا بیٹو! اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ الٹا نقصان پہنچے گا۔ یہ سن کر وہ اور زیادہ ضد کرنے لگے باپ نے انہیں بہتیرا ڈانٹا ڈپٹا' مارنے کی دھمکی بھی دی مگر وہ نہ مانے برابر اپنی ضد پر اڑے رہے۔ آخر سپیرے کو طیش آگیا اور ڈنڈا لے کر انہیں مارنے دوڑا وہ اس کے پاس سے مکان کے اندر بھاگے۔ اس وقت پٹارا وہیں رکھا ہوا تھا سپیرے نے اسے چھپایا نہ تھا۔ بیوی نے یہ دیکھ کر کہ اس کا شوہر لڑکوں کے ساتھ مشغول ہے جلدی سے پٹارا کھول دیا کہ دیکھے اس کے اندر کیا ہے۔ پٹارے کا کھلنا تھا کہ سانپ باہر نکل آئے سب سے پہلے عورت کو ڈسا وہ مر گئی۔ پھر وہ مکان کے اندر دوڑنے لگے' سوائے سپیرے کے سب چھوٹوں بڑوں کو مار ڈالا۔ سپیرا گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔

اے نیک بخت بادشاہ' اگر تو غور کرے تو تجھے معلوم ہو جائیگا کہ انسان کو خدا کی مرضی کے خلاف کوئی تمنا نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کی قدرت اور ارادے پر پورا بھروسہ کرنا چاہیے' دیکھ اے بادشاہ! تیری نیکیوں کی افراط اور سمجھ کی خوبیوں کی وجہ سے خدا نے ناامیدی کے بعد تجھے بیٹا دے کر تیری آنکھیں ٹھنڈی اور تیرا دل خوش کردیا ہے اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے ایسا عادل بادشاہ بنائے جس سے خدا راضی اور رعیت خوش ہو۔ اب ساتواں وزیر اٹھا اور کہنے لگا اے بادشاہ! میں نے ان باتوں پر

خوب غور و خوض کیا ہے جو میرے بھائیوں! ان عالم اور حکیم وزیروں نے کی ہیں اور جو کچھ تیرے عدل ' خوش اخلاق او دوسرے بادشاہوں پر تیری فضیلت کا ذکر کیا ہے ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم تیری ان باتوں کا ذکر کیا کریں' میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے اپنی نعمتوں سے تجھے مالا مال کر دیا اپنی رحمت سے تجھ میں ملک کی بہبودی کا احساس پیدا کیا تجھے اور ہمیں اس بات کی توفیق دی کہ ہم اس کا بہت بہت شکر کریں' یہ سب باتیں محض تیری ذات کی وجہ سے ہیں۔ جب تک تو ہمارے درمیان میں ہے ہمیں کسی ظلم و جور کا اندیشہ نہیں اور باوجود ہماری کمزوری کے کوئی ہم پر دست درازی نہیں کرسکتا۔ مثل ہے کہ بہترین رعایا وہ ہے جس کا بادشاہ منصف مزاج ہو اور بد ترین وہ جس کا بادشاہ ظالم ہو۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تجھ سا بادشاہ ہمیں عنایت کیا اور ناامیدی اور بڑھاپے کے بعد یہ نیک بخت بیٹا تجھے دیا' خدا کی بہترین بخشش نیک اولاد ہے۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ جس کے بیٹا نہیں اس کے لئے نہ تو آرام ہے نہ اس کا نام چلے گا۔ تجھے اپنے ٹھیک عدل اور خدا کے ساتھ نیک نیتی کے بدلے یہ نیک بیٹا ملا ہے۔ تیری ہی خوش خلقی اور صبر کے بدلے خدا نے اپنے احسان سے تجھے اور ہمیں یہ مبارک شہزادہ عطا کیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ مکڑی اور آندھی کی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مکڑی اور آندھی کا کیا قصہ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## نو سو آٹھویں رات

نو سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہ مکڑی اور آندھی کی کیا کہانی ہے؟



### مکڑی اور آندھی کی کہانی

وزیر نے کہا اے بادشاہ! ایک مکڑی نے کسی اونچے دروازے پر چڑھ کر ایک جالا تنا تھا اس میں آرام سے زندگی بسر کرتی اور خدا کی شکر گزار رہتی کہ اسے یہ گھر میسر ہوا اور خوف سے پناہ ملی۔ وہ اسی طرح بہت دنوں تک رہتی اور خدا کا شکر بجا لاتی رہی کہ اس نے اسے راحت دی اور اس کو روزی پہنچاتا رہا۔ خدا نے ایک بار اس کا امتحان لینا چاہاکہ اسے وہاں سے نکال کر دیکھے کہ وہ کہاں تک شکر اور صبر کرتی ہے۔ ایک روز آندھی بھیجی جس نے اسے مع جالے کے اڑا کر سمندر میں پھینک دیا۔ موجیں اسے خشکی کی طرف بہا لے گئیں' لیکن اس نے اپنی سلامتی پر خدا کا شکر کیا اور آندھی سے ناراض ہو کر کہا اے آندھی تو نے میرے ساتھ یہ کیا کیا اور تجھے اس سے کیا فائدہ ملا کہ تو مجھے میرے گھر سے یہاں لے آئی حالانکہ میں دروازے کے اوپر اپنے گھر میں بڑے امن و امان سے رہتی تھی؟ آندھی نے جواب دیا ناراض نہ ہو میں تجھے اسی جگہ پہنچا دوں گی جہاں تو پہلے تھی۔ مکڑی صبر کے ساتھ انتظار کرتی رہی کہ آندھی اسے اس کے گھر پہنچا دے یہاں تک کہ اتر کی ہوا چلی لیکن وہ اسے واپس نہ لے گئی' پھر دکھن کی ہوا آئی اور مکڑی کو لے کر اسی گھر کی طرف چلی۔ مکڑی اس جگہ پہنچی تو اس نے اسے پہچان لیا اور بہت خوشی ہوئی۔

ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے بادشاہ کی تنہائی اور صبر کا نیک بدلہ دیا' ناامیدی

اور بڑھاپے کے باوجود اسے یہ لڑکا عطا کیا اور اسے دنیا سے اٹھانے سے پہلے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اسے اتنی بڑی حکومت اور سلطنت بخشی' اس کی رعیت پر رحم فرما کر انہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کردیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تعریف ہے خدا کے لئے ہر تعریف سے برتر اور شکر ہے اس کا ہر شکر سے بالاتر' نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے' وہی ہے پیدا کرنیوالا ہر چیز کا' اس کی بڑی عظمت کا پتا ہمیں اس کی نشانیوں کے نور سے چلتا ہے' وہ اپنے ملک میں جس بندے کو چاہتا ہے حکومت اور سلطنت دیتا ہے اسے اپنی مخلوقات پر نائب اورامین بنانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کرے اور اس کی شریعتیں اور سنتیں قائم رکھے اور حق بات پر عمل کرے اور جس طرح خدا اور رعایا کو پسند ہو ان کے کاموں کو انجام دے جو کوئی اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ بھی دنیا کے خطرے اس کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا اور آخرت میں اسے بہت عمدہ بدلہ دیتا ہے۔ وہ نیکو کاروں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ مگر جو کوئی خدا کے حکم کے خلاف کام' گناہ اور اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے آخرت میں پکڑا جاتا ہے۔ خدا ظالموں اور فسادیوں کی رسی ڈھیلی نہیں چھوڑتا نہ کسی نیک بندے کے اجر کو ضائع کرتا ہے۔ ہمارے ان وزیروں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ہمارے عدل اور نیک برتاؤ سے جو ہم ان کے ساتھ کرتے رہے ہیں خدا نے ہم پر اور ان پر یہ مہربانی کی کہ ہمیں ایسے شکر ادا کرنے کی توفیق ہوئی جس سے ہم اور زیادہ انعام و اکرام کے مستحق ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے وہ باتیں کیں جو خدا نے اس کے دل میں ڈالیں۔ انہوں نے خدا کی نعمتوں اور عنایتوں پر اس کا انتہائی شکریہ ادا کیا اور اس کی تعریف کی۔ میں بھی خدا کا شکرگزار ہوں کیونکہ میں اسی کا مامور بندہ ہوں اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے' میری زبان اس کی فرمانبردار اور اس کے حکم کی تابع ہے اور وہی کرتی ہے جو اس کی مرضی میرے اور ان کے متعلق ہے خواہ دنیا ادھر سے ادھر کیوں نہ ہو جائے علاوہ

بریں انہوں نے وہ بھی بیان کیا جو اس کے بارے میں ان کے دل میں آیا اور یہ بھی کہا کہ میرے اس عمر پر پہنچنے کے بعد جبکہ ناامیدی اور یقین کی کمزوری غالب آ جاتی ہے خدا نے مجھ پر نئے سرے سے مہربانی کی۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں مایوسی اور رات اور دن کی طرح حاکموں کے بدلے سے محفوظ رکھا' واقعی یہ مجھ پر اور ان پر خدا کی بڑی عنایت ہے شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں یہ بیٹا دیا جو فرمانبردار اور مطیع ہے اور خدا نے اسے بادشاہت کا وارث بنا کر بلند مرتبہ عنایت فرمایا۔ ہم خدا کی مہربانی سے امیدوار ہیں کہ وہ اس کے ہر کام کو مبارک کرے اور اسے بھلائی کی توفیق دے تا کہ وہ ایسا بادشاہ اور حکمران ہو جو رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرے جس کی عنایت نوازش اور کرم سے وہ آفتوں کی ہلاکت سے بچیں۔

بادشاہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو علماء اور حکماء نے اٹھ کر خدا کے آگے سجدہ کیا بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ہاتھ چوم کر رخصت ہوگئے اس کے بعد بادشاہ محل کے اندر گیا اور لڑکے کو دیکھ کر اس کے لئے دعا کی اس کا نام ورد خان رکھا۔ جب وہ بارہویں سال میں لگا تو بادشاہ کو اس کی تعلیم کا خیال ہوا اس نے اس کے لئے شہر کے بیچوں بیچ ایک محل بنوایا جس میں تین سو ساٹھ کمرے تھے اور لڑکے کو وہاں رکھا اس کے لئے حکمت داں عالموں میں سے تین استاد مقرر کئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ دن رات اس کی تعلیم میں لگے رہیں ہر روز اس کے ساتھ ایک نئے کمرے میں بیٹھیں اور کوئی ایسا علم نہ ہو جو وہ اسے نہ سکھائیں تا کہ وہ ہر فن میں طاق ہو جائے' اور جو علم اسے جس کمرے میں پڑھائیں اسے کمرے کے دروازے پر لکھ دیں اور ہر ہفتے وہ جتنا سیکھتا جائے اس سے بادشاہ کو مطلع کرتے رہیں۔ اب علماء لڑکے کی تعلیم میں مشغول ہو گئے دن رات اسے پڑھاتے رہے اور کسی علم میں جو انہیں آتا تھا کوتاہی نہیں کی۔ لڑکے نے بھی ذہانت اور تیز فہمی کا ایسا ثبوت دیا جو اس سے پہلے کسی نے نہ دیا ہو گا استاد ہر ہفتے بادشاہ کو اطلاع دیتے رہے کہ لڑکے نے کیا کیا پڑھا اور اسے پکا کر لیا ہے۔

عالموں کا قول تھا کہ ہم نے ایسا ذکی و فہیم لڑکا کبھی نہیں دیکھا انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ خدا تجھے اس میں برکت دے اور اس کی زندگی سے تجھے فائدہ ملے۔



جب لڑکے کی عمر اٹھارہ سال کی ہو چکی تو ہر علم کا بہترین حصہ اسے برزبان یاد تھا۔

وہ اپنے زمانے کے تمام علماء و حکماء سے بازی لے گیا تو اس کے استادوں نے بادشاہ کے پاس آ کر کہا اے بادشاہ' خدا نے اس بلند اقبال لڑکے کی وجہ سے تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دی ہیں اور ہم اسے اس وقت تیرے پاس لائے ہیں جب وہ تمام علم اس حد تک سیکھ چکا ہے کہ دنیا بھر کے علماء اور حکماء میں سے کسی کو اس کے برابر استطاعت نہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا' خدا کا شکر ادا کیا اس کے سامنے سجدے میں گرگیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا اس کی بے شمار نعمتوں پر۔ اس کے بعد اس نے وزیر شماس کو بلوایا اور اس سے کہا اے شماس' علماء نے میرے پاس آ کر بیان کیا ہے کہ میرا بیٹا سارے علوم سیکھ چکا ہے اور کوئی علم باقی نہیں جو انہوں نے اسے نہ سکھایا ہو یہاں تک کہ وہ تمام لوگوں سے بازی لے گیا ہے۔ اے شماس' تو کیا کہتا ہے؟ شماس نے یہ سن کر خدا کے آگے سجدہ کیا بادشاہ کا ہاتھ چوما اور کہا کہ یاقوت ہمیشہ چراغ کی طرح چمکتا ہے خواہ وہ سخت سے سخت پہاڑ کے اندر کیوں نہ ہو' اور یہ تیرا بیٹا تو ہیرا ہے' پھر اس کی کم سنی اسے دانش مند ہونے سے کیونکر روک سکتی ہے! شکر ہے خدا کا کہ اس نے اسے اتنا کچھ عطا کیا' کل میں خاص خاص علماء اور امرا کو اکٹھا کرکے اس کے علم کا امتحان لوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو نویں رات

نو سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب بادشاہ جلی عاد نے شماس کی باتیں سنیں تو اس نے حکم دیا کہ مشہور علماء' ذہین فضلا اور ماہر حکماء کل شاہی محل میں حاضر ہوں۔ علماء و فضلا بادشاہ کی ڈیوڑھی پر اکٹھے ہو گئے تو اس نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ اس کے بعد شماس وزیر حاضر ہوا اس نے شہزادے کے ہاتھ چومے' شہزادے نے اٹھ کر شماس کے آگے سجدہ کیا۔ شماس نے کہا شیر کے بچے پر واجب نہیں کہ وہ کسی اور جانور کے آگے سر جھکائے نہ روشنی کو اندھیرے کے قریب پھٹکنے کی ضرورت ہے۔ لڑکے نے کہا شیر کے بچے نے جب بادشاہ کے وزیر کو دیکھا تو اس کے آگے جھکنا پڑا۔ شماس نے کہا اچھا بتاؤ کہ "دائم مطلق" خدا ہے کیونکہ وہ اول ہے بلا ابتدا کے اور آخر ہے بلا انتہا کے۔ اس کے دونوں "کون" دنیا اور آخرت ہیں "کونین" میں سے دائم آخرت کی نعمتیں ہیں۔ شماس بولا تو نے ٹھیک کہا میں نے تیرا جواب مان لیا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تو یہ بتائے کہ تجھے کیوں کر معلوم ہوا کہ "کونین" میں سے ایک دنیا ہے اور دوسری آخرت؟ لڑکے نے کہا اس لئے کہ دنیا مخلوق ہے اور نیست سے ہست ہوئی ہے لہٰذا وہ پہلی "کون" ہے لیکن وہ عرض ہے جوہر نہیں اور جلد زائل ہونے والی ہے' اس میں جو عمل کیا جائے وہ سزا اور جزا کا مستحق ہے۔ اسی لئے اس فانی چیز کے اعادے کی ضرورت ہے اور وہ اعادہ آخرت ہے۔ شماس بولا تو نے ٹھیک کہا تیری بات میں نے مان لی لیکن میں یہ پوچھنا چاہتاہوں کہ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ "کونین" میں سے دائم آخرت کی نعمتیں ہیں؟ لڑکے نے جواب دیا میں نے اس طرح جانا کہ یہ دنیا جسے اس ذات نے پیدا کیا جو باقی اور لازوال ہے اعمال کا گھر ہے جن پر جزا و سزا ملتی ہے۔ شماس نے کہا کس دنیا والے کے اعمال تعریف کے قابل ہیں؟ لڑکے نے کہا اس کے جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔

دنیا ختم ہونے والی ہے' وہ اسی لئے بنائی گئی ہے کہ فنا ہو جائے اور فنا کے بعد محاسبہ کیا جائے گا اور اگر اس دنیا میں کوئی ایسا بھی ہوتا جو ہمیشہ رہتا تو وہ بھی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا۔



اب شماس نے کہا اچھا بتا آخرت بے دنیا کے بھی درست ہو سکتی ہے؟ لڑکا بولا جس کی دنیا نہیں آخرت بھی نہیں' دنیا والوں اور آخرت کی مثال جس کی طرف وہ جانے والے ہیں ایسی ہے جیسے ایک جاگیر کے مزدور جن کے لئے ایک امیر نے ایک تنگ مکان بنا کر انہیں اس میں رکھا ہو ان کا کام تقسیم کر دیا ہو اور اس کی میعاد مقرر کر دی ہو ان پر ایک پاسبان مقرر کر دیا ہو' جو مزدور اپنا کام پورا کرتا جائے پاسبان اسے اس تنگ مکان سے نکالتا جائے اور جو مزدور اپنا کام پورا نہ کرے اور میعاد ختم ہو جائے تو پاسبان اسے سزا دے۔ وہ ایسی حالت میں تھے اس عذاب پر بھی جس کی طرف وہ عنقریب جانے والے تھے اس تھوڑی سی مٹھاس پر ریجھ گئے مگر جس جس کی میعاد پوری ہوتی جاتی پاسبان اسے نکالتا جاتا۔ اس سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ دنیا ایسا گھر ہے جہاں آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں جہاں کے رہنے والوں کے لئے موت لا بدی ہے جو کوئی دنیا میں تھوڑی سی مٹھاس پا کر اسی کا ہو رہتا ہے وہ برابر ہو جائے گا کیونکہ وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے' لیکن جس شخص نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی اور تھوڑی سی مٹھاس کو بالکل منہ نہ لگایا وہی کامیاب ہوا۔ شماس بولا جو کچھ تو نے دنیا اور آخرت کے بارے میں کہا میں نے سن لیا اور اسے مان لیا' مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں انسان پر مسلط ہیں اس لئے اسے ان دونوں کو راضی رکھنا ہے' لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں' اگر بندہ روزی کمانے میں لگ گیا تو آخرت میں بھی اس کی روح ٹوٹے میں رہے گی اور اگر وہ آخرت کی دھن میں لگا رہا تو اس کا جسم نقصان اٹھائے گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ دو مخالف کو ایک ساتھ خوش کر سکے۔ لڑکے نے کہا جسے دنیا کی روزی میسر ہوئی آخرت حاصل کرنے کی قوت اس میں زیادہ ہو گئی۔ دنیا اور آخرت

کا معاملہ ایسا ہے جیسے دو بادشاہ' ایک منصف مزاج اور دوسرا ظالم۔

## ○ منصف مزاج اور ظالم بادشاہ کی کہانی

کسی زمانے میں دو بادشاہ تھے ایک عادل اور دوسرا ظالم۔ ظالم بادشاہ کا ملک سر سبز تھا اس میں بہت سے درخت اور میوے تھے۔ یہ بادشاہ ہر تاجر کا مال اور تجارتی سامان ضبط کر لیا کرتا تھا اور وہ اس پر صبر کرتے تھے کیونکہ ملک اتنا زرخیز تھا کہ انہیں کھانے پینے کے لئے کافی مل جاتا۔ ایک بار عادل بادشاہ نے اپنے ملک کے ایک شخص کو بہت سا مال و دولت دے کر ظالم بادشاہ کے ملک کو بھیجا تا کہ وہ وہاں سے جواہرات خرید کر لائے۔ یہ شخص مال لے کر اس ملک میں پہنچا' بادشاہ کو خبر ملی کہ اس کے ملک میں ایک تاجر بہت سا مال لے کر جواہرات خریدنے آیا ہے بادشاہ نے کسی شخص کو بھیج کر اسے بلوایا اور اسے پوچھا کہ تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کون تجھے یہاں لایا ہے اور تو کس ضرورت سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں فلاں ملک سے آیا ہوں' وہاں کے بادشاہ نے مجھے بہت مال و دولت دے کر یہاں سے جواہرات مول لینے بھیجا ہے اور میں اس کا حکم بجا لانے آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا ستیاناس ہو تیرا! تجھے معلوم نہیں کہ میں اپنی رعایا کے ساتھ کیا کرتا ہوں؟ میں ہر روز ان کامال ضبط کر لیتا ہوں' پھر تجھے کیا ہوا کہ اپنا مال لے کر تو میرے ملک آیا اور اتنی مدت سے یہاں ٹھہرا ہوا ہے؟ تاجر نے جواب دیا مال میرا نہیں بلکہ وہ میرے پاس بہ طور امانت کے ہے تاکہ میں اسے اس کے مالک کے پاس پہنچا دوں۔ بادشاہ نے کہا جب تک تو اپنی جان کے فدیئے میں سارا مال مجھے نہ دے دے میں تجھے اپنے ملک سے روزی نہ حاصل کرنے دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

 

ملی تھی۔

○○○

- نو سو دسویں رات



نو سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ظالم بادشاہ نے تاجر سے کہا کہ یا تو تو تمام مال دے کر اپنی جان بچا لے یا جان دے دے۔ وہ شخص اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں دو بادشاہوں کے بیچ میں برا پھنسا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس بادشاہ کا ظلم عام ہے اور ان سب پر ہوتا ہے جو اس کے ملک میں رہتے ہیں۔ اگر میں نے اس کی شرط منظور نہ کی تو میں مارا جاؤں گا میرا مال بھی ضائع ہو جائے گا اور مطلب بھی پورا نہ ہو گا اور اگر میں نے اسے سارا مال دے دیا تو پھر وہ دوسرا بادشاہ مجھے مار ڈالے گا جس کا مال ہے۔ اب سوائے اس کے کوئی تدبیر نظر نہیں آتی کہ میں یہ مال دے کر کم از کم اس بادشاہ سے جان چھڑا لوں اور اس زرخیز ملک سے اپنی روزی حاصل کرتا رہوں جب تک کہ میں جواہرات نہ خرید لوں۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ میں مال دے کر اس بادشاہ کو بھی راضی کر لوں گا اس کے ملک سے روزی بھی کماتا رہوں گا اور مال والے کی حاجت پوری کرکے اس کے پاس جا بھی سکوں گا کیونکہ جو کچھ تھوڑا بہت یہ بادشاہ لے لے گا اس پر وہ بادشاہ سزا نہیں دے گا۔ جتنا کہ وہ اپنے عدل کی وجہ سے درگزر کرے گا۔ یہ سوچ کر تاجر نے بادشاہ کو دعا دی اور کہا اے بادشاہ میں مال کو اپنی جان پر قربان کرتا ہوں یہ مال ایک حقیر بدلہ ہے میرے آنے کے وقت سے جانے کے وقت تک کا۔ بادشاہ نے منظور کر لیا اسے ایک سال رہنے کی اجازت دے دی۔ اس شخص نے اپنا کل مال دے کر جواہرات خرید لیے اور اپنے بادشاہ کے پاس چلا گیا۔

اس کہانی میں عادل بادشاہ کی مثال آخرت کی ہے اور جو جواہرات ظالم بادشاہ کے ملک میں تھے وہ نیکیاں اور بھلے کام ہیں۔ مال والا شخص دنیا دار ہے اور جو مال اس کے پاس ہے وہ انسان کی زندگی ہے۔ جب تو نے یہ دیکھ لیا تو تجھے معلوم ہو جانا چاہیے کہ

جو شخص دنیا کی روزی تلاش کرے اسے چاہیے کہ ایک دن بھی آخرت کی طلب سے خالی نہ رہے' اس طرح سے زمین کی زرخیزی سے فائدہ اٹھا کر اس نے دنیا کو بھی خوش کردیا اور اپنی زندگی سے آخرت کی تلاش میں خرچ کرکے آخرت کو بھی راضی کر لیا۔ شماس بولاہتا آیا جسم اور روح عذاب میں برابر ہیں؟ یا عذاب مخصوص ہے محض اس شخص کے لئے جو شہوتوں اور گناہوں کا مرتکب ہے/ لڑکے نے جواب دیا شہوتوں اور گناہوں کی طرف میلان ثواب کا سبب ہو سکتا ہے اس طرح سے کہ وہ نفس کو اس سے روکے اور توبہ کرتا رہے لیکن فیصلہ اس ذات کے ہاتھ میں ہے جو جس طرح چاہتی ہے کرتی ہے۔ چیزیں اپنی ضد کے مقابلے میں پہچانی جاتی ہیں کھانا پینا بدن کے لیے ضروری ہے اور بدن بغیر روح کے قائم نہیں رہ سکتا روح کی پاکی یہ ہے کہ دنیا میں نیت کی سچائی اور اس چیز کی طرف توجہ جس سے آخرت میں فائدہ پہنچے۔ دنیا اور آخرت ایسی ہیں جیسے دو گھڑ دوڑ کے گھوڑے یا دو رضاعی بھائی' ایک کام کے دو ساجھی' اس اجمال کی تفصیل نیت پر منحصر ہے۔ اسی طرح بدن اور روح عمل اور ثواب و عذاب میں مشترک ہیں۔

- ایک اندھے اور ایک لولے لنگڑے کی کہانی

اس کی مثال ایک اندھے اور ایک لولے لنگڑے کی ہے جنہیں ایک باغ والا اپنے باغ میں لے گیا اور ان سے کہا کہ دیکھو اسے خراب نہ کرنا نہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جس سے باغ کو نقصان پہنچے۔ جب باغ میں پھل پکنے لگے تو لولے لنگڑے نے اندھے سے کہا مجھے پکے پکے پھل دکھائی دیتے ہیں اور میرا جی للچا رہا ہے لیکن میں کھڑا نہیں ہو سکتا کہ جا کر انہیں کھاؤں۔ تیرے دونوں پاؤں ٹھیک ہیں تو جا کر پھل توڑ لا تاکہ ہم کھائیں۔ اندھے نے کہا کہ مجھے تو اس کی خبر بھی نہ تھی تو نے

ان کا ذکر کرکے مجھے بے چین کر دیا مگر میں مجبور ہوں کہ وہ مجھے دکھائی نہیں دیتے اور انہیں توڑنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ باغ کا پاسبان آیا جو سمجھ دار آدمی تھا۔ لولے لنگڑے نے اس سے کہا اے پاسبان میرا جی چاہتا ہے کہ کچھ پھل توڑ کر کھاؤں لیکن تو دیکھتا ہے کہ میں لولا لنگڑا ہوں اور یہ میرا ساتھی اندھا ہے جسے کچھ دکھائی نہیں دیتا پھر کیا ترکیب کریں۔ پاسبان بولا افسوس ہے تم پر تمہیں یاد نہیں تم نے باغ کے مالک سے کیا وعدہ کیا ہے کہ تم کوئی ایسی بات نہ کرو گے جس سے باغ میں خرابی پیدا ہو لہٰذا مان جاؤ اور ایسی بات نہ کرو۔ دونوں نے جواب دیا ہمیں اتنے پھل تو ضرور مل جانے چاہئیں کہ ہم کھائیں تو ہی کوئی تدبیر نکال دے۔ جب وہ اپنے خیال پر اڑے رہے تو پاسبان نے کہا اس کی ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ اندھا کھڑا ہو کر تجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا لے اور اس درخت کے پاس لئے جائے جس کے پھل تجھے پسند ہوں پھر جب تو اس درخت کے پاس پہنچ جائے تو جو پھل تیرے ہاتھ لگیں انہیں چن لئے۔ یہ سن کر اندھا اٹھا اور لولے لنگڑے کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ لولا لنگڑا اسے راہ بتاتا جاتا یہاں تک کہ وہ ایک درخت کے پاس پہنچا اور اس میں سے پھل پسند کرکے توڑنے لگا ان کا ہمیشہ یہی دستور رہا یہاں تک کہ انہوں نے درختوں کو اجاڑ ڈالا اس کے بعد باغ کا مالک آیا اور کہنے لگا ستیاناس ہو تمہارا' یہ تم نے کیا کیا۔ کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ باغ کو اجاڑنا نہیں۔ انہوں نے کہا تجھے معلوم ہے کہ ہم کہیں چل پھر نہیں سکتے کیوں کہ ہم میں سے ایک لولا لنگڑا ہے اٹھ نہیں سکتا اور دوسرا اندھا' قریب کی چیز بھی اسے دکھائی نہیں دیتی اس لئے ہمارا کیا جرم۔ باغ والے نے کہا شاید تمہارا یہ گمان ہے کہ میں جانتا نہیں کہ تم نے کیا کیا اور میرا باغ کیوں کر اجاڑا۔ میں اس طرح جانتا ہوں کہ گویا میں تمہارے ساتھ تھا اے اندھے تو نے لولے کو اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور وہ تجھے راہ بتاتے بتاتے ایک درخت کے پاس لے گیا یہ کہہ کر اس نے انہیں پکڑا اور خوب مار کر باغ سے باہر نکال دیا۔

یہاں اندھے کی مثال جسم کی ہے جو بغیر نفس کے دیکھ نہیں سکتا اور لولے لنگڑے کی مثال نفس کی جو بغیر جسم کے حرکت نہیں کر سکتا۔ باغ وہ عمل ہے جس پر بندے کو جزا سزا ملتی ہے۔ پاسبان عقل ہے جو نیکی کی طرف ابھارتی اور برائی سے روکتی ہے اس لئے جسم اور روح دونوں ثواب و عذاب میں برابر ہیں۔ شماس نے کہا بہت ٹھیک اور میں تیری بات تسلیم کرتا ہوں اب یہ بتا کہ تیرے نزدیک کون سا عالم سب سے زیادہ تعریف کے قابل ہے۔ لڑکے نے کہا جسے اللہ کا علم ہو اور اس علم سے اسے فائدہ پہنچتاہو۔ شماس نے پوچھا وہ کون شخص ہے۔ لڑکے نے جواب دیا جو شخص اپنے پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہو اوراس کی ناخوشی سے بچتا ہو۔ شماس نے پوچھا ان میں سے افضل کون ہے۔ لڑکے نے جواب دیا جس کا علم اللہ کے متعلق زیادہ ہو۔ شماس نے پوچھا کس کا علم زیادہ ہے۔ لڑکا بولا جوعلم پر ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرتا ہو۔ شماس نے پوچھا ان میں سے کس کا دل زیادہ رقیق ہے۔ لڑکے نے کہا جو شخص موت کے لئے زیادہ تیار ہو اس کی یاد زیادہ کرتا ہو اور امید کم رکھتا ہو کیونکہ جو شخص موت کے مصائب کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو صاف آئینے میں دیکھ رہا ہو کیونکہ وہ اپنی شکل ہو بہ ہو دیکھے گا اور آئینے سے اس کی صفائی اور چمک اور بڑھ جائے گی۔ شماس نے پوچھا کون سے خزانے سب سے اچھے ہیں۔ اس نے کہا آسمان کے خزانے۔ شماس بولا آسمان کے خزانوں میں سے کون سا بہترین ہے۔ اس نے کہا خدا کی تعظیم اور تحمید۔ شماس نے کہا دنیا کے خزانوں میں سے کون سا افضل ہے۔ لڑکے نے کہا کہ نیکی کرنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

## • نو سو گیارہویں رات



نو سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب لڑکے نے جواب دیا کہ نیکی کرنا تو شماس نے کہا ٹھیک ہے میں تیری بات مانتا ہوں اب تین مختلف چیزوں علم' رائے اور ذہن کے بارے میں اپنی رائے دے اور بتا کر کون سی چیز انہیں اکٹھا کرتی ہے۔ لڑکے نے کہا کہ علم پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے' رائے تجربے سے' ذہن سوچنے سے اور عقل انہیں مضبوط اور یک جا رکھتی ہے۔ جس میں یہ تینوں چیزیں ہوں وہ کامل ہوتا ہے اورجو شخص ان کے ساتھ خدا کا تقویٰ بھی شامل کر لے وہ ہدایت پاتا ہے۔ شماس نے کہا ٹھیک ہے میں نے مان لیا اب بتا کہ ایسے عالم کو جو بڑا علم والا' سمجھدار اور ذہین و فطین ہو خواہش اور شہوت ان حالات سے بدل دیتی ہے جن کا تو نے ذکر کیا یا نہیں۔ لڑکے نے جواب دیا جب یہ دونوں خصلتیں انسان میں سرایت کر جاتی ہیں تو وہ اس کے علم' فہم سمجھ اور ذہانت کو بدل دیتی ہیں۔ اس کی مثال اس درندے شاہین کی ہے جو اپنے شکار سے دور اپنی نگاہ کی تیزی کی وجہ سے آسمان پر اڑ رہا ہے اور اسی حالت میں اس نے دیکھا کہ چڑی مار نے جال بچھایا اور اس میں گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا ہے۔ گوشت دیکھ کر شاہین پر خواہش نے اتنا غلبہ کیا کہ وہ جال کو بھی بھول گیا ان چڑیوں کے برے حال کو جو اس میں پھنستی ہیں وہ آسمان سے جھپٹا اور گوشت کے ٹکڑے کے پاس آتے ہی جال میں پھنستی گیا۔ چڑی مار نے دیکھا کہ جال میں شاہین پھنسا ہوا ہے تو وہ بڑے تعجب سے کہنے لگا میں نے تو جال میں اس لئے لگایا تھا کہ کبوتر یا ایسا ہی کوئی اور کمزور پرندہ پھنسے لیکن یہ شاہیں کیسے پھنس گیا؟ کہا جاتا ہے کہ جب نفسانی خواہش کسی سمجھ دار شخص کو کسی بات کی طرف لے جاتی ہے تو وہ پہلے اسے عقل کی کسوٹی پر کستا ہے اس کے برے نتیجے سوچ کر اس سے

کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اپنی نفسانی خواہش کو دبا دیتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو نفسانی خواہش کسی کام کی طرف مائل کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی عقل سے ایسے شہسوار کا کام لے جو شہسواری میں ماہر ہو ایسا شہسوار منہ زور گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو لگام زور سے کھینچتا ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑا سیدھا ہو جاتا ہے اور سوار کو اس کی مرضی کے مطابق لے چلتا ہے۔ مگر جو شخص ناسمجھ ہوتا ہے نہ علم رکھتا ہے نہ رائے' ٹھیک فیصلہ نہیں کر سکتا اور نفسانی خواہشات اس پر غالب ہوتی ہیں تو وہ خواہشات کے کہنے پر چل کر تباہ ہو جاتا ہے اور اس سے بدتر حالت کسی کی نہیں ہوتی۔ شماس بولا تو نے ٹھیک کہا میں تیری بات مانتا ہوں اب بتا کہ علم کس وقت فائدہ پہنچاتا ہے اور عقل کب نفسانی خواہشات کو روک سکتی ہے؟ لڑکے نے جواب دیا جب اس ان کا مالک انہیں آخرت کی طلب میں صرف کرتا ہے' عقل اور علم دونوں مفید چیزیں ہیں لیکن انسان کو چاہیے کہ ان سے محض اس قدر دنیا کا طالب ہو جس سے اس کی روزی چل سکے اور وہ اس کے شر سے بچ سکے باقی آخرت کے کاموں میں صرف کرے۔

شماس نے کہا کون سی بات اس کی سب سے زیادہ مستحق ہے کہ انسان اس میں لگا رہے اور اس کا دل اس میں مشغول رہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ نیک کام۔ شماس نے کہا اگر انسان نے یہ کیا تو روزی کمانے میں ہرج ہو گا' پھر روزی کمانے کی کیا ترکیب ہو گی جو اس کے لئے ضروری ہے؟ لڑکا بولا اس کا دن چوبیں گھنٹے کا ہے اس لیے اسے چاہیے کہ اس کا ایک حصہ روزی کمانے میں صرف کرے ایک حصہ آرام کرنے میں اور جو باقی رہے اس میں علم حاصل کرے کیونکہ اگر انسان عاقل ہے لیکن علم سے بے بہرہ تو اس کی مثال بنجر زمین کی سی ہے جس میں نہ کھیتی ہو سکتی نہ باڑھ لگائی جا سکتی ہے نہ گھاس اگ سکتی ہے جب تک وہ زمین کام کی نہ بن جائے کہ اس میں کھیتی ہو سکے اور درخت لگائے جا سکیں تو کسی قسم کا بھی بیج اس میں کارآمد ثابت نہ ہو گا۔ جب وہ کھیتی کے لئے تیار ہو جائے اور اس کے بعد اس

میں پود لگائی جائے۔ اس کی پیداوار اچھی ہو گی۔ یہی مثال بے علم انسان کی ہے کہ جب تک اس میں علم کی پود نہ لگائی جائے تو وہ بے سود ہے اور جب اس میں علم بو دیا جائے تو پھل آنے لگیں گے۔ شماس نے پوچھا علم بے عقل کے کیسا ہے "لڑکے نے جواب دیا جیسے جانور کا علم جو اس سے کھانے پینے اور جاگنے کے اوقات سیکھ لیتا ہے لیکن اس میں عقل نہیں ہوتی۔ اس پر شماس بولا کہ اس کا جواب تو نے بہت مجمل دیا لیکن میں اسے تقسیم کرتا ہوں اب بتا میں اپنے آپ کو بادشاہ سے کیونکر محفوظ رکھ سکتا ہوں؟ لڑکے نے جواب دیا اسے اپنے خلاف کوئی موقع نہ دے۔ شماس بولا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اسے اپنے خلاف موقع نہ دوں حالانکہ وہ میرے اوپر حاکم ہے اور میرے ہر کام کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے؟ لڑکے نے جواب دیا اس کی حکومت تیرے اوپر ان حقوق کی وجہ سے ہے جو اس کے تیرے اوپر ہیں جب تو نے اس کے حقوق ادا کر دیئے تو پھر اس کی کوئی حکومت تیرے اوپر باقی نہیں رہی۔ شماس نے پوچھا بادشاہ کا حق وزیر پر کیا ہے؟ لڑکے نے کہا نصیحت ظاہر و باطن میں اس کی خدمت کرنا' نیک رائے دینا اس کے بھیدوں کو پوشیدہ رکھنا اس سے کوئی ایسی بات نہ چھپانا جس کے جاننے کا اسے حق ہو اور جس حاجت کے پورا کرنے کا بادشاہ نے اسے حکم دیا ہو اس میں غفلت نہ کر' ہر طرح سے اسے راضی رکھنا اور اس کے غصے سے بچنا۔ شماس بولا وزیر کو بادشاہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ لڑکے نے جواب دیا اگر تو بادشاہ کا وزیر ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی برائی سے بچتا رہے تو تیرا سننا اور کہنا اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔ جو تیری شان کے شایاں ہو۔ خبر دار اپنا رتبہ اتنا نہ بڑھائیو کہ وہ تجھے اس کا اہل نہ سمجھے ورنہ وہ سمجھے گا کہ تو اس کے اوپر رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ اگر تو اس کی بردباری کی وجہ سے مغرور ہو گیا اور اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھنے لگا جس کا وہ تجھے اہل نہیں سمجھتا تو تیری مثال اس شکاری کی سی ہو گی جس نے جانوروں کا شکار کرکے ان کی کھالیں اپنی ضرورت کے لئے اتاریں اور گوشت پھینک دیا۔ پھر شیر آ کر ان جانوروں کو کھاتا رہا اور وہاں اکثر آنے جانے کی وجہ سے شیر شکاری سے مانوس ہو گیا۔

شکاری روز اس کے آگے گوشت پھینکتا اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا اور شیر اپنی دم ہلاتا رہا۔ اب جب کہ شکاری نے دیکھا کہ شیر اس سے مانوس ہو گیا ہے اور اس کے آگے دم ہلاتا ہے تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ شیر مجھ سے ہل گیا ہے میں اس کا مالک بن گیا ہوں اور اب کوئی وجہ باقی نہیں میں اس پر سوار ہو کر دوسرے جانوروں کی طرح اس کی کھال بھی نہ کھینچ لوں۔ اس کے بعد شکاری ہمت کرکے اس پر چڑھ بیٹھا لیکن جب شیر نے شکاری کی یہ حرکت دیکھی تو وہ طیش میں آ گیا اور اس پر ایسا پنجہ مارا کہ وہ اس کی پیٹ میں گیا اس نے شکاری کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر چیر پھاڑ ڈالا اس سے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وزیر کو چاہیے کہ اپنے رتبے کے موافق بادشاہ کے پاس رہے اور اپنے آپ کو بڑا یا قابل سمجھ کر اس کے ساتھ گستاخی نہ کر بیٹھے ورنہ بادشاہ اس کی بری گت بنائے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو بارہویں رات

نو سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ جلی عاد کے بیٹے نے وزیر سے کہا اگر تو نے بادشاہ کے ساتھ گستاخی کی تو وہ تیری بری گت بنائے گا۔ شماس نے پوچھا وہ کیا چیز ہے جس سے بادشاہ کے نزدیک وزیر کی شان بڑھ جاتی ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ اس امانت کے ادا کرنے سے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔ مثلاً نصیحت' ٹھیک رائے اور اس کے حکموں کی تعمیل۔ شماس نے کہا تو نے پہلے بیان کیا تھا کہ بادشاہ کا حق وزیر پر یہ ہے کہ وہ اس کی ناراضی سے پرہیز کرے اور اس کی رضا مندی ڈھونڈے لیکن اگر بادشاہ کی رضا مندی ہی جو رو ظلم کرنے میں ہو؟ لڑکے نے جواب دیا اگر وزیر ان باتوں میں بادشاہ کو عقل و انصاف کی راہ پر لائے' جو رو ظلم سے ڈرائے رعیت کے ساتھ خوش اخلاقی کرنا بتائے اور ان سے جو ثواب و عذاب ہوتا ہو آگاہ کرے۔ اگر بادشاہ وزیر کی باتوں کی طرف مائل ہو گیا تو مطلب بر آیا ورنہ وہ عمدہ طرح سے بادشاہ سے جدا ہو جائے کیونکہ اس جدائی میں دونوں کے لئے فائدہ ہے۔ وزیر نے کہا بادشاہ کا حق رعیت پر اور رعیت کا بادشاہ پر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بادشاہ انہیں حکم دے اسے وہ سچی نیت سے پورا کریں اور جس بات سے وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو بجا لائیں۔ رعیت کا حق بادشاہ پر یہ ہے کہ وہ ان کے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔ رعیت کا حق بادشاہ پر زیادہ ضروری ہے۔ بہ نسبت بادشاہ کے حق کے کیونکہ اگر رعیت کا حق ضائع ہو جائے تو بادشاہ کے ملک و دولت کا زوال ہے اور خود بادشاہ تباہ ہو جاتا ہے اس لئے جس کے پاس بادشاہت ہو اسے تین چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ دین کی اصلاح' رعیت کی اصلاح اور سیاست کی اصلاح۔ ان تین چیزوں کا لحاظ رکھنے سے اس کی حکومت قائم رہتی ہے۔

اس کے بعد وزیر نے پوچھا وزیر کا حق بادشاہ پر کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کسی شخص

کا حق بادشاہ پر اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ وزیر کا۔ اس کے تین سبب ہیں۔ پہلے یہ کہ غلط رائے کی وجہ سے بادشاہ پر آفت آتی ہو اور ٹھیک رائے سے بادشاہ اور رعیت دونوں کا فائدہ ہوتا ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر رعایا کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کے نزدیک وزیر کا بڑا رتبہ ہے تو وہ بھی وزیر کو عزت کی نظر سے دیکھیں گے اور اس کی فرماں برداری کریں گے۔ تیسرے یہ کہ جب وزیر دیکھے گا کہ بادشاہ اور رعایا کے نزدیک اس کا یہ رتبہ ہے تو وہ بری باتوں کو ان کے پاس آنے سے روکے گا اور اچھا سلوک ان کے ساتھ کرے گا۔وزیر نے کہا زبان کو جھوٹ اور بے ہودہ گوئی سے روکنے' کسی کی بے عزتی کرنے اور اور زیادہ باتیں کرنے کے بارے میں تیرا کیا خایل ہے؟ لڑکے نہ جواب دیا انسان کو چاہیے کہ محض نیکی اور بھلائی کی باتیں زبان سے نکالے۔ جس بات سے اس کا تعلق نہ ہو وہ زبان پر نہ لائے۔ چغلی نہ کھائے' کسی کے پاس وہ باتیں نہ لے جائے جو اس کے دشمن نے کہی ہوں' اپنے دوست یا دشمن کسی کی برائی بادشاہ کے سامنے نہ کرے اور سوائے خداکے کسی کی پروا نہ کرے خواہ اس سے فائدہ کی امید ہو یا نقصان کا ڈر کیونکہ دراصل نفع اور نقصان پہنچانے والا خدا ہی ہے کسی کا عیب نہ بیان کرے اور اور جہالت کی باتیں نہ کرے تاکہ وہ خدا کے عذاب اور آدمیوں کی دشمنی سے بچا رہے۔ بات کی مثال تیر کی سی ہوتی ہے جب نکل جائے تو کوئی اسے واپس نہیں لا سکتا اور اپنا بھید ایسے شخص سے نہ کہے جو اسے ظاہر کر دے۔ اپنا بھید دشمن کی نسبت دوست سے زیادہ چھپانا چاہیے۔ شماس بولا کہ عزیز واقارب کے ساتھ خوش خلقی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ لڑکے نے کہا انسان کو سوائے خوش خلقی کے اور کسی چیز میں راحت نہیں۔ عزیز و اقارب کے ساتھ واجبی خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے۔ جس کے وہ مستحق ہیں۔ وزیر نے پوچھا رشتے داروں سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ لڑکے نے جواب دیا۔ ماں باپ کے ساتھ فرمانبرداری شیریں کلامی' اطاعت اور عزت و احترام بھائی بندوں کے ساتھ نصیحت' مال سے ان کی مدد کرنا' ان کی خوشی

پر خوش ہونا اور ان کی غلطیوں پر پردہ پوشی۔ اگر تجھے کسی اپنے بھائی پر اعتماد ہو تو اس کے ساتھ محبت' ہر بات میں اس کا مدد گار ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- ## نو سو تیرہویں رات

نو سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مذکورہ باتوں کا جواب پانے کے بعد وزیر شماس نے جلی عاد بادشاہ کے بیٹے سے کہا بھائی بند دو طرح کے ہوتے ہیں' ایک تو سچے دوسرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے۔ سچے بھائی بندوں کے بارے میں تو تو کہہ چکا ہے اب ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھائی بندوں کے متعلق بتا۔ لڑکے نے کہا ان سے تجھے لذت' خوش' خلقی' شیریں کلامی اور صحت کے آداب ملتے ہیں' اس لئے ان سے الگ تھلگ نہ رہنا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو تیرے ساتھ کرتے ہیں اور جس خندہ پیشانی اور خوش کلامی سے وہ تیرے ساتھ پیش آتے ہیں تو بھی ان کے ساتھ پیش آ۔ اس طرح سے تیری زندگی مزے سے گزرے گی اور تو ان میں مقبول ہو گا۔ شماس نے کہا اب یہ بتا کہ جو رزق خدا کی طرف سے مقدر ہے کیا وہ ساری زندگی کے لئے ہے؟ اور اگر یہ واقعہ ہے تو روزی کا طالب یہ جاننے کے بعد بھی کیوں محنت و مشقت کرتا ہے؟ پھر اگر مقدر نہیں ہے تو وہ کتنی ہی کوشش کرے اسے نہیں ملے گا۔ ایسی حالت میں کیا اسے کوشش چھوڑ دینی واجب ہے اور خدا پر بھروسہ کرکے اپنے جسم کو آرام دینا چاہیے؟ لڑکے نے کہا یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر ایک کا رزق مقدر اور موت لابدی ہے تاہم ہر رزق کے لئے راستے اور اسباب ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اگر روزی کا طالب تلاش چھوڑ دے تو اسے آرام ملے گا لیکن باوجود اس کے اس کے لئے تلاش ضروری ہے اور طالب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جسے روزی مل جاتی ہے اور دوسرا جو محروم رہتا ہے۔ پہلے کی دو حالتیں ہیں۔ اس کی روزی کا ملنا اور اس کی تلاش کا نتیجہ اچھا ہونا۔ محروم کو تین طرح سے آرام مل سکتا ہے۔ روزی کی تلاش کی قابلیت سے' لوگوں پر بار نہ ہونے سے اور ملامت کا شکار نہ بننے سے۔ شماس بولا روزی کی تلاش کا طریقہ کیا ہے؟ لڑکا بولا جو کچھ خدا نے حلال رکھا

ہو اسے حلال سمجھے اور جو حرام کر دیا ہے اس سے بچا رہے۔
یہاں تک پہنچنے کے بعد ان کے درمیان سوال و جواب بند ہو گئے۔ شماس اور دوسرے علما نے جو وہاں پر موجود تھے' اٹھ کر لڑکے کے آگے سجدہ کیا' اس کی تعظیم کی' اسے سراہا' باپ نے اسے سینے سے لگا لیا اسے شاہی تخت پر بٹھایا اور کہنے لگا شکر ہے خدا کا اس نے میری زندگی میں مجھے ایسا بیٹا دیا جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔
اب لڑکے نے تمام علماء کے روبرو شماس سے کہا اے عالم اور روحانی مسئلوں کے ماہر اگرچہ خدا نے مجھے تھوڑا ہی سا علم دیا ہے لیکن میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میرے جوابوں کو مان لیا خواہ جواب ٹھیک تھے یا غلط اور غلطیوں کو معاف کر دیا۔ اب میں تجھ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں جن کے سمجھنے سے میری عقل عاجز' استطاعت ناکافی اور زبان گونگی ہے۔ ان کا سمجھنا میرے لئے ایسا ہی مشکل ہے جیسے کالے برتن میں صاف پانی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تو ان کی تشریح کر دے تاکہ مجھ جیسا شخص بھی انہیں سمجھ لئے جس طرح خدا نے پانی میں زندگی کھانے میں قوت اور طبیب کے علاج میں مریض کے لئے شفاء رکھی ہے۔ اسی طرح عالم کے علم میں جاہل کے لئے روشنی لہٰذا کان دھر کر میری بات سن۔ شماس نے کہا اے روشن عقل اور عمدہ مسائل کے ماہر میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو پوچھے گا اس میں تیری رائے زیادہ صائب ہو گی کیونکہ جو علم خدا نے تجھے دیا ہے کسی اور کو نہیں دیا۔ بہر حال کہہ کہ تو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہے!
لڑکے نے کہا یہ بتا کہ خدا نے کس چیز سے مخلوقات کو پیدا کیا کیونکہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی لیکن اس دنیا میں نظر یہی آتا ہے کہ ایک چیز کسی دوسری چیز سے پیدا ہوئی ہے؟ وزیر شماس نے جواب دیا کمہار اور دوسرے کاری گر اس قابل نہیں کہ بغیر ایک چیز کے دوسری چیز پیدا کر سکیں کیونکہ وہ خود مخلوق ہیں لیکن اگر اس خالق کی قدرت جاننا چاہتا ہے جس نے تمام چیزیں ایجاد کی ہیں تو طرح طرح کی مخلوقات

کو خوب غور سے دیکھ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی قدرت اس درجے ہے کہ وہ چیزوں کو بے کسی چیز کے پیدا کر سکتا ہے بلکہ انہیں خالص عدم سے وجود میں لا سکتا ہے کیونکہ عناصر جن سے چیزیں بنی ہیں کچھ نہ تھے اس کا ثبوت تجھے دن اور رات سے مل سکتا ہے۔ جب دن چھپ جاتا اور رات آ جاتی ہے تو ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ دن کہاں چلا گیا۔ اسی طرح جب رات کا اندھیرا اور وحشت دور ہو جاتی ہے اور دن نکل آتا ہے تو ہمیں اس کا پتا نہیں چلتا کہ رات کہاں گئی۔ اسی طرح جب سورج نکلتا ہے تو ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی کہاں لپٹی ہوئی ہے اور جب وہ ڈوب جاتا ہے تو ہمیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ غروب کے وقت وہ کہاں ہے۔

اسی طرح کی مثالیں اور بہت سی ہیں۔ جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لڑکے نے کہا کہ عالم! تو نے خدا کی قدرت اس اچھے پیرائے میں بیان کی کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا' اب یہ بتا کہ خدا نے مخلوقات کو ایجاد کس طرح کیا؟ شماس نے جواب دیا اس کلمے سے جو عالم کی پیدائش سے پہلے موجود تھا۔ اسی سے اس نے تمام چیزیں پیدا کیں۔ لڑکے نے کہا کہ کیا خدا نے چیزوں کے وجود سے پہلے انہیں پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا؟ شماس نے جواب دیا اگر اس میں گویائی نہ ہوتی اور منہ سے کوئی بات نکال نہ سکتا تو آج مخلوقات کا وجود نہ ہوتا۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو چودھویں رات



نو سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ان سوالوں کا جواب دینے کے بعد شماس نے کہا پیارے بیٹے! جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کے خلاف کوئی شخص کچھ نہیں کہہ سکتا بشرطیکہ وہ شریعت کی باتوں کی تاویل توڑ مروڑ کر نہ کرے اور سچی باتوں کو جھوٹا نہ کرے اور اگر تو کہے کہ کلمے میں قوت ہے تو خدا اس عقیدے سے بچائے بلکہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ خدا نے مخلوقات کو اپنے ایک بول سے پیدا کیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے نہ یہ کہ اس کے بول میں قدرت ہے۔ قدرت تو خدا کی ایک صفت ہے۔ جس طرح کہ باتیں کرنا وغیرہ جو مکمل صفتیں ہیں خدا ہی کی صفتیں ہیں لہٰذا خدا کی صفت میں اس کے کلام کا لانا ضروری ہے۔ جس طرح اس کے کلام کی صفت میں خدا کا لانا۔ خدا نے اپنے کلام سے ہر چیز کو پیدا کیا اور بے کلام کے کچھ نہیں۔ ہر چیز کو وہ اپنے سچ کلام سے وجود میں لایا اس لئے ہم بھی سچ کلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ لڑکے نے کہا تو کہتا ہے کہ خدا نے مخلوقات کو اپنے سچ کلام سے پیدا کیا اور حق باطل کا مخالف ہے پھر باطل کہاں سے آیا؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باطل حق سے مل کر مشتبہ اور لوگوں کو دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا یہاں تک انہیں دونوں میں فرق کرنے کی ضرورت پڑ گئی؟ دوسرے یہ کہ خدا اس باطل کو پسند کرتا ہے یا اس کے خلاف؟ اگر تو کہے کہ وہ حق کو پسند کرتا ہے اس نے اسی سے ساری خلقت پیدا کی ہے اور وہ باطل کا دشمن ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہوا کہ باطل جس سے خدا کی بغض ہو حق میں جا کر شامل ہو گیا۔ جس سے خدا کو محبت ہو؟۔ شماس نے جواب دیا یہ سچ ہے کہ خدا نے انسان کو حق سے پیدا کیا اور انسان کو اس وقت تک توبہ کی ضرورت نہ پڑی جب تک باطل حق میں مل جل نہ گیا۔ اس حق میں جس کے ساتھ انسان اس وجہ سے پیدا کیا گیا

تھا کہ اس میں ایک استطاعت ہے جس کا نام ارادہ ہے اور ایک فعل ہے جسے کسب کہتے ہیں اس لحاظ سے جب باطل حق سے مل گیا تو حق اور باطل میں امتیاز باقی نہ رہا اس کی وجہ انسانی ارادہ' استطاعت کسب اور اس کی طبیعت کی کمزوری ہے۔ یہاں پہنچ کر خدا نے توبہ پیدا کی تاکہ باطل کو اس سے پھیر دے اور حق پر لا جمائے۔ پھر اگر وہ باطل پر مصر رہا تو اس کے لئے عذاب پیدا کیا۔ لڑکے نے پوچھا' آخر اس باطل کو حق کے سامنے پیش کرنے کی کیا ضرورت پڑی کہ دونوں گڈ مڈ ہو گئے اور انسان عذاب کا کیوں مستحق ہوا کہ اسے توبہ کی ضرورت پڑی؟ شماس نے جواب دیا جب خدا نے انسان کو حق کے ساتھ پیدا کیا تو اسے اس نے اپنا محبوب بنایا اس وقت تک نہ عذاب کا وجود تھا نہ توبہ کا۔ یہ حالت اس وقت تک رہی کہ خدا نے انسان کے لئے نفس پیدا نہ کیا جو ایک طرف تو انسانیت کا کمال ہے اور دوسری طرف اس پر خواہشات کے فعل کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ باطل اس حق سے مل کر گڈ مڈ ہو گیا۔ جس کے ساتھ انسان پیدا کیا گیا تھا اور اس کی فطرت پر خدا کی محبت کی مہر لگائی گئی تھی۔ اس منزل پر پہنچ کر انسان حق سے مڑ کر گناہ میں جا پڑا اور یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص حق سے منہ موڑے گا باطل میں جا پڑے گا۔

اب لڑکے نے پوچھا کیا گناہ اور مخالفت کی وجہ سے باطل نے حق پر قابو پا لیا؟ شماس نے جواب دیا یہی بات ہے کیونکہ خدا انسان کو چاہتا ہے اور اسی محبت کی زیادتی کی وجہ سے خدا نے اسے اپنا محتاج بنایا ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان بھٹک جاتا ہے کیونکہ نفس کا میلان خواہشات کی طرف ہے وہ پیچھے ہٹتا ہے گناہ کے سبب باطل میں جا پڑتا ہے اور اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے لہٰذا وہ عذاب اور سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے لیکن جب وہ توبہ کرکے باطل کو دور کر دیتا ہے اور حق کی محبت کی طرف رجوع کرتا ہے تو ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ لڑکے نے کہا گناہ کی ابتدا کیا ہے۔ حالانکہ ساری خلقت اپنی ابتدا آدم سے بتاتی ہے اور اللہ نے انہیں حق سے پیدا کیا ہے پھر یہ کیونکر ہوا کہ انہوں نے گناہ کو جلب کر لیا اور پھر اس کے بعد توبہ کو جس کا

نتیجہ ثواب ہو سکتا ہے یا عذاب؟ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ گناہ کی طرف مائل ہیں جو خدا کی ناراضگی کی وجہ ہے اور بعض لوگ خدا کی رضا مندی اور اطاعت کی طرف جس کی وجہ سے وہ اس کی رحمت اور ثواب کے مستحق ہیں۔ اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ شماس نے کہا دنیا میں یہ معصیت سب سے پہلے ابلیس کی وجہ سے آئی جو شروع میں فرشتوں اور جن و انس سب سے بزرگ تھا اس پر محبت کی مہر تھی اس کے سوا وہ کچھ نہ جانتا تھا۔ جب اس کی یہ تخصیص ہو گئی تو اس میں غرور' بڑائی' گھمنڈ' ایمان اور خدا کی اطاعت سے تکبر سرایت کر گیا اس لئے خدا نے اسے ساری مخلوقات سے پست کر دیا اور اسے محبت سے نکال کر معصیت میں ڈال دیا۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ خدا معصیت کو دوست نہیں رکھتا اور آدم حق محبت اور خدا کی اطاعت کا پتلا ہے تو وہ حسد کرنے لگا اس نے آدم کو حق سے باہر کرنے کے لئے ایک چال چلی تاکہ وہ باطل میں ان کا شریک ہو جائے۔ اس لئے آدم پر بھی عذاب لازم آیا مگر چونکہ خدا جانتا تھا کہ انسان کمزور ہے جلدی سے دشمن کے کہے میں آ جاتا ہے اور حق کو چھوڑ دیتا ہے تو خدا نے اپنی رحمت سے اس کے لئے توبہ پیدا کی تاکہ وہ معصیت کے بھنور سے نکل آئے اور توبہ کے ہتھیار سے اپنے دشمن ابلیس کو زیر کر کے حق کی طرف آ جائے جو اس کی سرشت ہے۔ ابلیس کو معلوم ہوا کہ خدا نے اس کی رسی ڈھیلی کر رکھی ہے تو وہ انسان کے خلاف لڑائی کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس پر ایسی ایسی چالیں چلا کہ وہ خدا کی رحمت سے نکل کر خدا کی ناراضگی کا مستحق ہو جائے جس میں ابلیس اور اس کا لشکر مبتلا ہے۔ اس کے جواب میں خدا نے انسان کو توبہ کی استطاعت دے دی اور اسے حکم دیا کہ وہ حق سے ملا رہے اس پر مداومت کرے' معصیت اور خدا کی خلاف ورزی سے منع کیا اور اسے الہام کیا کہ زمین پر تیرا ایک جنگ جو دشمن ہے اس سے دن رات کبھی بے خبر نہ ہو جیو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر انسان حق کا ساتھ دے تو وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر اس کا نفس اس پر غالب

آ کر اسے نفسانی خواہشوں کی طرف لے جائے تو عذاب کا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- نو سوپندرہویں رات

نو سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اسے نیک نیک بادشاہ! ان سوالوں کے بعد لڑکے نے پوچھا انسان کے پاس ایسی کون سی قوت ہے جس کے برتے پر اس نے اپنے خالق کی مخالفت کی حالانکہ وہ اتنا زبردست ہے کہ کوئی چیز اسے نیچا نہیں دکھا سکتی نہ اس کے ارادے سے باہر قدم رکھ سکتی ہے۔ کیا تیرا یہ خیال نہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ اپنی مخلوق کو اس معصیت سے پھیر دے اور انہیں ہمیشہ محبت میں لگا رکھے؟ شماس نے جواب دیا خدا ان پر مہربان ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں' اس نے انہیں نیکی کا راستہ دکھا دیا ہے اور جو نیکی وہ کرنا چاہیں اس کی قدرت اور استطاعت انہیں دے رکھی ہے اگر وہ اس کے خلاف کریں تو ہلاکت اور معصیت میں جا پڑتے ہیں۔ لڑکے نے کہا اگر خدا ہی نے انہیں استطاعت دی جس کی وجہ سے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں تو خدا ان کے اور ان کے باطل کے درمیان حائل کیوں نہیں ہو جاتا تاکہ وہ انہیں حق کی طرف پھیر دے؟ شماس نے جواب دیا اس کی وجہ خدا کی بڑی رحمت اور مکمل حکمت ہے' وہ ایک بار ابلیس پر ناراض ہوا اور اسے معاف نہیں کیا' اسی طرح اس نے ایک بار اپنی رحمت سے آدم کو توبہ عطا کی اور ناراضگی کے بعد راضی ہو گیا۔ لڑکا بولا یہ واقعی ٹھیک ہے کیونکہ خدا ہر ایک کے عمل کا بدلہ دیتا ہے اور سوائے اس کے کوئی ایسا خالق نہیں جو ہر چیز پر قادر ہو لیکن یہ بتا کہ آیا خدا نے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو اسے پسند تھیں اور ناپسند یا فقط وہی جو اسے پسند تھیں۔ شماس بولا پیدا تو اس نے سب چیزیں کی ہیں مگر راضی انہی سے ہے جو اسے پسند ہیں۔ لڑکے نے پوچھا یہ دو چیزیں کیسی ہیں' ایک وہ جن سے خدا راضی ہوتا ہے اور ثواب دیتا ہے اور دوسری وہ جن سے خدا ناراض ہوتا ہے اور عذاب نازل کرتا ہے؟ وہ خیر اور شر ہیں جسم اور روح سے صادر ہوتے ہیں ان میں سے خیر کو اس لئے خیر کہتے ہیں کہ اس

میں خدا کی رضا مندی ہے اور شر کو شر اس لئے کہ اس میں خدا کی ناراضگی ہے۔ اس کے بعد لڑکے نے کہا یہ بتا کہ پانچوں حواس خیر کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یا شر کے لئے؟ شماس بولا خدا نے انسان کو حق پر پیدا کیا ہے اور اسے محض عدل و انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن اس کے نفس میں خواہشات کی طرف بھی میلان ہے اور یہ پانچوں حواس محض سبب ہیں ثواب یا عذاب کے۔ خدا نے ان پانچوں کو قدرت عطا کی ہے کہ وہ عمل اور حرکت کر سکیں اور حکم دیا ہے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جو اس کی مرضی کے خلاف ہے۔ گویائی میں وہ سچ سے راضی ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے نہ کہ اس چیز کی طرف جو اسے پسند ہو مرغوب نہیں۔ کان کی یہ بات اسے بھلی معلوم ہوتی ہے کہ وہ سوائے حق کے اور کچھ نہ سنئے مثلاً نصیحت اور جو کچھ خدا کی کتابوں میں مذکور ہے اور جس چیز سے خدا ناراض ہوتا ہے اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ یہی حالت دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی ہے۔ ان کے علاوہ جو باتیں انسان کرتا ہے وہ اس طرح صادر ہوتی ہیں کہ روح جسم کو حکم دیتی ہے شہوت جو جسم سے صادر ہوتی ہے دو قسم کی ہے۔ تناسل کی شہوت اور پیٹ کی شہوت۔ اگر تناسل کی شہوت حلال ہو تو وہ خدا کو پسند ہے کہ وہ حلال کھائے اور خدا کا شکر کرے اور ناپسند یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو کھائے پئے جن کا حق اسے نہیں ہے۔ ان کے سوا جتنے احکام ہیں سب باطل ہیں۔ لڑکے نے کہا خدا کو پہلے سے معلوم تھا کہ آدم اس درخت کا پھل کھا کر جسے خدا نے منع کیا ہے طاعت سے نکل کر معصیت میں جا پڑے گا؟ شماس نے جواب دیا ہاں آدم کے پیدا ہونے سے پہلے خدا کو یہ معلوم تھا اس لئے اس کا بھنور میں پھنس جانا اور اس کی غلطی اس کی نسل میں چلی آ رہی ہے۔ اس کے خدا نے نبی اور رسول بھیجے انہیں کتابیں عطا کیں' انہوں نے ہمیں شریعتیں سکھائیں اور ان کتابوں میں جو احکام اور نصائح تھے انہیں تفصیل کے ساتھ ہمیں سمجھایا اور یہ بتایا کہ ہم کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ جو ان حدود کے اندر رہا وہ کامیاب ہوا اور فائدے میں رہا مگر جس نے ان حدود سے تجاوز کیا ان نصیحتوں کے خلاف عمل کیا

وہ دنیا اورآخرت دونوں میں نامراد رہا بس یہی ہے راستہ نیکی اور بدی کا۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور جو خواہشات اس نے ہمارے لئے پیدا کی ہیں اپنی مرضی اور ارادے سے کی ہیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم حلال طور پر ان سے فائدہ اٹھائیں اگر ہم حرام طریقے سے انہیں استعمال کریں گے تو اس میں ہمارے لئے برائی ہے۔ لہٰذا جو نیکی ہمیں ملے وہ خدا کی طرف سے ہے اور بدی خود ہماری ذات سے نہ کہ خدا کی طرف سے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو سولھویں رات



نو سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- اس سوال و جواب کے بعد جلی عاد بادشاہ کے بیٹے نے شماس وزیر سے پوچھا مجھے اس بات پر تعجب آتا ہے کہ بنی آدم آخرت سے بے خبر اس کی یاد سے غافل اور دنیا سے لو لگائے رہتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ اسے ایک دن ذلت سے چھوڑ کر باہر جانے والے ہیں۔ شماس نے جواب دیا بدترین شخص وہی ہے جو دنیا کے فریب میں آ کر آخرت کو بھول گیا ہو۔ اگر انسان کو معلوم ہوتا کہ موت کے وقت اس پر کیا مصیبت آتی ہے اور کن کن لذتوں اور عیشوں سے اسے ہاتھ دھونا پڑتا ہے تو دنیا کو ہرگز منہ نہ لگاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آخرت ہمارے لئے بہتر اور زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس کے بعد ایک عالم نے جو وہاں موجود تھا کہا میں نے آج تم لوگوں سے وہ وہ مسئلے سنے ہیں جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنے تھے۔ اس لئے مجھے ہمت ہوتی ہے کہ میں بھی تم سے کچھ پوچھوں۔ بتاؤ کہ دنیا کی بہترین نعمتیں کیا ہے؟ لڑکے نے کہا۔ تندرستی‘ حلال رزق اور نیک اولاد۔ عالم نے کہا وہ چار چیزیں کیا ہیں جو تمام مخلوق میں مشترک ہیں؟ لڑکے نے کہا۔ کھانا‘ پینا‘ سونا‘ عورت کی خواہش اور موت کی تکلیف۔ عالم نے کہا کہ سب سے احمق کون ہے؟ لڑکے نے کہا جو پیٹ کے دھندے میں ہمیشہ پڑا رہے۔ اس شماس نے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے بادشاہ! تو ہمارا بادشاہ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے بعد اپنے بیٹے کو بادشاہ بنا دے اور ہم فرمانبردار رعایا رہیں۔ بادشاہ نے تمام علما اور دوسرے حاضرین سے کہا یہ بات سن رکھو‘ یاد رکھو اسی پر عمل کرنا اور میرے بیٹے کا حکم ماننا کیونکہ میں اسے اپنا نائب اور خلیفہ بناتا ہوں۔ جس وقت بادشاہ زادے کی عمر سترہ برس کی ہوئی تو بادشاہ بیمار پڑا اور اتنا بیمار کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ موت کا پیغام آ گیا ہے تو اس نے گھر والوں

سے کہا کہ یہ بیماری موت کی بیماری ہے۔ میرے عزیزوں اور بیٹے کو بلاؤ میری رعایا کو حاضر کرو۔ لوگوں نے جا کر دور اور نزدیک ڈھنڈورا پیٹا سب کے سب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا جہاں پناہ! تیرا مزاج کیا ہے؟ آج دنیا میں میرا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے سے کہا قریب آ۔ لڑکا قریب آیا اور اتنا رویا کہ فرش تر ہو گیا۔ بادشاہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور تمام حاضرین رو پڑے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا! رو نہیں میں پہلا شخص نہیں ہوں جسے یہ دن دیکھنا پڑا ہے بلکہ یہ دن تو تمام لوگوں کے لئے لابدی ہے۔ بیٹا! خدا سے ڈرتا رہیو اور بھلے کام کیجئو تاکہ وہ پہلے سے اس جگہ پہنچ جائیں جہاں سب کو ایک روز جانا اور سچ بولنے کو اپنا دستور بنائیو' بس یہ میری آخری نصیحت تیرے لئے ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

- نو سو سترہویں رات

نو سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ جلی عاد اپنے بیٹے کو وصیت کر چکا تو بیٹے نے کہا ابا جان! تو جانتا ہے کہ میں ہمیشہ تیرا فرمانبردار رہا ہوں' تیری نصیحتیں مانی ہیں' تیرے حکموں کی تعمیل کی ہے' تجھے خوش رکھنے کی کوشش کی ہے اور تو نے بھی میرے ساتھ بہتر باپ ہونے کا حق ادا کیا ہے۔
بہترین تربیت دینے کے بعد اب تو مجھے چھوڑ رہا ہے اور میں تجھے روک نہیں سکتا۔ اگر میں نے تیری وصیت پر عمل کیا تو میں نیک بخت ہو جاؤں گا اور مجھے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ بادشاہ اس وقت سخت سکرات کی حالت میں تھا کہنے لگا پیارے بیٹے! دس عادتوں کو مت چھوڑیو تا کہ تجھے دین و دنیا میں فائدہ پہنچے۔ تجھے غصہ آئے تو پی جائیو' مصیبت پڑے تو صبر کیجئو' بات کیجئو تو سچ بولیو' وعدہ کرے تو پورا کیجئو' فیصلہ کیجئو تو انصاف کے ساتھ' کمزور کو معاف کیجئو' اپنے حکام کی تعظیم کیجئو' دشمنوں کو معاف کیجیو' بلکہ ان کے ساتھ نیکی کیجیو' ایذا نہ پہنچائیو۔ اس کے بعد تمام علماء اور امراء کو جو حاضر تھے مخاطب کرکے کہا خبردار اپنے بادشاہ کی مخالفت نہ کرنا نہ اپنے بڑوں کی نافرمانی ورنہ تمہارا ملک تباہ ہو جائے گا' تم تتر بتر ہو جاؤ گے۔ تمہیں جانی اور مالی نقصان پہنچے گا اور تمہارے دشمن تم پر قابو پائیں گے' تمہیں معلوم ہے کہ تم نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا' بس وہی عہد و پیماں تمہارا اس لڑکے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ تمہیں اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے کیونکہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس کے ساتھ ایسی ہی ثابت قدمی دکھانا جیسی تم میرے ساتھ دکھاتے رہے ہو' اس سے تمہاری حالت سدھری رہے گی۔ لو یہ تمہارا بادشاہ اور تمہارا آقا' والسلام۔
اس کے بعد موت کی تکلیف اور بڑھ گئی' بادشاہ کی زبان بند ہو گئی اس نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا' اسے بوسہ دیا اور خدا کا شکر ادا کیا پھر اس کی روح نکل گئی تمام

لوگ رونے پیٹنے لگے اور اسے کفن پہنا کر بڑی شان و شوکت سے دفن کیا۔ دفن کرکے وہ لڑکے کے ساتھ لوٹے' اسے شاہی پاشاک پہنا کر باپ کا تاج اس کے سر پر رکھا' انگلی میں انگوٹھی پہنائی اور شاہی تخت پر اسے بٹھا دیا۔ تھوڑے دنوں تک تو لڑکا علم و عدل اور احسان میں اپنے باپ کے قدم بہ قدم چلتا رہا پھر دنیاوی خواہشات نے اسے اپنی طرف کھینچا وہ اس کی لذتوں میں پڑ گیا اور باپ کی نصیحتیں بھلا دیں' حکومت کے کاروبار چھوڑ دیئے اور خوبصورت عورتوں کی اسے ایسی لت پڑی کہ جہاں کہیں اسے حسین صورت کا پتا چلتا اسے بلا کر نکاح میں لے آتا۔ اس طرح سے اس کے پاس اتنی عورتیں اکٹھی ہو گئیں جتنی بنی اسرائیل کے بادشاہ سلیمان بن داؤد کے پاس بھی نہ ہوں گی۔ وہ ان کی صحبت سے ایک ایک مہینہ تک باہر نہ نکلتا نہ اپنے ملک کا حال پوچھتا نہ رعیت کی فریاد سنتا اگر وہ اسے لکھتے تو جواب تک نہ دیتا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ ان کے کاموں سے اس درجے پہلو تہی کرتا ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ عنقریب ان پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ان کی یہ رائے ہوئی کہ چلو بڑے وزیر شماس کے پاس چل کراس کے آگے اپنا دکھڑا روئیں تاکہ وہ بادشاہ کو سمجھائے ورنہ ہم پر جلد کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ دنیا کے مزوں نے بادشاہ کے حواس معطل کر دیئے ہیں اور اسے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔ یہ فیصلہ کرکے وہ شماس کے پاس آئے اور کہنے لگے اے عالم حکیم! اس بادشاہ کی آنکھیں دنیا کی اندھا بنانے والی روشنیوں سے چندھیا گئی ہیں اور لذتوں نے اس کو اپنے جال میں پھانس رکھا ہے۔ وہ باطل کی طرف مائل ہے اور اپنے ملک کو تباہ کر رہا ہے۔ ملک کی تباہی کے ساتھ رعایا بھی تباہ ہو جائے گی اور ہم سب برباد ہو جائیں گے۔ ہم مہینوں تک اس کی راہ دیکھتے رہتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں پڑتا نہ ہمارے لئے وزیر کے پاس کوئی حکم بھیجتا ہے نہ کسی اور کے پاس۔ اب ہم تیرے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تجھے حقیقت سے آگاہ کریں کیونکہ تو ہمارا بڑا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس ملک میں تو ہو اس پر آفت نازل ہو۔ اگر تو بادشاہ کو سدھار نہیں سکتا تو پھر کوئی اسے سدھار

نہیں سکتا۔ لہٰذا جا کر اس سے بات کر، ممکن ہے کہ وہ تیری بات مان لے اور خدا کے احکام کی تعمیل کرنے لگے۔ شماس اٹھ کر ایک غلام کے پاس گیا جس کے ذریعے سے اسے بادشاہ سے ملنے کی امید تھی اور کہا اچھے لڑکے، مہربانی کرکے بادشاہ سے اجازت لے آ کہ میں اس کے پاس جا سکوں۔ کیونکہ مجھے اس سے ایک ایسا کام ہے کہ چار آنکھیں کئے اور جواب لئے بغیر چارہ نہیں غلام نے جواب دیا اے میرے آقا! خدا کی قسم ایک مہینے سے اس نے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ اس اثنا میں میں نے بھی اس کی شکل نہیں دیکھی۔ لیکن میں تجھے بتا سکتا ہوں کہ کون تجھے اس تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ فلاں غلام ہے جو بادشاہ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتا ہے اور باورچی خانے سے اس کے لئے کھانا لاتا ہے۔ جب وہ کھانا لینے باورچی خانے جائے تو اس سے درخواست کیجئو، وہ تیرا کام کر دے گا۔ شماس باورچی خانے کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد غلام آیا اور باورچی خانے میں جانے لگا۔ شماس نے اس سے کہا بیٹا! میں بادشاہ سے ایک خاص بات کہنے کے لئے ملنا چاہتا ہوں تجھ سے درخواست ہے جب وہ ناشتہ کر چکے اور اس کی طبیعت بحال ہو تو میری خبر کرکے میرے لئے اندر آنے کی اجازت مانگ لیجئو، غلام نے کہا سر آنکھوں پر۔ غلام کھانا لے کر بادشاہ کے پاس گیا وہ کھا چکا تھا اور اس کی طبیعت بحال ہو گئی تو غلام نے کہا شماس دروازے پر کھڑا ہے اور تجھ سے اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے تاکہ چند خاص باتیں عرض کرے۔ یہ سن کر بادشاہ سہم گیا اور گھبرا کر غلام سے کہا اسے بلا لا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • نو سو اٹھارہویں رات

نو سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے غلام سے کہا کہ شماس کو بلا لا۔ شماس نے اندر آ کر بادشاہ کے آگے سجدہ کیا اس کے ہاتھ چومے اور اسے دعا دی۔ بادشاہ نے کہا شماس! تجھے ایسی کون سی ضرورت آ پڑی کہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟ شماس نے کہا ایک زمانے سے میں نے اپنے آقا بادشاہ کی صورت نہیں دیکھی تھی' دیدار کا بہت مشتاق تھا' یہ خوش قسمتی مجھے حاصل ہو گئی پھر ایک بات اور بھی عرض کرنی تھی۔ بادشاہ بولا کہہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ شماس نے کہا اے بادشاہ! خدا نے تجھے بچپن سے اتنا علم اور اتنی عقل دی ہے کہ تجھ سے پہلے کسی بادشاہ کو نہ اتنی عقل دی ہو گی نہ اتنا علم اس پر تجھے بادشاہی دے کر اپنا فضل و احسان مکمل کر دیا۔ لیکن خدا چاہتا ہے کہ تو نافرمانی کرکے اپنے آپ کو اس احسان کے ناقابل نہ ٹھہرا۔ اپنے خزانوں اور مال کے برتے پر خدا سے جنگ نہ کر اس کے حکموں کی تعمیل سے منہ نہ پھیر میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ دنوں سے تو اپنے ماں باپ اور اس کی وصیتوں کو بھول گیا ہے اس کے عہد و پیماں کو چھوڑ دیا ہے' اس کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے' اس کے عدل و احکام سے دور جا پڑا ہے' خدا کی نعمتوں کو ٹھکرا رہا ہے اور ان کے احسان سے واسطہ نہیں رکھا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیونکر؟ یہ تو کس وجہ سے کہتا ہے؟ شماس بولا اس وجہ سے کہ تو نے حکومت اور رعایا کے کاروبار جو خدا نے تیرے سپرد کئے ہیں چھوڑ رکھے ہیں اور دنیا کی کم مایہ خواہشات میں لگ گیا ہے جو تیرے نفس کو پسند ہیں۔ اے بادشاہ! میرا مشورہ یہ ہے کہ تو اپنے انجام پر خوب غور کر تاکہ تجھے وہ روشن راستہ دکھائی دینے لگے۔ جس میں نجات ہے اس تھوڑی اور فانی لذت سے دل نہ لگا ورنہ تو بربادی کے بھنور میں جا پھنسے گا اور تیرا وہی حشر ہو گا جو ماہی گیر کا ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا؟

## ○ لالچی ماہی گیر کی کہانی

شماس نے کہا ایک بار ایک ماہی گیر اپنے دستور کے موافق دریا پر مچھلیاں پکڑنے گیا۔ وہ ابھی پل کو طے کر رہا تھا کہ اسے ایک بہت بڑی مچھلی دکھائی دی اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں بلکہ جہاں وہ جائے گی میں اس کا پیچھا کروں گا اور جب میں اسے پکڑ لوں گا تو پھر کئی روز تک مجھے مچھلیاں پکڑنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ کہہ کر اس نے کپڑے اتارے اور مچھلی کے پیچھے کود پڑا۔ پانی کا دھارا اسے بہا کر لے چلا یہاں تک کہ اس نے مچھلی کے پاس پہنچ کر اسے پکڑ لیا۔ پھر کر جو دیکھا تو وہ کنارے سے دور جا پڑا تھا لیکن اس نے مچھلی کو نہ چھوڑا بلکہ دھارے کے ساتھ ساتھ بہنے لگا' بہتے بہتے ایک بھنور میں پھنس گیا جہاں پہنچ کر کوئی زندہ نہیں لوٹ سکتا تھا اور وہ چلانے لگا کہ ڈوبتے ہوئے کو بچاؤ یہ سن کر دریا کے پہرے داروں نے پوچھا تجھ پر ایسی کیا مصیبت پڑی تھی کہ تو اس خطرناک جگہ پر گیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نجات کا روشن راستہ چھوڑ کر نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر مارا گیا۔ انہوں نے کہا آخر تو نے یہ کیوں کیا؟ تجھے تو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ وہاں جا کر کوئی شخص صحیح و سالم نہیں لوٹا ہے۔ تو نے مچھلی پھینک کر اپنی جان کیوں نہ بچائی تاکہ اس مصیبت سے تجھے نجات ملتی؟ اب ہم میں سے کوئی تجھے اس تباہی سے بچا نہیں سکتا۔

اے بادشاہ! یہ مثال میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ تو حقیر لہو و لعب کی باتوں کو چھوڑ کر اپنی رعیت کے کاروبار اور حکومت کے انتظام کی طرف توجہ کر تاکہ تجھ میں کوئی عیب نہ نکال سکے۔ بادشاہ بولا اب تو مجھے کیا مشورہ دیتا ہے؟ شماس نے کہا کل تو خیر و عافیت کے ساتھ لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے ان کی خیریت پوچھ' ان سے معذرت کر انہیں قول دے کہ تو ان کے ساتھ بھلائی اور خوش سلوکی سے

پیش آئے گا۔ بادشاہ نے کہا اے شماس! تو ٹھیک کہتا ہے خدا نے چاہا تو میں کل تیرے کہنے کے مطابق عمل کروں گا۔ شماس نے باہر جا کر لوگوں کو اس کی خبر دی اور جب دن نکلا تو بادشاہ نے حرم سرا سے نکل کر لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی ان سے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ جیسا تم چاہتے ہو میں کروں گا۔ یہ سن کر لوگ خوش ہو گئے اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اب بادشاہ کی ایک بیوی جو سب سے زیادہ چہیتی اور معزز تھی آئی دیکھا کہ اس کا چہرہ اترا ہوا ہے کیونکہ وہ بڑے وزیر کی باتوں کی وجہ سے سوچ میں پڑ گیا تھا اور کہنے لگی اے بادشاہ! تو پریشان معلوم ہوتا ہے۔ کیا تجھے کوئی شکایت ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ عیش و عشرت میں پڑ کر میں اپنے فرائض اور رعیت کی حالت سے بے خبر ہو گیا ہوں۔ اگر میں یوں ہی رہا تو ملک میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بیوی نے کہا اے بادشاہ! میں دیکھتی ہوں تیرے عمال اور وزراء نے تجھے دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ تجھے تکلیف اور دھوکے میں رکھیں۔ تاکہ تجھے تیری حکومت سے تھوڑی سی بھی لذت نہ ملے نہ تجھے عیش میسر ہو نہ راحت‘ وہ بس یہی چاہتے ہیں کہ تم عمر بھر ان کی تکلیف دور کیا کرے‘ تیری زندگی اسی محنت و مشقت میں رائیگاں جائے اور لڑکے اور چوروں کے قصے کے مطابق تیرا حال لڑکے کی طرح ہو جائے جو دوسروں کے فائدے کے لئے مارا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا قصہ ہے؟

## ○ لڑکے اور چوروں کی کہانی

بادشاہ کی بیوی نے کہا کسی جگہ سات چور تھے‘ ایک بار ساتوں اپنے دستور کے موافق چوری کرنے نکلے۔ ان کا گزر ایک باغ کے پاس سے ہوا جس میں پکے پکے اخروٹ لگے ہوئے تھے‘ باغ کے اندر گئے وہاں ان کی نظر ایک لڑکے پر پڑی کہنے لگے اے لڑکے! کیا

تو ہمارے ساتھ باغ کے اندر چلنا چاہتا ہے تاکہ اس درخت کے اوپر چڑھ کر خوب اخروٹ کھائے اور ہمارے لئے بھی تھوڑے سے گرا دے۔ لڑکے نے منظور کر لیا اور ان کے ساتھ اندر جا پہنچا۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو انیسویں رات

نو سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکا چوروں کے ساتھ باغ میں گیا تو ایک نے دوسرے سے کہا ہم میں سے جو سب سے زیادہ ہلکا اور چھوٹا ہو وہ درخت پر چڑھے۔ سب یک زبان ہو کر بولے اس لڑکے سے زیادہ ہلکا ہمیں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ انہوں نے لڑکے کو اوپر چڑھا دیا تو اس نے کہا اے لڑکے! درخت کا کوئی پھل نہ چھویو کیونکہ اگر کسی نے تجھے دیکھ لیا تو تجھے نقصان پہنچائے گا۔ لڑکے نے پوچھا پھر کیا کروں؟ انہوں نے کہا درخت میں چھپ کر بیٹھ جا اور ہر شاخ کو اتنے زور سے ہلا کہ اس کے سارے پھل جھڑ جائیں اور ہم انہیں چن لیں' تمام پھل جھڑ چکیں تو اتر آئیو اور اپنا حصہ لے لیجئو۔ لڑکے نے درخت پر چڑھ کر ایک ایک شاخ ہلا ڈالی اخروٹ گرنے اور چور انہیں اکٹھا کرنے لگے۔ وہ اسی میں لگے ہوئے تھے کہ درخت کا مالک آ پہنچا اور ان سے کہنے لگا تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم یہاں سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک لڑکا درخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ خیال کرکے کہ وہ اس کا مالک ہو گا ہم نے اس سے کہا کچھ پھل ہمیں کھانے کو دے' اس نے چند ڈالیاں ہلائیں اور اخروٹ جھڑ پڑے۔ مالک نے لڑکے سے کہا تو کیا کہتا ہے؟ وہ بولا یہ لوگ جھوٹے ہیں' میں تجھ سے سچ کہتا ہوں ہم سب ایک ساتھ یہاں آئے تھے' انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس درخت پر چڑھ کر شاخیں ہلا تا کہ اخروٹ جھڑ پڑیں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ درخت والے نے کہا کہ تو نے اپنے آپ کو بڑی آفت میں ڈال دیا۔ لیکن یہ بتا کہ تو نے کچھ کھایا بھی؟ لڑکے نے جواب دیا کچھ نہیں۔ درخت والا بولا اب مجھے معلوم ہو گیا کہ تو بے وقوف بھی ہے اور ناسمجھ بھی کیونکہ تو نے دوسروں کے فائدے کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ اس کے بعد اس نے چوروں سے کہا چلتے بنو تم سے میری کوئی غرض نہیں اور لڑکے کو پکڑ کر خوب مارا۔

یہی حال تیرے وزیروں اور حکام کا ہے کہ وہ اپنے فائدے کے لئے تجھے ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں اور تیرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جو چوروں نے لڑکے کے ساتھ کیا۔ بادشاہ بولا تو ٹھیک کہتی ہے میں نہ ان کے پاس جاؤں گا نہ اپنے مزوں سے دست کش ہوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے رات بھر اپنی بیوی کے ساتھ بڑے مزے اڑائے۔

صبح ہوئی تو وزیر' حکام اور رعایا کو لے کر خوش خوش بادشاہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا لیکن بادشاہ نے نہ تو دروازے کھولنے کی اجازت دی نہ باہر آیا اور نہ انہیں اندر بلایا۔ جب ناامیدی ہو گئی تو انہوں نے وزیر سے کہا اے فاضل اور ماہر حکیم دیکھا کہ اس کمسن اور کم عقل لڑکے نے کیا کیا' گناہگار تو تھا ہی اب جھوٹا بھی ہو گیا' وعدہ کرکے پھر گیا۔ اب تو ایک بار اور اس کے پاس جا اور دیکھ کہ وہ کیوں نہیں باہر آیا۔ اب ہمیں اس کی بد طینتی کا یقین آ گیا ہے اور اس کی سخت دلی کی انتہا ہو گئی ہے۔

الغرض شماس دوبارہ بادشاہ کے پاس گیا اور اسے سلام کرکے کہا' اے بادشاہ! تو نے پھر تھوڑی سی لذت کے پیچھے بڑے بڑے کام چھوڑ دیئے۔ تیری مثال اس شخص کی ہے جس کے پاس ایک اونٹنی تھی اور وہ اس کا دودھ دوہا کرتا تھا۔ ایک روز اس کا دودھ اسے اتنا بھلا معلوم ہوا کہ اس کی ڈوری ڈھیلی چھوڑ دی۔ اونٹنی بھاگ کر جنگل میں چلی گئی اور اسے اونٹنی اور دودھ دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اے بادشاہ! تجھے ایسی بات کرنی چاہیے۔ جس میں تیرا بھی فائدہ ہو اور رعیت کا بھی بھلا ہو۔ انسان کو یہ زیبا نہیں کہ اگر اسے کھانے کی ضرورت ہو تو وہ دن رات باورچی خانے کے دروازے پر بیٹھا رہے اسی طرح اگر اسے عورتوں کی طرف میلان ہو تو ہمیشہ ان کے ساتھ صحبت رکھے جس طرح کھانے کا یہ مقصد ہے کہ بھوک کی تکلیف دور ہو جائے اور پینے کا مقصد یہ ہے کہ پیاس بجھ جائے اسی طرح سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں دو گھنٹے عورتوں کے ساتھ گزارے' باقی وقت اپنی رعایا کی اصلاح میں صرف کرے' ورنہ عقل اور تندرستی دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ آدمی کو یہ بھی چاہیے کہ ان کے قول و فعل پر بھروسہ نہ کرے۔ بہت لوگ اپنی عورتوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہو گئے

ہیں۔ ان میں سے ایک تو اس وجہ سے ہلاک ہوا کہ وہ اپنی بیوی کی ہر بات میں اطاعت کرتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیسے؟



## ○ ایک میاں بیوی کی کہانی

شماس نے کہا ------ ایک شوہر کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا' اس کی ہر بات سنتا اور اس کی رائے پر عمل کرتا' اس کا ایک باغ تھا جسے اس نے نیا نیا لگایا تھا ہر روز باغ کاٹ چھانٹ کرنے اور اسے سینچنے جاتا۔ ایک روز اس کی بیوی نے پوچھا' تو نے باغ میں کیا بویا ہے؟ مرد نے جواب دیا وہی چیزیں جو تجھے پسند ہیں اور میں بڑی تندہی سے اسے سینچتا اور کاٹ چھانٹ کرتا ہوں۔ بیوی بولی مجھے بھی وہاں سیر کرانے لے چل' میں اسے دیکھ کر تجھے بڑی اچھی دعا دوں گی۔ کیونکہ میری دعا قبول ہو جاتی ہے۔ میاں نے کہا اچھا میں کل تجھے لے چلوں گا' دوسرے دن صبح کے وقت وہ اپنی بیوی کو باغ میں لے گیا اسی وقت اتفاق سے دو نوجوانوں کی نظر ان پر پڑی' ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ دونوں بدکار معلوم ہوتے ہیں اور یہ بدکاری کرنے باغ میں آئے ہیں یہ کہہ کر دونوں جوان ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے کہ دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اور باغ کے ایک کونے میں چھپ گئے۔ میاں بیوی باغ میں پہنچ کر رکے۔ میاں نے کہا جس دعا کا تو نے وعدہ کیا تھا' کر۔ بیوی بولی میں اس وقت تک دعا نہ کروں گی جب تک تو میری وہ حاجت پوری نہ کر دے جو عورتوں کو مردوں سے ہوا کرتی ہے۔ میاں نے کہا یہ بری بات ہے کیا میں نے گھر میں تیری کافی حاجت روائی نہیں کی! یہاں مجھے بدنامی کا ڈر ہے۔ علاوہ اس کے میرا کام رہا جاتا ہے۔ کیا تو ڈرتی نہیں کہ کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟ بیوی بولی اس کی ہمیں پروا نہیں ہم کوئی بدکاری تو کرتے نہیں اور باغ سینچنے کے لئے تو ابھی کافی وقت پڑا ہے۔ غرض کہ اس نے میاں کا کوئی عذر نہ سنا' برابر اصرار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ آ کر اس

کے ساتھ لیٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی دونوں جوانوں نے دوڑ کر انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے تم بدکار معلوم ہوتے ہو اگر ہم بھی اس عورت کے ساتھ نہ لیٹ لیں تو ہم اس کا نالش کر دیں گے۔ مرد نے کہا ہوش سنبھالو' یہ میری بیوی ہے میں اس باغ کا مالک ہوں۔ جوانوں نے اس کی ایک نہ سنی بلکہ عورت کی طرف لپکے وہ چلانے اور اپنے شوہر کی دہائی مانگنے لگی کہ ان لوگوں کو میری آبرو نہ لینے دے۔ وہ مدد مدد چلاتا ہوا ان کی طرف بڑھا لیکن ایک جوان نے اس کی طرف بڑھ کر خنجر مارا اور وہ مر گیا پھر دونوں نے اطمینان سے عورت کی آبرو لی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو بیسویں رات

نو سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اسے نیک نہاد بادشاہ ------- یہ قصہ سن کر شماس نے کہا اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی اس لئے سنائی ہے کہ مرد کو عورت کی بات سننی یا اس کا کہنا ماننا نہیں چاہیے۔ اس کے مشورے پر ہرگز نہ چلے خبردار حکمت اور علم کا لباس اتار کر جہل کا لباس نہ پہن! نہ سیدھی اور مفید رائے جاننے کے بعد فاسد رائے کی پیروی کر۔ شماس کی یہ باتیں سن کر بادشاہ نے کہا خدا کو منظور ہے تو کل ضرور میں ان سے ملوں گا۔ شماس باہر گیا اور حاضرین کو بادشاہ کا پیغام سنا دیا۔ جب عورت کو بادشاہ کی باتوں کا پتا چلا تو بادشاہ کے پاس گئی اور کہا رعیت تو بادشاہ کی غلام ہوتی ہے لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو رعیت کا غلام ہے تو ان سے ڈرتا ہے' وہ محض تیرے دل کا امتحان لے رہے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تو کمزور ہے تو وہ تجھے ذلیل کر ڈالیں گے اور اگر وہ دیکھیں گے تو بہادر ہے تو تجھ سے ڈریں گے۔ وزیر لوگ اپنے بادشاہ کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ بڑے جاں باز ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی چالوں کا کچا چٹھا تجھ سے کہہ دیا ہے اگر تو ان کے کہنے پر چلا تو وہ تیری حکومت چھین کر مطلب حاصل کر لیں گے اور تجھے لگا تار ادھر سے ادھر دھکیلتے رہیں گے یہاں تک کہ تو ہلاک ہو جائے گا اور تیری مثال سوداگر اور چوروں کی سی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟

- ### سوداگر اور چوروں کی کہانی

اس نے کہا ایک سوداگر تھا جس کے پاس بہت دولت تھی۔ ایک بار وہ تجارت کا سامان لے کر کسی شہر میں بیچنے گیا وہاں پہنچ کر ایک مکان کرائے پر لیا اور اس پر چند

چوروں کی نظر پڑی جو سوداگروں کا مال چرانے کا غرض سے ان کی گھات میں لگے رہا کرتے تھے۔ وہ سوداگر کے گھر پر پہنچے اور اندر گھسنے کی بہت ترکیبیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ان کے سرغنہ نے کہا اچھا میں اس کا بیڑا اٹھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے طبیبوں کا بھیس بدلا اور دواؤں کی ایک تھیلی کندھے پر رکھ' کر آواز لگانی شروع کی کہ ہے کسی کو طبیب کی ضرورت؟ آواز لگاتے لگاتے سوداگر کے گھر پہنچا دیکھا کہ وہ کھانے پر بیٹھا ہوا ہے اور کہنے لگا تجھے طبیب کی ضرورت تو نہیں؟ سوداگر بولا نہیں لیکن آ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا۔ چور نے اسے دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ اب میرا داؤں چل گیا اور اس نے سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر کہا چونکہ میرے اوپر تیرے نمک کا احسان ہے میرا فرض ہے کہ تجھے نصیحت کروں اور وہ یہ ہے کہ تو بڑا پیٹو ہے اس لئے تیرا معدہ صحیح نہیں اگر تو نے جلد اس کا علاج نہ کیا تو مرجائے گا۔ سوداگر بولا میں تندرست ہوں اور میرا معدہ نہایت قوی ہے۔ اگرچہ میں بہت کھاتا ہوں تاہم میرے جسم میں کوئی بیماری نہیں اور میں خدا کا شکر گزار ہوں۔ چور نے کہا تجھے ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تجھے پوشیدہ مرض ہے۔ میرا کہنا مان اور اپنا علاج کرا۔ سوداگر بولا ایسا طبیب کہاں سے لاؤں جو میرا علاج کرے؟ چور نے کہا اصل علاج کرنے والا تو خدا ہے لیکن مجھ سا طبیب بھی حتی الامکان بیمار کا علاج کر سکتا ہے۔ سوداگر نے کہا اگر میری دوا تیرے پاس ہے تو دکھا اور اس میں سے کچھ مجھے دے۔ چور نے اسے ایک سفوف دیا جس میں ایلوا ملا ہوا تھا اور کہا آج رات کھا لیجئو۔ سوداگر نے دوا لے لی' رات کے وقت اسے کھایا دیکھا کہ وہ کڑوی اور بدمزہ ہے لیکن اسے کچھ شک نہ ہوا۔ دوا کھانے کے بعد اسے ہلکا پن معلوم ہوا' دوسرے دن رات کو پھر چور آیا اور اسے ایک اور خوراک دی جس میں پہلی دوا سے زیادہ ایلوا ملا ہوا تھا۔ اسے کھانے کے بعد سوداگر کو دست آنے لگے لیکن اس نے صبر کیا اور برا نہ مانا۔ اب جبکہ چور نے دیکھا کہ سوداگر کو اس پر بھروسہ ہو گیا ہے اور جو وہ اسے دے گا وہ کھا لے گا تو اس نے ایک قاتل دوا لا کر اسے دی سوداگر نے اسے

پی لیا اور اس کی آنتیں کٹ گئیں۔ صبح ہوتے ہوتے اس کی جان نکل گئی اور چور تاجر کا سارا سامان لے اڑا۔

اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی محض اس وجہ سے کہی ہے کہ تو اس دغاباز کا کہنا نہ سن ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا تو سچ کہتی ہے میں ہر گز ان سے ملنے نہ جاؤں گا۔ صبح ہوئی تو لوگ بادشاہ کی ڈیوڑھی پر آئے اور دن کا بڑا حصہ وہاں بیٹھے بیٹھے گزار دیا۔ جب انہیں ناامیدی ہو گئی تو وہ پھر شماس کے پاس گئے اور کہا دیکھو یہ جاہل لڑکا ہمارے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ ملک اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کی جگہ دوسرا بادشاہ ہو تاکہ ہمارا انتظام اچھا ہو سکے لیکن ایک بار اور اس کے پاس جا اور اسے سمجھا دے کہ محض اس کے باپ کے احسانات اور عہدو پیماں کی وجہ سے ہم اس کے خلاف بلوا کرنے اور اس کا ملک چھین لینے سے درگزر کر رہے ہیں۔ کل ہم سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار لے کر جمع ہوں گے اور قلعے کا دروازہ توڑ ڈالیں گے اگر وہ نکلا اور جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کیا تو خیر ورنہ ہم گھس کر اسے قتل کر ڈالیں گے اور کسی دوسرے کو بادشاہ بنا لیں گے۔ وزیر شماس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا تو اپنی شہوتوں اور کھیل کود میں مشغول ہو کر یہ کیا بلا اپنے سر لایا ہے! نہ معلوم کون تجھے اس پر ابھار رہا ہے اگر تو اپنے اوپر یہ ظلم ڈھا رہا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری سمجھ پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کس نے تجھے علم کے بدلے جہالت میں' وفا کے عوض بے وفائی میں اور نرم دلی چھڑا کر سنگ دلی میں ڈال دیا ہے ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں تین بار نصیحت کروں اور تو نہ مانے تجھے نیک مشورہ دوں اور تو اس کے خلاف کرے! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تیری رعیت اس پر تلی کھڑی ہے کہ تیرے محل میں گھس کر تجھے قتل کر دے اور کسی اور کو بادشاہ بنا لے۔ اگر تجھے دنیا میں اور رہنا اور بادشاہت کرنا ہو تو ہوش میں آ ملک کا انتظام اور لوگوں پر اپنی قوت کا اظہار کر۔ معذرت کرکے انہیں سمجھا بجھا ورنہ وہ تیرے ہاتھ سے ملک چھین لیں گے اور دوسرے کے سپرد کر دیں گے کیونکہ وہ نافرمانی اور

مخالفت پر آمادہ ہو چکے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ تو کمسن ہے' لہو و لعب اور شہوت پرستی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ پتھر کتنے ہی زمانے تک کیوں نہ پانی میں پڑے رہیں جب تو انہیں نکال کر ایک دوسرے پر مارے گا تو ان میں سے آگ نکلے گی۔ تیری مثل اب لومڑی اور بھیڑیے کی سی ہونی والی ہے۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو اکیسویں رات

نو سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب شماس نے کہا کہ تیری مثل لومڑی اور بھیڑیے کی سی ہونے والی ہے تو بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟



- لومڑی اور بھیڑیے کی کہانی

شماس نے کہا ایک بار چند لومڑیاں کچھ کھانے کی چیز ڈھونڈ رہی تھیں کہ انہیں ایک مرا ہوا اونٹ ملا' وہ کہنے لگیں کہ اب ہمیں بہت دنوں کے لئے کھانا مل گیا ہے لیکن ہمیں ڈر ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے لگیں اور مضبوط کمزور کو نہ دبا لے۔ ایسا ہوا تو کمزور ہلاک ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایک حاکم تلاش کریں جو ہمارا حصہ بخرہ کر دیا کرے تاکہ پھر طاقتور کی کمزور کے خلاف کچھ نہ چلے۔ ان میں یہی صلاح مشورہ ہو رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آ پہنچا لومڑیاں آپس میں کہنے لگیں کہ اگر سب کی رائے ہو تو اس بھیڑیے کو اپنا حاکم بنا لیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ پہلے بھی اس کا باپ ہمارا بادشاہ تھا اور ہم خدا سے امید رکھیں کہ وہ ہمارے درمیان انصاف کرے۔ یہ کہہ کر لومڑیاں بھیڑیے کے پاس گئیں اور کہا کہ ہم تجھے اپنا حاکم بناتے ہیں' تو ہم میں سے ہر ایک کو ضرورت کے موافق دے تاکہ ہم میں سے زبردست کمزور پر ظلم نہ کرے اور ہم آپس میں کٹ نہ مریں۔ بھیڑیے نے منظور کر لیا اور اس دن کے لئے ان میں کافی حصہ تقسیم کر دیا لیکن دوسرے دن وہ اپنے دل میں کہنے لگا اگر میں اس اونٹ کو اسی طرح ان کمزوروں میں بانٹتا رہا تو مجھے بھی اتنا ہی ملے گا جتنا کہ انہوں نے میرے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر میں اکیلا اسے

کھاؤں گا تو وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتیں کیونکہ وہ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے ایسی ہیں جیسے بھیڑ بکریاں' میں کیوں نہ خود قبضہ کر لوں۔ غالباً خدا نے اپنی طرف سے یہ نعمت میرے لئے بھیج دی ہے پھر میں ان کا احسان کیوں اٹھاؤں! بہتر ہے کہ میں اونٹ کو اپنے لئے مخصوص کر لوں اور انہیں کچھ نہ دوں۔

صبح ہوئی تو لومڑیاں دستور کے مطابق بھیڑیئے کے پاس اپنا روزینہ لینے گئیں' بھیڑیئے نے جواب دیا کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ باقی نہیں۔ لومڑیاں پریشان ہو کر وہاں سے چل دیں اور کہنے لگیں کہ خدا نے ہمیں بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ یہ خبیث خائن خدا سے بھی نہیں ڈرتا اور ہم اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے۔ ایک لومڑی بولی آج وہ بہت بھوکا ہو گا' اسے پیٹ بھر کر کھا لینے دو اور کل پھر اس کے پاس چلیں۔ دوسرے دن لومڑیوں نے اس کے پاس جا کر کہا اے ابو سرحان! ہم نے تو تجھے اس لئے اپنے اوپر حاکم مقرر کیا تھا کہ تو ہم میں سے ہر ایک کو اس کی روزی دے' طاقتور کے مقابلے میں کمزور کا انصاف کرے' جب یہ اونٹ ختم ہو جائے تو ہمارے لئے کھانا تلاش کرے اور ہم ہمیشہ کے لئے تیرے فرمانبردار اور رعایا رہیں۔ ہم نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ بھوکے ہیں' ہمارا کھانا دے اور باقی کا جو تیرا جی چاہے کر۔ بھیڑیئے نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ اس کا دل اور زیادہ سخت ہو گیا۔ انہوں نے اسے بہت منایا لیکن نہ ماننا تھا نہ مانا۔ اب لومڑیوں کی یہ رائے ہوئی کہ ہم شیر کے پاس چل کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کرکے اونٹ اس کے حوالے کر دیں اگر اس نے ہمیں اس میں سے کچھ دے دیا تو اس کی مہربانی ہے ورنہ اس خبیث سے تو وہی زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ شیر کے پاس جا کر انہوں نے بھیڑیئے کا سارا قصہ سنایا اور کہا ہم تیرے غلام ہیں اور تجھ سے مدد لینے آئے ہیں تو اس بھیڑیئے سے ہماری جان چھڑا ہم ہمیشہ تیرے فرمانبردار رہیں گے۔ لومڑیوں کی یہ باتیں سن کر شیر کی حمیت جوش میں آ گئی اور وہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ جوں ہی بھیڑیئے کی نظر شیر پر پڑی وہ بھاگا لیکن شیر اس کے پیچھے دوڑا پکڑ کر اس کے تکے بوٹی کر ڈالی اور لومڑیوں کا شکار ان

کے حوالے کر دیا۔
اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ کو رعیت کے معاملے میں پہلو تہی نہ کرنی چاہیے' لہٰذا میری نصیحت مان لے اور جو وعدہ تو نے ان کے ساتھ کیا ہے اسے پورا کر۔ تیرے باپ نے مرنے سے پہلے تجھے یہ وصیت کی تھی کہ نصیحت مانیو۔ یہی آخری بات ہے جو میں تجھ سے کہنا چاہتا تھا اور بس۔ بادشاہ بولا میں تیری بات تسلیم کرتا ہوں خدا نے چاہا تو کل ان سے ملوں گا۔ شماس نے باہر آ کر لوگوں سے کہا کہ بادشاہ نے میری نصیحت مان لی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ کل باہر آ کر تم سے ملے گا اور بادشاہ کی بیوی نے جو شماس کو یہ کہتے سنا اور اسے یقین آ گیا کہ اب بادشاہ ضرور اپنی رعایا سے ملنے جائے گا تو وہ فوراً اس کے پاس دوڑی ہوئی گئی اور کہا کتنے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے غلاموں کے حکم کی تعمیل کرتا ہے یہ وزیر تو تیرے غلام ہیں' پھر تو نے انہیں اتنا سر چڑھا رکھا ہے وہ سمجھتے ہیں گویا انہی نے تجھے بادشاہت اور حکومت دے رکھی ہے اور وہی تیرے ساتھ بخشش کرتے ہیں حالانکہ وہ تیرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ تجھے ان کی خوشامد کرنی نہیں چاہیے بلکہ انہیں چاہیے کہ تیری خوشامد کریں اور تیرا حکم مانیں' آخر تو کیوں اتنا ان کے رعب میں آ گیا ہے؟ اگر تیرا دل فولاد کی طرح نہیں تو تو بادشاہ ہونے کے قابل نہیں۔ تیری نرمی کی وجہ سے ان کی یہ ہمت ہو گئی ہے کہ وہ تجھے حکم دیتے ہیں حالانکہ انہیں چاہیے کہ وہ تیری فرمانبرداری کریں اور تیرا حکم مانیں۔ میری بات مان اور ان کا کہنا نہ سن ورنہ تیری مثال بھی چرواہے اور چور کی سی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا قصہ ہے؟

- چرواہے اور چور کی کہانی

عورت نے کہا ایک چرواہا بھیڑوں کا گلہ جنگل میں چرایا اور ان کی خوب حفاظت کیا کرتا

تھا۔ ایک رات ایک چور بھیڑیں چرانے آیا لیکن اس نے دیکھا کہ چرواہا ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ رات بھر وہ گھات میں لگا رہا آخر ایک بھیڑ بھی چرا نہ سکا۔ جب کوئی تدبیر نہ چلی تو اس نے جنگل میں جا کر ایک شیر مارا اس کی کھال اتار کر اس میں بھس بھر دیا اور اسے ایک ایسی اونچی جگہ لا کر رکھا کہ چرواہا دیکھ سکے اور یقین کر سکے کہ وہ شیر ہے۔ اس کے بعد چور نے چرواہے کے پاس آ کر کہا' شیر نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تا کہ تو اس کے رات کے کھانے کے لئے بھیڑیں دے۔ چرواہے نے پوچھا شیر کہاں ہے؟ چور بولا آنکھ اٹھا کر دیکھ' وہ کھڑا ہے۔ چرواہے نے آنکھ اٹھا کر دیکھا سمجھا کہ واقعی شیر ہے اسے دیکھ کر سہم گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- نو سو بائیسویں رات

نو سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- چرواہا اتنا ڈرا کہ چور سے کہنے لگا بھائی جو تیرا جی چاہے لے جا' مجھے کوئی عذر نہیں۔ چور جتنی بھیڑیں چاہتا تھا لے گیا۔ چرواہے کو خوفزدہ دیکھ کر اس کی اتنی ہمت بڑھ گئی کہ آئے دن آتا اور شیر کے نام سے اسے ڈرا کر جتنی بھیڑیں چاہتا لے جاتا یہاں تک کہ وہ اپنے گلے کا بڑا حصہ کھو بیٹھا۔



اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی اس لئے سنائی ہے کہ کہیں تیرے امراء گھمنڈ میں آ کر تیرے سر نہ چڑھ جائیں۔ ان کی ان حرکتوں سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ بادشاہ نے اس کا کہنا مان لیا اور کہا میں ان کی ہرگز نہ سنوں گا اور نہ جا کر ان سے ملوں گا۔ صبح کو سارے وزیر امیر اور شریف ہتھیار لے بادشاہ کے محل پر پہنچے تاکہ اس پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیں اور دوسرا بادشاہ منتخب کریں۔ انہوں نے دربان سے کہا دروازہ کھول لیکن اس نے نہ کھولا انہوں نے آگ منگوائی کہ دروازوں کو جلا کر اندر گھس جائیں۔ دربان دوڑا ہوا بادشاہ کے پاس گیا اور کہا لوگ دروازے پر اکٹھا ہیں' مجھ سے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تھا میں نے انکار کر دیا تو انہوں نے آگ منگوائی ہے کہ دروازوں میں آگ لگا کر اندر گھس آئیں اور تجھے مار ڈالیں۔ اب تو کیا حکم دیتا ہے؟ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ بڑی مصیبت میں پھنسا اور عورت کو بلا کر کہا شماس نے جو کچھ کہا تھا سب ٹھیک نکلا خاص اور عام سب لوگ چاہتے ہیں کہ مجھے اور تم سب کو قتل کر دیں۔ جب دربار نے دروازہ نہیں کھولا تو انہوں نے آگ منگوائی ہے کہ محل میں آگ لگا دیں اور ہم اس کے اندر جل جائیں' اب تو کیا مشورہ دیتی ہے؟ عورت نے کہا ڈر نہیں آج کل کا زمانہ ہی ایسا ہے کہ رذیل لوگ اپنے بادشاہ کے سر چڑھ کر ناچتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا اچھا تیری رائے میں اب ہمیں

کیا کرنا چاہیے؟

عورت نے کہا اپنے سر پر پٹی باندھ لے بیمار بن کر لیٹ جا اور وزیر شماس کو بلا کہ وہ تیری حالت آ کر دیکھ جائے' جب وہ آئے تو اس سے کہینو کہ میں آج باہر نکل کر لوگوں سے ملنا چاہتا تھا لیکن بیماری کی وجہ سے مجبور ہوں تو جا کر لوگوں سے میری حالت بیان کر دے کہ میں کل باہر آ کر ان کی تمام ضرورتیں پوری کر دوں گا۔ اس سے ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ صبح ہوئی تو اپنے باپ کے دس موٹے تازے غلاموں کو بلوائیو۔ جن پر تجھے بھروسہ ہو جو تیرا حکم مانیں اور تیرا راز فاش نہ کریں۔ انہیں اپنے پاس کھڑا کرکے حکم دیجیئو کہ وہ محض ایک ایک کو تیرے پاس اندر آنے کی اجازت دیں جب ایک شخص داخل ہو تو ان سے کہینو کہ اسے پکڑ کر قتل کر دو۔ اگر وہ اس بات پر راضی ہو جائیں تو صبح سویرے اپنی کرسی دربار میں لا کر دروازہ کھلوا دیجئو۔ وہ دیکھیں گے کہ تو نے دروازہ کھلوا دیا ہے تو خوش خوش اور نڈر ہو کر تیرے پاس آئیں گے تو انہیں ایک ایک کرکے اندر بلائیو جیسا کہ میں نے کہا ہے اور اپنا مطلب پورا کیجئو لیکن ابتدا شماس سے کیجئو۔ کیونکہ وہ بڑا وزیر ہے اور بڑا سردار اسی کو سب سے پہلے قتل کیجئو پھر دوسرے کو جن کے متعلق تجھے گمان ہو کہ وہ تیری مخالفت کریں گے یا جن کی قوت سے تجھے اندیشہ ہو جب تو ایسا کر چکے گا تو پھر کسی کا زور تجھ پر نہ چلے گا تو ان سے بے غم ہو جائے گا ملک تیرے لئے صاف ہو جائے گا اور تو جو چاہیے گا کر سکے گا۔ اس تدبیر سے زیادہ اور کوئی تدبیر مفید نہیں۔

بادشاہ نے کہا تیری رائے بالکل ٹھیک ہے اور میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اس کے بعد اس نے ایک پٹی منگوا کر باندھ لی اور شماس کو اندر بلا کر کہا اے شماس! تو جانتا ہے کہ میں تجھے بہت پیار کرتا اور تیری رائے مانتا ہوں تجھے اپنے بھائی بلکہ باپ کے برابر جانتا ہوں تو نے مجھ سے کہا ہے کہ میں نکل کر اپنی رعایا سے ملوں مجھے یقین ہے

کہ تیری رائے ٹھیک ہے اور میں نے کل ارادہ کر لیا تھا کہ آج نکلوں گا لیکن میں بیمار پڑ گیا اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ ملک والے مجھ سے ناراض ہیں اور میرے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہتے ہیں جو ان کی شان کے خلاف ہے انہیں معلوم نہیں کہ میں بیماری میں مبتلا ہوں۔ تو جا کر ان سے میرا حال بیان کر دے اور میری طرف سے معذرت کر میں ان کی ہر بات ماننے کے لئے تیار ہوں اور جو وہ پسند کریں وہی کروں گا۔ تو میری طرف سے انہیں سمجھا دے تو میرا بھی مشیر ہے اور میرے باپ کا بھی تو ہی مشیر تھا تو لوگوں میں ہمیشہ سمجھوتہ کراتا رہا ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو میں کل باہر نکل کر ان سے ملوں گا اور امید ہے کہ اپنی نیک نیتی اور خیر خواہی کی بدولت میں آج رات ہی تندرست ہو جاؤں۔ شماس نے خدا کے آگے سجدہ کیا بادشاہ کو دعا دی اس کے ہاتھ چومے اور خوش خوش باہر نکل کر لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ انہیں ان کے ارادے سے روکا' بادشاہ کے نہ نکلنے کی وجہ سنائی اور کہا اس نے کل نکلنے اور تمہارے کہنے پر عمل کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ سن کر سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو تیئس ویں رات

نو سو تیئس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- یہ سن کر سب لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے‘ ادھر بادشاہ نے اپنے باپ کے غلاموں میں سے دس مسٹنڈوں کو چھانٹ کر بلوایا جو بڑے مضبوط اور بہادر تھے ان سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ میرا باپ تمہاری کتنی عزت اور توقیر کرتا تھا اب میں تمہارا درجہ اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن پہلے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ آیا تم میرا ساتھ دو گے اور میرے بھید کو پوشیدہ رکھو گے۔ اگر تمہیں منظور ہے تو جتنا تم احسان چاہتے ہو میں اس سے زیادہ کروں گا۔ دسوں نے یک زبان ہو کر کہا جو کچھ ہمارے آقا کا حکم ہو گا اس کی ہم تعمیل کریں گے۔ تیرا کہنا مانیں گے کیونکہ تو ہمارا مالک ہے۔ اس نے کہا خدا تمہیں نیک بدلے دے! اب سنو میں کیوں تم پر احسان کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا باپ اپنی رعیت پر کتنا احسان و اکرام کیا کرتا تھا۔ اس نے ان کے ساتھ عہد و پیماں باندھا تھا کہ وہ میرا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور میری نافرمانی نہ کریں گے پھر تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کل وہ مجھے قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کی احسان فراموشی کے بدلے میں چاہتا ہوں کہ جس کی طرف میں اشارہ کروں اسے تم چپکے سے قتل کر دو۔ جب امراء اور روسا قتل ہو جائیں گے تو میرے ملک سے بلا دور ہو جائے گی۔ میں کل اسی جگہ کمرے میں بیٹھوں گا‘ ایک ایک کرکے انہیں اندر بلاؤں گا اور حکم دوں گا کہ لوگ ایک دروازے سے اندر آئیں اور دوسرے سے باہر جائیں۔ تم لوگ میرے سامنے کھڑے رہنا میرا اشارہ سمجھنا جو اکیلا اندر آئے اسے اس کمرے میں لے جا کر قتل کر دینا اور اس کی لاش چھپا دینا۔ انہوں نے جواب دیا تیرا کہنا اور حکم سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد اس نے انہیں انعام دیا اور وہ اپنے اپنے گھر جا کر سو رہے۔

سویرا ہوا تو بادشاہ نے انہیں طلب کیا' تخت بچھوایا' شاہی لباس پہنا' فیصلوں کی کتاب ہاتھ میں لی حکم دیا کہ دروازہ کھول دیا جائے اور ایک ایک کرکے درجہ بہ درجہ انہیں



اندر بلوایا۔ دستور کے مواقف سب سے پہلے شماس آیا وہ سب سے بڑا وزیر تھا اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ یک بہ یک دسوں غلاموں نے اسے پکڑ لیا اور کمرے میں لے جا کر قتل کر دیا۔ یہی حشر باقی وزراء علماء اور صلحا کا ہوا۔ ایک ایک کرکے قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ سب ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ تمام بہادروں اور شجاعوں کی بھی گردنیں اڑا دی جائیں۔ جلادوں نے چھانٹ چھانٹ کر انہیں بھی قتل کر دیا۔ سوائے عوام الناس کے اور کوئی باقی نہ رہا اور بادشاہ سلامت اپنے عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے اور اتنا ظلم و جور ہونے لگا کہ اس سے پہلے کسی نے سنا بھی نہ ہو گا۔ اس بادشاہ کے ملک میں سونے' چاندی' یاقوت اور جواہرات کی کانیں تھی' آس پاس کے سارے بادشاہ اس پر رشک کرتے اور چاہتے تھے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ ایک پڑوسی بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ اب میری من مانی مراد پوری ہو گئی اور میں اس جاہل لڑکے کے ہاتھ سے یہ ملک چھین لوں گا کیونکہ اس نے حکومت کے سرداروں اور ملک کے تمام بہادروں کو مروا ڈالا ہے۔ یہ وقت غنیمت ہے وہ کم عمر ہے اسے لڑائی کا بالکل تجربہ نہیں اور تجربہ کار کوئی باقی نہیں جو اسے ٹھیک راہ پر چلائے اور اس کی مدد کرے۔ میں اس کے ساتھ ایک چال چلتا ہوں اسے ایک خط لکھتا ہوں جس میں میں اسے لعنت ملامت کروں گا' دیکھوں وہ کیا جواب دیتا ہے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے اپنے وزیروں' عالموں اور بہادروں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اپنے آپ کو کس بلا میں ڈال رکھا ہے یہاں تک اگر کوئی تجھ پر دھاوا کر دے تو اسے روک بھی نہیں سکتا۔ یہ خدا کا کرنا ہے کہ اس نے مجھے تیرے اوپر غالب کر دیا۔ لہٰذا میری بات سن میرا حکم مان اور بیچ سمندر میں میرے لئے ایک عالی شاہ محل بنوا دے اگر

تو یہ نہیں کرتا تو اپنا ملک چھوڑ دے اور اپنی جان لے کر بھاگ جا ورنہ میں ہند اقصیٰ سے بارہ رسالے بھیجوں گا جن میں بارہ بارہ ہزار جنگجو ہوں گے وہ تیرے ملک میں گھس کر تیری دولت لوٹ لیں گے' مردوں کو مار ڈالیں گے اور عورتوں کو گرفتار کر لائیں گے۔ ان کا سردار میں اپنے وزیر بدیع کو بناؤں گا اور اسے حکم دوں گا کہ وہ تیرے شہر کا سخت محاصرہ کرے یہاں تک کہ وہ فتح ہو جائے اس قاصد غلام کو میں نے حکم دیا ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ تیرے پاس نہ ٹھہرے اگر تو نے میرا حکم مان لیا تو تو بچ جائے گا ورنہ میں تیرے اوپر چڑھائی کر دوں گا۔ جب بادشاہ نے یہ خط پڑھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے' عقل جاتی رہی' اپنی تباہی کا یقین ہو گیا اب کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ مشورہ لے یا مدد چاہیے۔ اٹھ کر اپنی بیوی کے پاس گیا' اس کا چہرہ اترا ہوا دیکھ کر بیوی نے پوچھا اے بادشاہ! خیر تو ہے؟ اس نے جواب دیا آج میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ ایک بادشاہ کا غلام۔ یہ کہہ کر اس نے خط کھولا اور پڑھ کر بیوی کو سنا دیا۔ یہ سنتے ہی وہ رونے پیٹنے اور اپنے کپڑے پھاڑنے لگی۔ بادشاہ نے کہا اس مشکل وقت میں کوئی رائے دے اور تدبیر نکال۔ اس نے جواب دیا لڑائیوں کے بارے میں عورتوں کے پاس کوئی تدبیر نہیں۔ عورتوں میں نہ قوت ہوتی ہے نہ ان کی کوئی رائے ایسی باتوں میں تو مرد قوت والے' رائے اور تدبیر والے ہیں۔ بادشاہ نے اپنی بیوی کی یہ باتیں سنیں تو اسے بڑی پشیمانی' افسوس اور تکلیف ہوئی کہ اس نے اپنے مصاحبوں اور وزیروں کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو چوبیس ویں رات

نو سو چوبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا کہ اس نے اپنے وزیروں اور رئیسوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہنے لگا کاش ایسی بری خبر آنے سے پہلے میں مر گیا ہوتا' اور وہ اپنی بیویوں سے بولا کہ تمہارے ساتھ میرا وہی حال ہوا جو تیتر کا کچھوؤں کے ساتھ۔ انہوں نے کہا وہ کیسے؟



- تیتر اور کچھوؤں کی کہانی

بادشاہ نے کہا کسی جزیرے میں چند کچھوے رہتے تھے۔ اس جزیرے میں بہت سے درخت' پھل اور نہریں تھیں۔ ایک بار ایک تیتر اڑتا ہوا ادھر سے گزرا گرمی اور تھکن کے مارے اس جزیرے میں اتر پڑا اور وہیں ٹھہر گیا جہاں کچھوے رہتے تھے۔ جب کچھوے چرتے چگتے اپنی جگہ آئے اور ان کی نظر تیتر پر پڑی تو وہ اس کی خوبصورتی پر ریجھ گئے۔ خدا کی پاکی بیان کرنے لگے انہیں تیتر سے بڑی محبت ہو گئی وہ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ سب سے خوبصورت جانور ہے اس کے ساتھ نرمی اور تواضع برتنی چاہیے۔ تیتر کو بھی اس سے انس ہو گیا اور اگرچہ وہ صبح کو اڑ کر جہاں چاہتا جاتا لیکن شام کے وقت لوٹ کر کچھوؤں کے پاس آ جاتا ایک مدت تک یہی ہوتا رہا لیکن کچھوؤں کا تیتر کے چلے جانے سے دل گھبراتا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہمیں اس تیتر سے محبت ہو گئی ہے۔ وہ ہمارا دوست بن گیا ہے اس کی جدائی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔ کیا تدبیر ہو کہ وہ دن رات ہمارے ساتھ رہا کرے؟ اب تک تو وہ اڑ جاتا دن بھر غائب رہتا ہے اور صرف رات کے وقت ہم اسے دیکھتے ہیں۔ ایک کچھوے نے کہا بھائیو! ٹھہرو میں ایک ایسی ترکیب کرتا ہوں

کہ وہ ہم سے دم بھر بھی جدا نہ ہو۔ سب بولے اگر تو نے ایسا کر دیا تو ہم تیرے غلام بن کر رہیں گے۔ جب تیتر چر چگ کر لوٹا اور کچھوؤں کے بیچ میں آ کر بیٹھا تو اس کچھوے نے آگے بڑھ کر اسے دعا دی اس کی سلامتی پر مبارک بادی اور کہا اے میرے آقا! خدا نے تیری محبت ہمارے دل میں اور ہماری محبت تیرے دل میں ڈال دی ہے اور اس بیابان میں تجھے ہمارا غم خوار بنایا ہے۔ دوستوں کا بہترین وقت وہ ہے جو ساتھ گزرے جدائی بڑی بری بلا ہے تو صبح کو چلا جاتا ہے اور شام سے پہلے لوٹ کر نہیں آتا۔ اس سے ہمیں بڑی پریشانی رہتی ہے۔ تیتر بولا مجھے بھی تم سے بڑی محبت ہے تمہارا بہت اشتیاق رہتا ہے اور تمہاری جدائی میرے لئے آسان نہیں لیکن میرے پاس اس کا علاج نہیں کیونکہ میں پرندہ ہوں محض رات کے وقت سونے کے لئے ایک جگہ ٹھہر سکتا ہوں صبح ہوتے ہی اڑ جاتا ہوں اور جہاں اس کا دل لگتا ہے چرتا جگتا ہے۔

کچھوے نے کہا تو سچ کہتا ہے لیکن پرندوں کو اکثر آرام نہیں ملتا کیونکہ جو کچھ انہیں ملتا ہے اس سے چوگنی ان کو محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ حالانکہ مقصد آرام اور راحت ہے۔ خدا نے ہمارے اور تیرے درمیان محبت اور الفت پیدا کر دی ہے۔ اس لئے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا کوئی دشمن تجھے مار ڈالے اور پھر ہمیں تیرا دیدار نصیب نہ ہو۔ تیتر بولا تو سچ کہتا ہے لیکن پھر میرے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کچھوے نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تو اپنے پر نوچ ڈال جن سے تو اتنا تیز اڑا سکتا ہے۔ آرام سے ہمارے ساتھ رہ اور اس گھنے اور میوے دار جنگل میں ہمارا کھانا کھا ہمارا پانی پی۔ اس طرح سے ہم سب اس زرخیز جگہ میں اکٹھے رہیں گے اور ایک دوسرے کی صحبت کا لطف اٹھائیں گے۔ تیتر نے اس کی بات مان لی' آرام اٹھانے کے خیال سے ایک ایک کرکے اپنے سارے پر نوچ ڈالے اور کچھوؤں کے ساتھ رہنے لگے۔ وہ اسی حالت میں رہتے تھے کہ ایک نیولا ادھر سے گزرا غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ تیتر کے پر نچے ہوئے ہیں اور وہ اڑ نہیں سکتا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت خوش

ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا اس تیتر کے پر نہیں مگر ہے موٹا تازہ اور پاس جا کر اسے پکڑ لیا۔ تیتر چلانے اور کچھوؤں سے مدد مانگنے لگا لیکن مدد دینا تو درکنار وہ اسے نیولے کے پنجے میں دیکھ کر اور دور ہٹ گئے۔ ایک دوسرے سے چمٹ گئے اور یہ دیکھ کر نیولا اسے تکلیف پہنچا رہا ہے روتے روتے ان کی آواز بلند ہو گئی۔ تیتر نے اس سے کہا سوائے رونے کے تم اور کچھ بھی کر سکتے ہو؟ وہ بولے بھائی! نیولے کے آگے ہماری کچھ نہیں چلتی جب تیتر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو کچھوؤں سے کہنے لگا جرم تمہارا نہیں ہے بلکہ میرا ہے کیوں میں نے تمہاری باتوں میں آ کر پر نوچ ڈالے جن سے میں اڑ سکتا تھا۔

اے عورتو! میں بھی تمہیں لعنت ملامت نہیں کرتا بلکہ کردنی خویش آمدنی پیش' قصور میرا ہے' میں یہ بھول گیا کہ تمہاری ہی وجہ سے ہمارے باپ آدم گناہ میں مبتلا ہوئے اور جنت سے نکالے گئے اور یہ بات بھی میرے خیال سے بالکل اتر گئی کہ ہر برائی کی جڑ تمہی ہو۔ تمہارا کہنا مان کر میں نے اپنے وزیروں اور سرداروں کو قتل کر دیا جو مجھے ہر بات میں مشورہ دیتے تھے اور میری عزت اور قوت کا سبب تھے۔ آج ان کی جگہ میرے پاس کوئی نہیں نہ کوئی ایسا دکھائی دیتا ہے جو ان کی جگہ لے سکے اور مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو پچیسویں رات

نو سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور کہا کہ اگر خدا نے میرے لئے کوئی ایسا شخص نہ بھیج



دیا جو اپنی صائب رائے سے مجھے ٹھیک راستے پر چلائے تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی خواب گاہ میں گیا اور اپنے وزراء اور حکماء پر نوحہ کرنے لگا اور کہا کاش یہ عظیم الشان لوگ ایک پہر ہی کے لئے میرے پاس آ جاتے۔ تا کہ میں ان سے معافی مانگتا انہیں ایک نظر دیکھ لیتا ان کے آگے اپنا دکھڑا روتا اور ان سے کہتا کہ تمہارے بعد میرے اوپر کیا گزر رہی ہے۔ دن بھر وہ اسی سوچ میں ڈوبا رہا۔ جب رات ہوئی تو اس نے اپنی پوشاک اتار کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر شہر میں گشت لگانے لگا کہ شاید کوئی ایسی بات اس کے کان میں پڑ جائے جس سے اس کا غم غلط ہو۔ وہ شہر کے گلی کوچوں میں پھر رہا تھا کہ اس کی نظر دو لڑکوں پر پڑی جو ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے' دونوں کم سن تھے' دونوں بارہ برس کے ہوں گے۔ بادشاہ ان کے قریب گیا تا کہ ان کی باتیں سن سکے۔

بادشاہ نے سنا کہ ایک لڑکا دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی سن! کل رات میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کھیت وقت سے پہلے کیوں سوکھ گئے ہیں۔ دوسرا بولا تو جانتا ہے کہ اس آفت کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں اگر تو جانتا ہو تو بتا۔ دوسرے نے کہا میرے باپ کے ایک دوست نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمارے بادشاہ نے اپنے وزیروں اور امیروں کو محض عورتوں کی محبت میں آ کر بے گناہ قتل کر دیا ہے کیونکہ وزیروں نے اسے ان باتوں سے منع کیا تھا جو اسے نہیں کرنی چاہئیں مگر وہ نہ مانا اور اپنی عورتوں کے کہنے پر انہیں قتل کر دیا حتیٰ کہ میرے باپ شماس کو بھی جو اس کا وزیر تھا اور اس سے پہلے اس کے باپ کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ وہ اس کا مشیر تھا لیکن

دیکھ کہ خدا اس کا بدلہ کس طرح لیتا ہے۔ پہلے لڑکے نے کہا ان کے مر جانے کے بعد اب خدا بادشاہ کے ساتھ کیا کرے گا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ہند اقصیٰ کے بادشاہ نے ہمارے بادشاہ کی توہین کی ہے ایک خط میں اسے خوب جھاڑا ہے اور لکھا ہے کہ میرے لئے بیچ سمندر میں ایک محل بنوا اور اگر تو نہ بنوائے گا تو میں بارہ رسالے بھیجوں گا۔ جن میں ایک ایک لاکھ جنگجو ہوں گے اور اس لشکر کا سردار میرا وزیر بدیع ہو گا۔ وہ تیرا ملک چھین لے گا تیرے مردوں کو قتل کر دے گا اور تیری عورتوں کو گرفتار کر لائے گا۔ ہند اقصیٰ کے ایلچی کو جو خط لے کر آیا ہے ہمارے بادشاہ نے تین روز تک ٹھہرنے کے لئے کہا ہے۔ وہ بادشاہ بڑا زبردست قوت والا ہے۔ اور اس کے ملک کی آبادی بہت بڑی ہے اگر ہمارے بادشاہ نے کسی تدبیر سے اسے روک نہ دیا تو برباد ہو جائے گا اور جب ہمارا بادشاہ ہلاک ہو جائے گا تو وہ بادشاہ ہماری روزی چھین لے گا' ہمارے مردوں کو مار ڈالے گا اور ہماری عورتوں کو پکڑ لے جائے گا۔

بادشاہ نے ان دونوں کو یہ گفتگو سنی تو وہ اور زیادہ گھبرایا اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ لڑکا بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو خط ہند اقصیٰ کے بادشاہ کے پاس آیا ہے وہ میرے پاس ہے اس کا بھید میں نے اب تک کسی اور سے نہیں کہا پھر اس لڑکے کو اس کی کیونکر خبر ہو گئی؟ یہ کہہ کر بادشاہ اس کے پاس گیا اور نرمی سے کہنے لگا' اے پیارے لڑکے! ہمارے بادشاہ کے بارے میں تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے واقعی بڑا برا کیا کہ اپنے وزیروں اور امیروں کو قتل کر دیا' سچ مچ اس سے اسے اور اس کی رعیت کا بڑا نقصان پہنچا اور جو کچھ تو کہتا ہے بالکل ٹھیک ہے لیکن بیٹا یہ تو بتا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ ہند اقصیٰ کے بادشاہ نے اسے اس مضمون کا خط لکھا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ بزرگوں کے قول کے موافق خدا پر کوئی بات پوشیدہ نہیں اور انسانوں میں روحانیت ہوتی ہے جس سے انہیں پوشیدہ بھید معلوم ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا بیٹا! تو سچ کہتا ہے اچھا اب یہ بتا کہ کوئی تدبیر ہو سکتی ہے جس سے یہ بلا اس کے

اور اس کی رعیت کے سر سے ٹل جائے؟ لڑکے نے کہا ہاں! اگر بادشاہ مجھے بلائے اور پوچھے کہ کس تدبیر سے اس کا دشمن دور ہو سکتا ہے تو میں اسے بتا دوں گا۔ بادشاہ نے کہا' کون جا کر بادشاہ کو اس کی خبر دے سکتا ہے تا کہ وہ تیرے پاس کسی کو بھیج کر تجھے بلائے؟ لڑکے نے کہا میں نے سنا ہے کہ وہ دانش مندوں کی تلاش میں ہے اگر وہ مجھے بلائے گا تو میں اس کے پاس جا کر وہ تدبیر بتاؤں گا' جس سے اسے فائدہ پہنچے اور اس کے سر سے یہ بلا ٹل جائے۔ اگر اس مشکل کام میں اس نے دیر لگائی' عورتوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول ہو گیا اور میں خود اس کے پاس گیا تو ان لوگوں کی طرح وہ مجھے بھی مروا ڈالے گا اور اس کی ملاقات میری ہلاکت کا باعث ہو گی۔ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ مجھے ناسمجھ خیال کریں گے اور میں اس مثل کا مصداق بن جاؤں گا۔ جس عالم کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہو وہ اپنے جہل میں مارا جائے گا۔

بادشاہ نے لڑکے کی باتیں سنیں تو اسے یقین آ گیا کہ وہ بڑا عقل مند اور فاضل ہے اس کی اور اس کی رعیت کی نجات اسی کے ہاتھوں ہو سکتی ہے۔ اس نے لڑکے سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور تیرا گھر کہاں ہے؟ لڑکے نے کہا یہ دیوار میرے گھر سے ملی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے اس مقام کو خوب پہچان لیا اور لڑکے سے رخصت ہو کر خوش خوش اپنے محل کو چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا لباس پہنا' کھانا پینا منگوایا اور کہہ دیا کہ عورتیں اس کے پاس نہ آئیں۔ کھانے پینے کے بعد اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس سے نجات اور مدد کی دعا مانگی اور جو حرکت اس نے اپنے علما اور روسا کے ساتھ کی تھی اس کی معافی چاہی' خدا کے آگے سچی توبہ کرکے روزہ نماز اور خیرات کا حتمی وعدہ کیا پھر اس نے اپنے خاص غلام کو بلا کر لڑکے کے مکان کا پتا دیا اور کہا کہ اسے نرمی کے ساتھ بلا لا۔ غلام نے لڑکے کے پاس جا کر کہا کہ بادشاہ تجھے انعام دینے کے لئے بلا رہا ہے۔ وہ تجھ سے کچھ پوچھے گا اور تجھے خیریت کے ساتھ تیرے گھر بھجوا دے گا۔ لڑکے نے پوچھا بادشاہ کس لئے مجھے بلاتا ہے؟ غلام نے جواب دیا

کچھ پوچھنے گچھنے کے لئے۔ لڑکے نے کہا بادشاہ کا حکم ہزار بار سر آنکھوں پر۔ لڑکا وہاں پہنچا تو پہلے خدا کے آگے سجدہ کیا پھر بادشاہ کو سلام کرکے اسے دعا دی۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دیا اور بیٹھ جانے کو کہا وہ بیٹھ گیا۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

# • نو سو چھبیسویں رات

نو سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکا بیٹھ گیا تو بادشاہ نے پوچھا کل تجھ سے کس نے باتیں کی تھیں؟ اس نے کہا اسی نے جو اس وقت باتیں کر رہا ہے۔ بادشاہ بولا پیارے! تو سچ کہتا ہے اس کے بعد بادشاہ نے اپنے پہلو میں کرسی ڈلوا کر اسے بٹھایا' کھانا منگوایا اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے۔ بادشاہ نے لڑکے سے کہا اے وزیر! تو نے کل مجھ سے چند باتیں کی تھیں منجملہ ان کے یہ کہ تیرے پاس ہند اقصٰی کے بادشاہ کی چال کا توڑ ہے۔ بتا وہ کیا تدبیر ہے کہ میں اس کی برائی سے بچ جاؤں اور تجھے اپنا وزیر بنا لوں ہر معاملے میں تیری رائے پر چلا کروں اور تیری بڑی تنخواہ مقرر کر دوں؟ لڑکے نے کہا تیری تنخواہ تجھے مبارک ہو مشورہ اور رائے اپنی عورتوں سے لیا کر جن کے کہنے پر تو نے میرا باپ شماس اور دوسرے وزیروں کو قتل کروا دیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ پشیمان ہو گیا اور ایک آہ بھر کر کہا پیارے بیٹے! کیا شماس سچ مچ تیرا باپ تھا؟ لڑکا بولا شماس سچ مچ میرا باپ اور میں واقعی اس کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ نے سر نیچا کر لیا اس کے آنسو ڈبڈبا آئے وہ خدا سے معافی کا خواستگار ہوا اور کہنے لگا بیٹا! اس کی وجہ میری جہالت اور عورتوں کی بری رائے تھی' ان کی چال بے ڈھب ہوتی ہے لیکن میں تجھ سے معافی کی درخواست کرتا ہوں۔ تجھے تیرے باپ کا عہدہ بلکہ اس سے بھی بڑا رتبہ دیتا ہوں اور جب یہ بلا ٹل جائے گی تو تجھے سونے کا طوق پہناؤں گا سب سے زیادہ معزز سواری پر سوار کروں گا اور ڈھنڈورا پٹوا دوں گا کہ یہ معزز جوان بادشاہ کے بعد دوسری کرسی کا مالک ہے اور جو کچھ تو نے عورتوں کے بارے میں کہا ہے تو میں ان سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ اب بتا کہ تو کیا تدبیر بتانا چاہتا ہے۔ تا کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے؟ لڑکے نے جواب دیا پہلے وعدہ کر تو میری رائے کے خلاف نہ کرے گا اور جس چیز سے میں

ڈرتا ہوں اس سے مجھے امان ملے گی۔ بادشاہ نے کہا میں خدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں تیری بات نہ ٹالوں گا تو میرا مشیر رہے گا جو تو کہے گا میں کروں گا اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کا گواہ خدا ہے۔ یہ سن کر لڑکے کا دل خوش ہو گیا اسے بات کرنے کی ہمت پڑی اس نے کہا اے بادشاہ! ترکیب یہ ہے کہ جو مہلت تو نے ایلچی کو دے رکھی ہے اس کے بعد جب وہ جواب لینے آئے تو ایک دن کے لئے اسے اور ٹال دیجیئو اس پر وہ یہ اعتراض کرے گا کہ اس کے بادشاہ نے اسے اتنی ہی مہلت دی ہے اور تجھ سے ضد کرے گا مگر تو اپنی بات پر اڑا رہیئو وہ ناراض ہو کر تیرے پاس سے چلا جائے گا اور شہر میں جا کر لوگوں کے سامنے خفا ہو گا اور کہے گا کہ اے شہر والو! میں ہند اقصیٰ کے بادشاہ کا فرستادہ ہوں' وہ اتنا طاقتور اور ارادے کا پکا ہے کہ اس سے لوہا بھی نرم ہو جائے۔ اس نے مجھے ایلچی بنا کر یہاں بھیجا ہے اور ٹھہرنے کی میعار مقرر کر دی ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ اگر تو مقررہ میعاد تک واپس نہ آیا تو میں تجھے سزا دوں گا جب میں نے یہاں آ کر اس شہر کے بادشاہ کو خط دیا تو اس نے اسے پڑھ کر تین دن کی مہلت مانگی۔ آج تین دن گزر چکے اور میں جواب لینے گیا تو اس نے ایک دن کی مہلت چاہی لیکن اب میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتا۔ اس لئے اپنے آقا ہند اقصیٰ کے بادشاہ کے پاس واپس جا رہا ہوں اور اس سے سارا ماجرا بیان کروں گا تم میرے اور اس کے درمیان گواہ رہنا۔

جب وہ اس قسم کی باتیں کرے گا تو اس کی خبر تجھے پہنچے گی اس وقت تو اسے بلوائیو اور نرمی سے باتیں کیجئو اور کہیئو کہ تو اپنی جان کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑا ہے کہ ہماری رعیت کے آگے ہمیں برا بھلا کہتا ہے؟ اس کی سزا تو یہ ہے کہ میں فوراً تجھے قتل کر دوں لیکن بزرگوں کا مقولہ ہے کہ بڑے لوگوں کا شیوہ معاف کرنا ہے جواب میں دیر کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ میں جواب نہیں دے سکتا! بلکہ یہ کہ میں بہت مشغول ہوں۔ یہ کہہ کر خط منگوائیو اسے دوبارہ پڑھیو پڑھ کر خوب ہنسیو اور اس سے کہیئو کہ اس کے علاوہ اور کوئی خط میرے پاس نہیں پھر تیسری بار تو اس سے یہی سوال

کیجنو اور جب وہ انکار کرے تو اس سے کہنیو کہ تمہارا بادشاہ بڑا ناسمجھ ہے وہ ایسی باتیں لکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنا لشکر لے کر اس کے ملک پر دھاوا بول دیں اور اس کی بادشاہت چھین لیں لیکن اس بار ہم اس کی گستاخی معاف کرتے ہیں کیونکہ وہ کم عقل اور پست ہمت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس بار اسے ڈرا دھمکا دیں کہ ایسی باتیں پھر نہ کرے ورنہ میں اس پر سخت بلا نازل کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو اس کے پاس کوئی عقل مند وزیر ہے جو اسے مشورہ دے نہ خود اس میں اتنی سمجھ ہے کہ ایسی بے ہودہ گوئی سے پہلے کسی وزیر سے مشورہ لیتا۔ میں بھی اس کے خط کا جواب ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر دے سکتا ہوں میں یہ خط مکتب کے کسی لڑکے کو دے دوں گا کہ وہ اس کا جواب لکھ دے۔

یہ کہہ کر تو مجھے بلوائیو اور کہنیو کہ اس خط کو پڑھ کر اس کا جواب دے دے۔

یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا' لڑکے کی رائے کو بہت پسند کیا اسے انعام دے کر اس کے باپ کا رتبہ اسے عطا کیا۔ لڑکا خوش خوش رخصت ہوا جب تین دن گزر گئے تو ایلچی نے بادشاہ کے پاس آ کر جواب مانگا بادشاہ نے ایک روز کے لئے اور ٹال دیا اس پر ایلچی نے محل سے نکل کر ویسی ہی باتیں کیں جیسا کہ لڑکے نے کہا تھا اور بازار میں جا کر کہا اے شہر والو! میں ہند اقصیٰ کے بادشاہ کے پاس سے تمہارے بادشاہ کے پاس خط لے کر آیا تھا مگر وہ جواب دینے میں آج کل کر رہا ہے جو میعاد میرے بادشاہ نے مقرر کی تھی وہ ختم ہو چکی اور تمہارے بادشاہ کے لئے اب کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ لہٰذا تم گواہ رہنا جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو اس نے ایلچی کو بلوایا اور کہا تو اپنی جان کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے کہ جو کچھ ایک بادشاہ نے دوسرے کو لکھا ہے تو اسے کہتا پھرتا ہے حالانکہ دو بادشاہوں کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں وہ راز ہے۔ لہٰذا تو سزا کا مستحق ہے لیکن ہم اس کا برا نہیں مانتے تاکہ تیرے بے وقوف بادشاہ کو جواب مل جائے۔ مناسب یہ ہے کہ اس خط کا جواب مکتب کا سب سے چھوٹا لڑکا دے۔

یہ کہہ کر اس نے لڑکے کو بلوایا' لڑکے نے آ کر خدا کے آگے سجدہ کیا اور بادشاہ کو عمر کی درازی اور عزت کی ہیشگی کی دعا دی۔ بادشاہ نے خط لڑکے کی طرف پھینک کر کہا اسے پڑھ کر فوراً اس کا جواب لکھ دے۔ لڑکے نے خط لے کر پڑھا اور مسکرا پڑا اور مسکرا کر بادشاہ سے کہا بس اسی خط کے جواب دینے کے لئے تو نے مجھے بلوایا ہے؟۔ بادشاہ نے کہا ہاں لڑکے نے کہا سر آنکھوں پر اور دوات قلم کاغذ نکال کر لکھنا شروع کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو ستائیسویں رات

نو سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکے نے دوات اور کاغذ لے کر لکھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ' سلامتی ہو اس پر جسے امن و امان اور خدا کی رحمت ملنے میں کامیابی ہو۔ اس کے بعد اے بادشاہ جس کا نام بڑا اور کام چھوٹا ہے میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تیرا خط پہنچا' میں نے پڑھا جو بے ہودہ باتیں اور خرافات کا طومار تو نے لکھا ہے میں خوب سمجھا۔ مجھے یقین آ گیا کہ تو سخت جاہل اور بدتمیز ہے ایسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے جو تیری طاقت سے باہر ہے اگر مجھے خلق اللہ کے ساتھ محبت نہ ہوتی تو میں فوراً تجھ پر چڑھائی کر دیتا۔ تیرے ایلچی نے بازار میں جا کر خط کا مضمون ہمہ شما سے بیان کیا' مجھے چاہیے تھا کہ اسے سزا دوں لیکن میں نے رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ آگے چل کر جو کچھ تو نے وزیروں' عالموں اور حکومت کے بڑے لوگوں کے قتل کے بارے میں لکھا ہے درست ہے۔ لیکن ہر ایک مقتول کی بجائے میرے پاس ایک ہزار اور ہیں جو ان سے زیادہ عالم سمجھدار اور عقل مند ہیں بلکہ میرے یہاں کا بچہ بچہ علم سے لبریز ہے اور میرا ہر سپاہی تیرے رسالے کے برابر۔ اب رہی دولت میرے یہاں واقعی سونے اور چاندی کی کانیں ہیں' ہیرے جواہرات ایسے جیسے کنکر پتھر۔ تیری یہ کیونکر ہمت پڑی جو تو لکھتا ہے کہ میں تیرے لئے بیچ سمندر میں ایک محل بنوا دوں۔ یہ تیری حماقت کی دلیل ہے تاہم میں بنوا بھی دوں گا۔ بشرطیکہ تو موجوں اور ہوا کو روک تھام لے۔ تیرا یہ گمان کہ تو مجھ پر فتح پا جائے گا غلط ہے بلکہ خدا مجھے تجھ پر فتح دے گا۔ اس بدتمیزی کا جواب تو یہ تھا کہ تجھے سزا دی جاتی خیر میں اس مرتبہ محض تجھے سمجھانے پر اکتفا کرتا ہوں۔ لہٰذا اس سال کا خراج جلد بھیج دے ورنہ میں اپنے وزیر کے ساتھ گیارہ لاکھ ہاتھی سوار بھیج کر تین برس تک

تیرا محاصرہ کروں گا اور تیرا ملک چھین لوں گا لیکن سوائے تیرے اور کسی کو قتل نہ کروں گا اور سوائے تیری عورتوں کے اور کسی کو گرفتار نہ کروں گا۔"



یہ خط لکھ کر لڑکے نے اس کے نیچے اپنی تصویر بنا دی اور تصویر کے ایک طرف لکھ دیا کہ یہ خط مکتب کے سب سے چھوٹے بچے نے لکھا ہے۔ بعدازاں اس نے خط پر مہر لگا کر بادشاہ کو دے دیا اور بادشاہ نے ایلچی کو۔ ایلچی نے اسے لے کر بادشاہ کے ہاتھ چومے خدا کا شکریہ ادا کیا' بادشاہ کی بربادی کا شکر گزار ہوا اور لڑکے کے علم و فضل پر تعجب کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اپنے بادشاہ کے پاس تین دن دیر سے پہنچا اس وقت بادشاہ دربار لگائے ہوئے تھا کیونکہ ایلچی مقررہ میعاد پر واپس نہ آیا تھا۔ ایلچی دربار میں حاضر ہوا تو اس نے سجدہ کرکے خط بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے خط لے کر اس سے پوچھا تو نے کیوں دیر لگائی اور بادشاہ ورد خان کی کیا حالت ہے؟ ایلچی نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا کہہ دیا۔ بادشاہ کے ہوش اڑ گئے اور ایلچی سے کہنے لگا ستیاناس ہو تیرا! ایسے بادشاہ کے پاس سے تو ایسی خبریں لایا ہے؟ ایلچی نے جواب دیا ابھی میرے سامنے اس خط کو کھول تاکہ تجھے سچ اور جھوٹ میں فرق معلوم ہو جائے۔ اب بادشاہ نے خط کھول کر پڑھا اس میں لڑکے کی تصویر دیکھی جس نے خط لکھا تھا اور اسے یقین آگیا کہ اب اس کا ملک ہاتھ سے گیا اور نہ معلوم اس کا کیا حشر ہو گا؟ اس کے بعد اس نے اپنے وزیروں اور سرداروں کے آگے وہ خط پڑھا ان سے سارا ماجرا کہا۔ وہ سب کے سب کانپ اٹھے لیکن ظاہراً بادشاہ کو اطمینان دلاتے رہے۔ بڑے وزیر بدیع نے کہا اے بادشاہ جو کچھ میرے بھائی وزراء تجھ سے کہہ رہے ہیں بے فائدہ ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تو اس بادشاہ کے نام ایک اور خط لکھ اس میں معذرت کر اور اسے جتا کہ میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور تجھ سے پہلے تیرے باپ سے محبت رکھتا تھا۔ پہلا خط میں نے محض بطور امتحان کے لکھا تھا کہ دیکھو تیری ہمت' بہادری علم اور عمل کس درجے کے ہیں اب میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ تیرا ملک تجھے مبارک

کرے' تیرا ملک اور زیادہ مضبوط کرے۔ یہ خط ایک دوسرے ایلچی کے ہاتھ بھیج دیا۔ بادشاہ نے کہا خدا کی قسم یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے' یہ کیسے ہوا کہ وہ بادشاہ اپنے



ملک کے علماء عقل مندوں اور سرداروں کے قتل کے بعد بھی اتنا بڑا ہو اس کا ملک خوش حال ہو اور اس میں اتنی قوت ہو؟ سب سے زیادہ اچنبھے والی یہ بات ہے کہ مکتب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے بادشاہ کی طرف سے ایسا خط لکھ سکتے ہیں۔ میں نے لالچ میں آ کر یہ آگ بھڑکا دی ہے اور اب سوائے میرے اس وزیر کے اسے کوئی بجھا نہیں سکتا یہ کہہ کر اس نے قیمتی قیمتی تحفے تحائف غلام باندیاں اور بڑا جلوس تیار کیا ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اس کے بعد معلوم ہو کہ اے میرے پیارے بھائی جلی عاد کے بیٹے (خدا اس پر رحم کرے) زبردست بادشاہ ورد خاں! میرے خط کا جواب ملا میں نے اسے پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا اس کا مضمون دیکھ کر میں خوش ہو گیا کیونکہ زیادہ سے زیادہ میں خدا سے ہی امید رکھتا تھا۔ میری دعا ہے کہ خدا تیرا مرتبہ اور بڑھائے تیری حکومت اور مضبوط کرے اور جو تیرے دشمن تیرا برا چاہتے ہیں اس پر تجھے فتح دے۔ اے بادشاہ! سن تیرا باپ میرا بھائی تھا۔ جب تک وہ زندہ رہا میرے اور اس کے درمیان عہد و پیماں رہے اسے مجھ سے بھلائی ہی بھلائی ملا کی اور مجھے بھی اس سے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا اور تو اس کی شاہی کرسی پر بیٹھا تو مجھے بڑی خوشی اور مسرت ہوئی لیکن جب مجھے یہ خبر ملی کہ تو نے اپنے وزیروں اور بڑے لوگوں کے ساتھ یہ حرکت کی تو میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس کی خبر کسی دوسرے بادشاہ کے پاس پہنچ جائے اور اس کے دل میں تیرے ملک کا لالچ پیدا ہو اور تو بے خبری کی حالت میں اس کا شکار ہو جائے۔ میرے خط کا مقصد تجھے آگاہ کرنا تھا لیکن تیرا جواب پڑھ کر مجھے اطمینان ہو گیا خدا تیرا ملک تجھے مبارک کرے اور تیرا مرتبہ بڑھائے والسلام اس نے تحفے تحائف تیار کر کے سو سواروں کے ہاتھ روانہ کیے۔

## • نو سو اٹھائیس ویں رات



نو سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ہند اقصیٰ کے بادشاہ نے تحفے تحائف تیار کرکے سو سواروں کے ہاتھوں روانہ کر دیئے اور انہوں نے بادشاہ ورد خان کے پاس پہنچ کر اسے سلام کیا خط دیا ورد خاں نے خط پڑھا اس کا مطلب سمجھا اور سواروں کے رسالدار کو ایسی جگہ اتارا جو اس کی شان کے شایاں تھا اس کی بڑی عزت کی اور جو تحفے تحائف وہ لائے تھے انہیں بڑی خوشی سے منظور کیا اس کی خبر لوگوں میں مشہور ہو گئی اس کے بعد اس نے شماس کے بیٹے کو بلوایا اور اسے انعام دے کر عزت کے ساتھ رسالدار کے پاس بھیجا خط لڑکے کو دیا لڑکے نے اسے پڑھا' لڑکا رسالدار پر ناراض ہوتا رہا اور رسالدار اس کے ہاتھ چومتا معذرت کرتا اور اسے جان و مال کی دعا دیتا رہا۔ بادشاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا' اس کا احترام کیا اسے اور اس کے ساتھیوں کو ان کے رتبے کے مطابق انعام دیئے اور تحفے تحائف تیار کرکے لڑکے سے کہا کہ خط کا جواب لکھ۔ لڑکے نے جواب میں بہت اچھا آداب القاب لکھا مصالحت کا بھی ذکر کیا اور ایلچی اور اس کے سواروں کے ادب و آداب کی تعریف کی۔ خط ختم کرنے کے بعد اس نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا' بادشاہ نے کہا اے پیارے بیٹے! پڑھ تاکہ میں سنوں کہ تو نے کیا لکھا ہے لڑکے نے سب سواروں کے سامنے خط پڑھ کر سنایا۔ بادشاہ اور تمام حاضرین اس کا مطلب سمجھ کر متعجب ہو گئے۔ اب بادشاہ نے اس پر مہر لگا کر رسالدار کے سپرد کر دیا اسے رخصت کیا اور اس کے ساتھ لشکر کا ایک حصہ روانہ کیا تاکہ وہ انہیں ان کے ملک کی سرحد تک پہنچا آئے۔

یہ تو بادشاہ اور لڑکے کا ماجرا ہوا۔ اب رسالدار کا قصہ سنو۔ لڑکے کا علم و فضل دیکھ کر اس کی عقل دنگ ہو گئی۔ اس نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اتنی جلد اس کا کام ہو گیا اور بادشاہ نے صلح منظور کر لی۔ ہند اقصیٰ پہنچ کر اس نے بادشاہ کو تحفے تحائف اور خط دیا اور جو کچھ دیکھا تھا کہا۔ بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ وہ خدا کا شکر بجا لایا۔

رسالدار کا بڑا احترام کیا اس کی کارگزاری کا شکریہ گزار ہوا اس کا رتبہ بڑھا دیا اور بڑے اطمینان و بے فکری سے رہنے لگا۔



ہند اقصیٰ کے بادشاہ کی کیفیت معلوم ہو گئی اب بادشاہ درد خان کا حال سنو۔ اس نے اپنی بری عادتیں چھوڑ کر خدا کے آگے توبہ کی۔ عورتوں کی صحبت بالکل ترک کر کے ملک کی اصلاح کی طرف ہمہ تن مشغول ہو گیا۔ شماس کی جگہ اس کے بیٹے کو وزیر بنا لیا اور حکم دیا کہ سات دن تک شہر میں چراغاں کیا جائے' رعیت خوش ہو گئی ان کے دل سے بادشاہ کی برائی کا ڈر نکل گیا اور اس کے عدل و انصاف سے سب خوش ہو گئے۔ بادشاہ کو بھی دعا دی اور وزیر کو بھی جس نے بادشاہ اور رعیت کا غم غلط کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے وزیر سے پوچھا اب کیا تدبیر ہونی چاہیے کہ ملک ویسا ہی سر سبز و شاداب ہو جائے جیسا کہ اگلے روسا اور سیاست دانوں کے وقت میں تھا؟ وزیر نے کہا اے عالی شان بادشاہ! میری رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے دل سے گناہوں کی جڑ کو کاٹ کر پھینک دے کھیل کود' جورو ظلم اور عورتوں سے انہماک چھوڑ دے کیونکہ اگر تو گناہوں کی جڑ کی طرف دوبارہ مائل ہوا تو یہ دوسری گمراہی پہلی سے بھی بڑھ چڑھ کر ہو گی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ گناہوں کی جڑ کیا ہے جو مجھے کاٹ ڈالنی چاہیے؟ چھوٹی عمر اور بڑی عقل والے وزیر نے کہا اے عالی شان بادشاہ گناہ کی جڑ عورتوں کی محبت' ان کی طرف میلان' ان کی رائے اور تدبیر کا قبول کرنا ہے کیونکہ ان کی محبت صاف عقل کو گندہ اور سالم طبیعتوں کو پراگندہ کر دیتی ہے۔ اگر تو غور کرے تو اس بات کو خود سمجھ سکتا ہے میرے کہنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ خدا نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ عورتوں سے زیادہ میل جول نہ رکھنا چاہیے۔ ایک عقل مند بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ بیٹا! جب تو میرے بعد بادشاہ ہو تو عورتوں سے زیادہ میل جول نہ رکھیو ورنہ تیرا دل فاسد ہو جائے گا اور رائے گمراہ' ان کے زیادہ میل جول سے ان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی محبت سے رائے بگڑ جاتی ہے۔ اس کی دلیل حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام

ہیں۔ جنہیں خدا نے اتنا علم، حکمت اور حکومت دی تھی کہ کسی کو آج تک ملی بھی نہیں، ان کے باپ کی غلطی کا سبب بھی عورتیں ہی تھیں۔ اے بادشاہ! ایسی مثالیں بہت سی ہیں لیکن میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر اس لئے کیا کہ جیسی ان کی حکومت تھی کسی کی بھی نہ ہوئی یہاں تک کہ دنیا کے تمام بادشاہ ان کے فرمانبردار تھے۔ عورتوں کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور عقل تو ان میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتی۔ انسان کو چاہیے کہ عورتوں سے میل جول جتنا کم ہو سکے رکھے بالکل انہی کا ہو کر اپنے کو تباہی میں نہ گرا لے۔ اے بادشاہ! اگر تو نے میرا کہنا مان لیا تو تیرے سب کام ٹھیک ہو جائیں گے ورنہ تو ایسا پچھتائے گا کہ پھر پچھتائے کچھ نہ بنے گا۔

بادشاہ نے کہا میں نے اب عورتوں کا رجحان بالکل ترک کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- نو سو انتیس ویں رات



نو سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ورد خاں نے کہا میں نے عورتوں کی طرف رجحان تو بالکل ترک کر دیا لیکن ان کی حرکتوں کی سزا کیا دینی چاہیے کیونکہ تیرے باپ شاش کی موت کا باعث یہی عورتیں ہیں' میرا مقصد ہر گز یہ نہ تھا مجھے معلوم نہیں کہ میری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ کہ میں نے ان کی بات مان لی اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا چیخ ماری اور کہا ہائے افسوس کیا ہوا میرے وزیر کی صائب رائے کہاں گئی...... کدھر گئے۔ دوسرے وزیر اور حکومت کے بڑے بڑے لوگ! وزیر نے کہا جرم محض عورتوں کا نہیں ان کی مثال محض ایک خوب صورت کھلونے کی سی ہے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں جو کوئی انہیں خریدنا چاہتا ہے وہ اس کے ہاتھ بک جاتی ہے اور جو انہیں خریدنا نہیں چاہتا اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن جرم اسی کا ہے جو خریدتا ہے بالخصوص جب کہ وہ اس کے نقصان کو جانتا ہو۔ میں بھی تجھے اس سے خبردار کرتا ہوں اور اس سے پہلے میرے باپ نے بھی تجھے خبردار کیا تھا لیکن تو نے اس کی نصیحت نہ مانی۔ بادشاہ بولا میں گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوں اور میرے پاس سوا اس کے کوئی عذر نہیں کہ خدا کا یہی حکم تھا۔ وزیر نے کہا' اے بادشاہ خدا نے ہمیں پیدا کیا' ہم میں قوت دی' ارادہ اور اختیار دیا اگر ہم چاہیں ایک کام کریں نہ چاہیں نہ کریں۔ خدا نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم ایسا کام کریں جس میں نقصان ہو اور گناہ کے مرتکب ہوں۔ ہم اچھا کریں یا برا اپنے ارادے سے کرتے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ تو بالکل سچ کہتا ہے واقعی غلطی میری ہے کہ میں شہوتوں میں پڑا رہا۔ میں نے کئی بار اپنے آپ کو ڈرایا اور تیرے باپ شماس نے بھی بارہا ڈرایا۔ لیکن میرا نفس عقل پر غالب آ گیا تو مجھے ان غلطیوں سے روک سکتا ہے۔ تا کہ

میری عقل نفسانی شہوتوں پر غالب آ جائے؟ وزیر نے جواب دیا ہاں! میں ایک بات بتا سکتا ہوں جس سے تو پھر ایسی غلطی نہ کرے وہ یہ ہے کہ تو جہالت کو چھوڑ کر انصاف پسندی سے کام کرے۔ اپنی خواہشات کی نافرمانی اور اپنے مالک کی فرمانبرداری کر اپنی عادتیں ترک کرکے اپنے عادل باپ کی عادتوں کو اپنا' رہنما بنا خدا اور اپنی رعیت کے حقوق ادا کر' اپنے دین' اپنی رعیت اور ذات کی حفاظت فرض جان' ہر بات کا انجام سوچ' ظلم و جور اور فساد سے دست کش ہو' عدل و انصاف اور خضوع و خشوع پر کار بند ہو' خدا کے احکام کی تعمیل سے منہ نہ موڑ' اس کی مخلوق کے ساتھ جو اس نے تیرے سپرد کی ہے مہربانی سے پیش آ' ان سے ایسا برتاؤ کر کہ وہ تجھے ہمیشہ دعا دیں۔ اگر انہوں نے ہمیشہ تجھے دعا دی تو تیری زندگی خوشی سے گزرے گی' خدا اپنی رحمت سے تجھے معاف کرتا رہے گا اور تجھے دیکھے گا تیرا رعب مانے گا تو اپنے دشمنوں کو نیچا دکھائے گا۔ خدا ان کے لشکروں کو تباہ کر دے گا' اس کے نزدیک تو مقبول ہو گا اور خلق کے نزدیک محبوب۔ بادشاہ بولا تو نے سچ مچ میرے دل کو زندہ کر دیا' اپنی شریں کلامی سے اس میں روشنی پیدا کر دی' میری اندھی آنکھیں نورانی کر دیں۔ خدا نے چاہا تو میں تیری تمام باتوں پر کاربند رہوں گا' جن خواہشات اور گناہوں میں مشغول ہوں انہیں چھوڑ دوں گا حتی کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے گا۔ میں باوجود بڑی عمر کے مثل تیرے بیٹے کے ہوں اور تو باوصف کم عمری کے میرے باپ کی طرح۔ میرا فرض ہے کہ جو کچھ تو کہے اسے حتی الامکان پورا کروں۔ میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے تیری وجہ سے مجھے ایسے سیدھے راستے پر لگا دیا۔ جس سے میرا رنج و غم دور ہو گیا۔ تیری معرفت اور تدبیر سے میری رعیت سلامتی کے گنبد میں آ گئی اس وقت تو میرے ملک کا منتظم ہے تو ہمیشہ کرسی پر بیٹھا کرے گا اور جو کچھ تو کرے گا میں تسلیم کروں اور تیری بات کبھی نہ ٹالوں گا۔ اگرچہ تو کم سن ہے لیکن تیری عقل اور تیرا علم بہت بڑا ہے۔

وزیر بولا اے نیک بخت بادشاہ! نصیحت سے مجھے تجھ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ

تیری بخششوں کی وجہ سے یہ مجھ پر فرض ہے اور یہ حال میرا ہی نہیں بلکہ میرے باپ پر بھی تیری نعمتیں حد سے زائد تھیں۔ ہم سب تیرے احسانوں اور مہربانیوں کو تسلیم کرتے ہیں اور کیوں تسلیم نہ کریں تو ہمارا چرواہا اور حاکم ہے۔ ہمارے دشمنوں کو مار کر ہم سے بھگا دیتا ہے' ہمارا پہرے دار اور ہماری حفاظت کا ضامن ہے' ہماری سلامتی کی جان توڑ کوشش کرتا ہے اگر ہم فرمانبرداری میں اپنی جانیں بھی دے دیں تو بھی تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم دل سے خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے تجھے ہمارا ولی اور حاکم بنایا اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تیری عمر دراز کرے تجھے ہر کام میں کامیابی دے' مشکل میں ڈال کر تیرا امتحان نہ لے' تیری مراد بر لائے تمام عمر لوگوں پر تیرا دبدبہ قائم رکھے' تجھے اتنی قوت عطا کرے کہ تو ساری دنیا کا سرتاج بن جائے' تمام دشمنوں کو نیچا دکھائے' تجھے یہ توفیق دے کہ تو عالموں اور بہادروں کو اپنے ملک میں اکٹھا کرے' جاہلوں اور بزدلوں کو نکال باہر کرے اور اپنی رعیت سے گرانی اور تکلیفوں کو دور رکھے' ان میں الفت اور محبت پیدا کرے' خدا اپنے کرم و مہربانی سے تجھے دنیا میں بہبودی اور آخرت میں نیکی عطا کرے۔ آمین! وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے لئے کوئی بات دشوار نہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ وزیر کی یہ دعا سن کر بادشاہ باغ باغ ہو گیا اس سے بے حد محبت کرنے لگا اور کہا اے وزیر! سن تو میرے نزدیک مثل بھائی' بیٹے اور باپ کے ہے سوائے موت کے اب ہمیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔ میری تمام ملکیت پر تجھے خرچ کرنے کا اختیار ہے اور اگر میرے کوئی اولاد نہ ہوئی تو میرے بعد تو تخت پر بیٹھے گا کیونکہ تجھ جیسا میرے تمام ملک میں کوئی نہیں۔ میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

# • نو سو تیس ویں رات



نو سو تیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا اس کے بعد اس نے اپنے کاتب کو بلا کر کہا ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے نام لکھ کر وہ حاضر ہوں اور شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ سب خاص و عام آئیں۔ بادشاہ نے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور ایسا دستر خوان بچھوایا کہ اس سے پہلے کبھی نہ بچھا ہو گا' خاص و عام سب کو دعوت دی سب آ کر ایک مہینے تک کھایا پیا کئے۔ بادشاہ نے اپنے تمام نوکر چاکروں اور فقیروں کے پہننے کے لئے کپڑے بخشے' پڑھے لکھوں کو بڑے بڑے انعام دیئے۔ تمام عالموں اور حکیموں کا شماس کے بیٹے سے تعارف کرایا اور اس سے کہا کہ ان میں سے سات کو منتخب کرکے اپنے ماتحت وزیر بنا لے۔ شماس کے بیٹے نے چھ کو منتخب کر لیا جو عمر میں سب سے بڑے' عقل میں سب سے زیادہ قابل تھے اور انہیں بادشاہ کے پاس لے جا کر وزارت کے خلعت پہنائے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم ابن شماس کے ماتحت میرے وزیر ہو اگرچہ وہ عمر میں تم سے چھوٹا ہے لیکن عقل میں تم سب سے بڑھا ہوا ہے لہٰذا وہ جو کچھ تم سے کہے تمہیں ماننا ہو گا اور جو کچھ حکم دے اس کی تعمیل کرنی ہو گی۔ اس کے بعد بادشاہ نے انہیں وزراء کے دستور کے موافق زرروز کرسیوں پر بٹھایا ان کا روزینہ اور تنخواہیں مقرر کیں پھر ان سے کہا کہ ملک کی خدمت کے لئے ان لوگوں میں سے منتخب کر لیں جو دعوت میں حاضر تھے ہزار ہزار' سو سو اور دس دس کے سردار بنا لیں۔ بادشاہ نے ان کے بھی روزینے اور تنخواہیں مقرر کر دیں۔ جیسے کہ سرداروں کی ہوتی ہیں اور ان سے کہا کہ تمام حاضرین کو بڑے بڑے انعامات دیں اور انہیں عزت و احترام سے ان کے وطن بھیج دیں پھر اس نے اپنے والیوں کو حکم دیا کہ رعیت کے ساتھ انصاف کریں اور امیروں اور غریبوں سب کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔ وزیروں

نے دعا دی کہ اس کی عزت ہمیشہ قائم رہے اور عمر دراز ہو! بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں تین دن تک چراغاں کیا جائے۔



یہ تو ملک کے انتظام کے بارے میں بادشاہ' اس کے وزیر ابن شماس' امراء اور والیوں کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ کی ان چہیتی عورتوں کا حال سنو جن کی چالوں اور فریب کی وجہ سے وزیر مارے گئے تھے اور ملک تباہ ہو گیا جب سب لوگ رخصت ہو گئے اور ملک کا انتظام ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو بادشاہ نے اپنے بڑے وزیر کو جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا' حکم دیا کہ باقی وزیروں کو بلا جب وہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے تنہائی میں کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں اب تک سیدھے راستے سے پھرا ہوا' جہالت میں غرق' نصیحتوں اور نصیحت کرنے والوں سے برگشتہ اور عہد و پیاں کو توڑا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ان عورتوں کے ساتھ کھیل کود میں لگا رہتا' وہ مجھے اپنی بیہودہ گوئی سے مکرو فریب میں رکھتی تھیں اور میں ان کی باتوں میں آ جاتا تھا۔ کیونکہ میں ان کی شیریں بیانی اور نرم کلامی کو نصیحت سمجھتا تھا لیکن وہ قاتل زہر نکلیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ محض میری ہلاکت اور بربادی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی تھیں۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ انصاف کی بنا پر میں انہیں سزا دوں تاکہ اور لوگ ان سے عبرت پکڑیں۔ بتاؤ کس طرح سے انہیں سزا دینی چاہیے۔ وزیر ابن شماس نے کہا اے عالی شان بادشاہ! میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جرم محض عورتوں کا نہیں بلکہ اس میں وہ مرد بھی شامل ہیں جنھوں نے ان کا کہنا مانا۔ بہر حال عورتوں کو سزا دینی واجب ہے اس کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ تو بڑا بادشاہ ہے تیرا حکم ماننا چاہیے' دوسرے یہ کہ انہوں نے تیرے ساتھ بڑی دیدہ دلیری کی' تجھے دھوکا دیا' ایسی باتوں میں دخل اندازی کی جن سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اور جن کے متعلق باتیں کرنے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ وہ سزا کی مستحق ضرور ہیں لیکن جو سزا انہیں مل چکی ہے کافی ہے اب انہیں محض نوکرانیاں بنا کر رکھ۔ آگے تجھے اختیار ہے۔

بعض دوسرے وزیروں نے بھی وہی مشورہ دیا جو ابن شماس نے دیا تھا مگر ایک وزیر نے

آگے بڑھ کر بادشاہ کو سجدہ کیا اور کہا خدا بادشاہ کی عمر میں برکت دے! اگر تو ان کی بربادی پر تلا ہوا ہے تو میرا کہنا مان اور اپنی ایک چہیتی عورت سے کہہ کہ جن جن عورتوں نے تجھے دھوکا دیا ہے انہیں وہ اس کوٹھڑی میں لے جائے جہاں وزراء اور حکما قتل کیئے گئے ہیں تو انہیں وہاں قید کر دے اور انہیں بہت تھوڑا کھانا پینا دے' بس اتنا کہ وہ زندہ رہ سکیں انہیں وہاں سے نکلنے کی بالکل اجازت نہ ہو اور جو کوئی ان میں سے مر جائے اسے وہیں پڑا رہنے دے یہاں تک سب مر مٹیں۔ یہ کم از کم ان کی سزا ہے کیونکہ اس تمام فتنے کی وجہ وہی ہے اور ان پر یہ مقولہ ٹھیک اترتا ہے کہ جو اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کی رائے مان لی اور اپنی چار چہیتی عورتوں کو بلا کر مجرم عورتیں ان کے حوالے کیں اور کہا انہیں مقتولوں کی کوٹھڑی میں لے جا کر قید کر دو۔ بادشاہ نے ان کے لئے تھوڑا تھوڑا اور خراب کھانا پینا مقرر کر دیا۔ وہ اپنی کرتوت پر بہت پچھتائیں بے حد افسوس کرنے لگیں۔ خدا نے انہیں دنیا میں نامرادی دی اور آخرت میں عذاب۔ وہ برابر اس اندھیری اور بدبو دار جگہ میں پڑی رہیں' ہر روز ان میں سے دو چار مر جاتیں یہاں تک کہ سب مر مٹیں اور اس کی خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی۔ یہ تھا انجام بادشاہ' اس کے وزیروں اور رعیت کا۔ سب تعریفیں ہیں واسطے خدا کے جو قوموں کو مارتا سڑی ہڈیوں کو جلاتا ہے اور ابد تک عزت و احترام اور پاکی کا مستحق ہے۔

○ رنگریز ابو قیر اور نائی ابو صیر کی کہانی

اسکندریہ میں دو شخص رہتے تھے ایک کا نام ابو قیر تھا دوسرے کا ابوصیر۔ ابوقیر رنگریز تھا اور ابو صیر نائی۔ دونوں کی دکانیں بازار میں پاس پاس تھیں۔ رنگ ریز بڑا چال باز' جھوٹا اور شریر تھا کسی برائی سے نہ جھجکتا۔ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی گاہک اس کے پاس کپڑے رنگوانے آتا تو وہ رنگائی پہلے لے لیتا اور گاہک سے کہتا کہ میں

ان داموں سے رنگ مول لاؤں گا مگر انہیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا پھر کپڑے بھی بیچ ڈالتا اور ان کے دام کھا پی جاتا۔ ہمیشہ اچھے سے اچھا کھانا کھاتا اور جب کپڑے والا آتا تو اس سے کہتا کہ کل دھوپ نکلنے سے پہلے آئیو تو تیرے کپڑے رنگے ہوئے ملیں گے۔ یہ سن کر کپڑے والا چلا جاتا اور اپنے دل میں کہتا کہ کل کا دن بھی دور نہیں۔ جب وہ دوسرے دن آتا تو رنگ ریز کہتا کل آ کر لے جائیو کیونکہ کل میں رنگنے سے فارغ نہ ہو سکا' میرے ہاں مہمان آ گئے تھے۔ میں ان کی خدمت میں لگا رہا' کل تم کو کپڑے رنگے رنگائے تیار ملیں گے۔ گاہک چلا جاتا اور پھر تیسرے دن آتا۔ رنگ ریز کہتا کل میں مجبور تھا کیونکہ رات کو میری بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور دن بھر اس کے لئے ضروری چیزیں مہیا کرتا رہا' کل ضرور اپنے کپڑے لے جائیں۔ گاہک پھر آتا اور رنگ ریز کوئی اور بہانہ نکال دیتا قسمیں کھاتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو اکتیس ویں رات

نو سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب گاہک رنگ ریز کے پاس آتا تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ نکال دیتا اور قسمیں کھاتا یہاں تک کہ گاہک تنگ آ جاتا اور کہتا کہ تو کب تک کل کل کرتا رہے گا' میرے کپڑے واپس دے دے میں رنگوانا نہیں چاہتا۔ رنگ ریز کہتا کہ بھائی' خدا کی قسم میں تجھ سے شرمندہ ہوں لیکن کیا بتاؤں بس یہ سمجھ لے کہ جو شخص لوگوں کو دق کرتا ہے خدا اسے دق کرتا ہے گاہک کہتا بتا تو سہی کیا ہوا؟ رنگ ریز جواب دیتا میں نے تیرے کپڑے ایسے رنگے تھے جس کا جواب نہیں اور رسی پر لٹکا دیئے تھے کوئی کم بخت انہیں چرا لے گیا اور مجھے پتا بھی نہ لگا کہ کس نے چرایا۔ اگر گاہک بھلا مانس ہوتا تو کہتا کہ خیر خدا ان کے بدلے مجھے اور دے گا اور اگر بدمعاش ہوتا تو تو تو میں میں ہونے لگتی لیکن اگر وہ حکام کے پاس بھی جا کر شکایت کرتا تو بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ لگتا۔ رنگ ریز کا یہی رویہ رہا یہاں تک کہ سب لوگ اس کی بدمعاشی سے واقف ہو گئے اور ایک دوسرے کو ابوقیر سے خبردار کرتے رہے وہ ضرب المثل ہو گیا سب نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا اور اگر کوئی پھنستا تو وہی جو اس سے واقف نہ ہوتا پھر بھی ہر روز اس سے تو تو میں میں ہوتی رہتی آخر اس کا کام بند ہو گیا۔ اب رنگ ریز نے یہ ترکیب شروع کی کہ اپنے پڑوسی نائی کی دکان کے اندر جا بیٹھتا اور اپنی دکان کے دروازے کی طرف دیکھتا رہتا اگر اسے کوئی نیا گاہک دکھائی دیتا تو نائی کی دکان سے نکل کر باہر آتا اور کہتا کہ کیا چاہتا ہے؟ گاہک جواب دیتا کہ یہ کپڑے رنگ دے۔ رنگریز کہتا کون سا رنگ چاہتا ہے' رنگریز بدمعاش تو تھا مگر رنگائی کے ہنر میں بھی اس کی پوری دست گاہ تھی اور چونکہ ہر شخص کو دھوکہ دیتا اس لئے وہ غریب رہتا' اچھا تو وہ

کپڑے لے لیتا اور کہتا کہ رنگائی پیشگی دیتا جا کل آ کر کپڑے لے جائیو۔ گاہک رنگائی دے کر چل دیتا۔ جب گاہک چلا جاتا تو رنگریز کپڑے لے کر بازار میں بیچ آتا اور گوشت ترکاری' تمباکو میوے خرید لاتا اور اگر وہ کسی کو دکان پر کھڑا دیکھتا جو کپڑے رنگنے کو دے گیا ہے اسے اپنی صورت نہ دکھاتا کئی سال تک اس کا یہی دستور رہا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اس نے اسی طرح ایک بڑے آدمی کے کپڑے لے کر بیچ ڈالے اور اس کے دام کھا پی گیا۔ گاہک روز اس کی دکان پر آتا لیکن اسے نہ پاتا۔ کیونکہ رنگریز جب کسی کو دیکھتا جس کے کپڑے اس کے پاس ہوتے تو جا کر ابو صیر نائی کی دکان میں چھپ رہتا جب اس بڑے آدمی نے اسے بار بار دکان پر نہ پایا اور وہ آتے آتے تھک گیا تو جا کر قاضی کے پیادے کو لے آیا اور اس نے کئی مسلمانوں کے روبرو دکان کے دروازے میں کیلیں ٹھونک کر مہر لگا دی کیونکہ اس نے دکان میں گاہک کی چیزوں کے بدلے کچھ ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن دیکھے' پیادے نے پڑوسیوں سے کہا اس سے کہہ دینا کہ اس گاہک کے کپڑے لے آئے اور دکان کی کنجی لے جائے۔ یہ کہہ کر گاہک اور پیادہ دونوں چلے گئے۔ ابوصیر نے ابوقیر سے کہا یہ کیا آفت ہے کہ جو تیرے پاس کپڑے لاتا ہے تو انہیں کھو دیتا ہے اس بڑے آدمی کے کپڑے کیا ہوئے؟ اس نے جواب دیا اے میرے پڑوسی! چوری ہو گئے۔ ابوصیر بولا عجیب بات ہے جو چیز کوئی شخص تجھے دے جاتا ہے اسے چور چرا لے جاتا ہے' کیا تیرے یہاں چوروں کا اڈا ہے؟ میرے خیال میں تو جھوٹ بولتا ہے' آخر واقعہ کیا ہے؟ رنگریز نے کہا کہ میرے ہاں سے کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔ ابوصیر بولا پھر تو لوگوں کے کپڑوں کا کیا کرتا ہے؟ ابوقیر نے جواب دیا جو گاہک کپڑے لاتا ہے انہیں بیچ کر کھا جاتا ہوں۔ ابوصیر نے کہا کیا یہ خدا نے تیرے لئے حلال کر رکھا ہے؟ ابوقیر بولا میں ناداری کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں' میرا پیشہ چلتا نہیں اور میں غریب ہوں' میرے پاس کچھ نہیں۔ ابوصیر نے کہا میرا کام بھی رکا ہوا ہے اگرچہ میں اس فن میں استاد ہوں اور میرا جواب اس شہر میں نہیں لیکن میرے غریب ہونے کی وجہ سے

کوئی میرے پاس خط بنوانے نہیں آتا اس لئے مجھے اس پیشے سے نفرت ہو گئی ہے۔
ابو قیر رنگ ریز بولا بھائی میں بھی اپنے پیشے سے نفرت کرنے لگا ہوں پھر اس شہر میں ٹھہرنے سے کیا فائدہ۔ چل ہم دونوں دوسرے شہروں کی سیر کریں۔ ہمارے پیشے ایسے ہیں کہ ہر جگہ کام دیں گے۔ یہاں سے نکل کر خدا نے چاہا تو ہمارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ غرض کہ ابو قیر نے ابو صیر سے سفر کی خوبیاں یہاں تک بیان کیں کہ وہ چلنے پر راضی ہو گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

# • نو سو بتیسویں رات

نو سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابو صیر چلنے پر راضی ہو گیا۔ ابو قیر بہت خوش ہوا اور ابو صیر سے کہنے لگا اے پڑوسی! اب ہم دونوں بھائی بھائی ہو گئے ہیں ہم میں کوئی فرق نہیں ہمیں چاہیے کہ فاتحہ پڑھیں اور عہد کریں کہ ہم میں سے جو کام کرے وہ نکھٹو کو بھی کھلائے اور جو باقی بچے اسے صندوق میں جمع کرتے رہیں۔ جب ہم لوٹ کر اسکندریہ آئیں تو انصاف سے برابر برابر تقسیم کر لیں۔ ابوصیر نے یہ بات مان لی۔ فاتحہ پڑھ کر وعدہ کر لیا۔ ابوصیر نے تو دکان بند کرکے چابی دکان کے مالک کو دے دی لیکن ابوقیر نے چابی قاضی کے پیادے کے پاس رہنے دی اور دکان کو بند سربہ مہر چھوڑ کر چل دیا۔ دونوں اسی روز ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ نائی کی خوش قسمتی سے کشتی میں سوا اس کے اور کوئی نائی نہ تھا حالانکہ اس میں علاوہ ناخدا اور ملاحوں کے ایک سو بیس مسافر تھے۔ جوں ہی کشتی کے بادبان کھلے نائی نے رنگ ریز سے کہا بھائی! سمندر میں ہمیں کھانے پینے کی ضرورت ہو گی اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان کم ہے۔ اس لئے اگر کوئی مجھ سے کہے گا کہ اے نائی! میری حجامت بنا دے تو میں ایک روٹی یا نصف درہم یا ایک پیالہ پانی کے عوض بنا دوں گا۔ اس سے مجھے اور تجھے دونوں کو فائدہ ہو گا۔ رنگریز نے کہا بہت خوب اور لیٹ کر سو گیا۔

اب نائی اٹھا اپنی کسوت سنبھالی' پیالہ ہاتھ میں لیا اور رومال کی بجائے ایک پھٹا پرانا کپڑا کندھے پر ڈالا کیونکہ وہ غریب تھا اور مسافروں میں گھومنے لگا۔ ایک مسافر نے کہا استاد! میری حجامت بنا دے' نائی نے حجامت بنا دی۔ مسافر نے اسے نصف درہم دے دیا۔

نائی بولا بھائی! اس نصف درہم کا میں کیا کروں گا؟ اگر تو مجھے ایک روٹی دیتا تو وہ مجھے

سمندر پر زیادہ کام دیتی۔ میرا ایک ساتھی اور ہے اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان کافی نہیں۔ مسافر نے اسے ایک روٹی ایک ٹکڑا پنیر کا بھی دے دیا اور اس کے پیالے میں میٹھا پانی بھر دیا۔ نائی یہ چیزیں لے کر ابوقیر کے پاس پہنچا اور کہا کہ روٹی پنیر کے ساتھ کھا اور پیالہ پانی کا پی لے۔ ابوقیر نے روٹی کھائی اور پانی پیا اس کے بعد ابوقیر پھر اپنی کسوت لے کر مسافروں کے پاس گیا۔ ایک شخص کے بال دو روٹیوں کے بدلے بنائے اور ایک دوسرے کے بال پنیر کے بدلے اب ہر طرف سے اس کی بلاؤ شروع ہو گئی۔ جب کو اس سے کہتا کہ استاد میری حجامت بنا دے تو اس سے دو روٹیوں اور نصف درہم کی شرط کر لیتا۔ کیونکہ کشتی میں اور کوئی نائی نہ تھا لہٰذا مغرب سے پہلے پہلے اس نے تیس روٹیاں اور تیس نصف درہم کما لئے۔ علاوہ ان کے بہت سا پنیر' زیتون اور مچھلیاں جمع کر لیں۔ اب اس کی یہ حالت ہو گئی کہ جو کچھ وہ مانگتا اسے مل جاتا۔ ایک بار اس نے ناخدا کی حجامت بنائی اور اس نے شکایت کی میرے پاس سفر میں کھانے پینے کے لئے کم ہے۔ ناخدا نے کہا مرحبا! ہر رات اپنے ساتھی کے ساتھ ہمارے ہاں کھانا کھا جایا کر جب تک تم ہمارے ساتھ سفر میں ہو ہرگز تکلیف نہ اٹھاؤ۔ اب نائی رنگ ریز کے پاس گیا دیکھا کہ وہ ابھی تک سو رہا ہے اسے جگایا۔ اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا اس کے پاس روٹیوں' زیتوں' پنیر اور مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ پوچھا کہ تجھے یہ سب چیزیں کہاں سے مل گئیں؟ نائی نے کہا خدا کی مہربانی سے۔ رنگ ریز نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن ابوصیر بولا بھائی! ان میں سے کچھ نہ کھا' یہ کسی اور وقت کام آئیں گی۔ میں نے آج ناخدا کی حجامت بنائی تھی اور اس سے اپنی ناداری کا رونا رویا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ اپنے ساتھی کو لے کر ہر رات ہمارے ساتھ کھانا کھا جایا کر لہٰذا آج رات پہلا کھانا ناخدا کے ساتھ ہے۔

ابوقیر بولا کہ سمندر کے سفر سے میرا جی متلا رہا ہے اور میں اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا۔ مجھے یہی چیزیں کھا لینے دے تو اکیلا ناخدا کے پاس جا کر کھا آئیو۔ نائی بولا بہت خوب اس نے دیکھا کہ رنگریز نوالے اس طرح سے توڑتا ہے جیسے پہاڑ میں پتھر اور

یوں نگل جاتا ہے جیسے ہاتھی۔ جس نے کئی دن سے کچھ نہ کھایا ہو۔ ایک نوالے کو اتارنے سے پہلے دوسرا نوالہ منہ میں رکھ لیتا ہے اور کھانے کی طرف اس طرح دیکھتا ہے جیسے بھوت اور اس طرح سانس بھرتا جاتا ہے جیسے بھوکا بیل چارے دانے کو دیکھ کر۔ اتنے میں ایک ملاح نے آ کر کہا اے استاد! ناخدا کہتا ہے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ آ کر شام کا کھانا کھا جا۔ ابوصیر نے ابوقیر سے کہا چلتا ہے میرے ساتھ؟ اس نے جواب دیا میں چل نہیں سکتا۔ نائی اکیلا گیا اس نے دیکھا کہ ناخدا بیٹھا ہوا ہے اس کے آگے دستر خوان پر بیس یا بیس سے بھی زیادہ قسم کے کھانے چنے ہوئے ہیں وہ اور اس کے ساتھی نائی اور اس کے ساتھی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ناخدا نے نائی کو دیکھ کر پوچھا تیرا ساتھی کہا ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا سمندر کے سفر کی وجہ سے اس کا جی متلا رہا ہے۔ ناخدا بولا مضائقہ نہیں' اس کی متلی جاتی رہی گی۔ تو میرے ساتھ کھا' میں تیری راہ دیکھ رہا تھا۔ ناخدا نے ایک سینی میں کباب اور ہر کھانے سے تھوڑا تھوڑا الگ رکھ دیا اور جب نائی کھا چکا تو اس نے کہا یہ سینی اپنے ساتھی کے لئے لیتا جا۔ ابوصیر اسے لے کر ابوقیر کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ اونٹ کی طرح کھانا اپنے دانتوں سے پیس رہا ہے اور نوالے پر نوالہ تیزی سے منہ میں رکھتا جاتا ہے۔

ابوصیر بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ یہاں نہ کھا۔ ناخدا بہت بھلا آدمی ہے۔ جب میں نے اس سے کہا کہ تجھے متلی ہو رہی ہے تو دیکھ اس نے تیرے لئے کیا بھیجا ہے۔ ابوقیر بولا لا ابوصیر نے سینی اس کے آگے رکھ دی اور وہ اس طرح کھانے پر پل پڑا جیسے گھبرایا ہوا کتا یا حملہ آور شیر یا رخ جو کبوتر پر گرتا ہو۔ وہ شخص جو مارے بھوک کے مرنے کے قریب ہو یہ دیکھ کر کہ ابو صیر وہاں سے چل دیا اور ناخدا کے پاس جا کر قہوہ پیا پھر لوٹ کر ابو قیر کے پاس آیا تو دیکھا اس نے سینی کو خالی کرکے ایک طرف پھینک دیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

## • نو سو تینتیس ویں رات

نو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب ابوصیر نے دیکھا کہ ابوقیر نے سینی کو خالی کرکے ایک طرف پھینک دیا ہے تو وہ اسے لے جا کر ناخدا کے ایک نوکر کو دے آیا اور ابوقیر کے پاس آ کر سو رہا۔ دوسرے روز پھر ابوصیر نے حجامتیں بنانی شروع کر دیں۔ جو کچھ وہ کماتا ابوقیر کے پاس لے آتا اور ابوقیر خوب کھاتا پیتا پڑا اینڈا کرتا اور سوائے ضرورت رفع کرنے کے اور کسی کام کے لئے نہ اٹھتا۔ ابوصیر ہر روز رات کے وقت اس کے لئے ناخدا کے پاس سے سینی بھر کر کھانا لاتا۔ یہ حالت بیس دن تک رہی یہاں تک کہ کشتی نے ایک شہر کے بندر گاہ میں لنگر ڈالا اور دونوں کشتی میں سے اتر کر شہر گئے۔ سرائے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لی۔ ابوصیر نے اس میں فرش بچھایا اور جن جن چیزوں کی انہیں ضرورت تھی خرید کر لایا گوشت لا کر پکایا لیکن ابوقیر کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی سو گیا اور اس وقت جاگا جب کہ ابوصیر نے اس کے آگے دستر خوان بچھا کر اسے جگایا۔ اٹھتے ہی اس نے کھانا کھایا اور ابوصیر سے کہا برا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر سو گیا۔ چالیس دن تک اس کی یہی حالت رہی۔ نائی ہر روز اپنی کسوت لے کر شہر جاتا جو کچھ کماتا اسے لے کر ابوقیر کے پاس آتا دیکھتا کہ وہ سو رہا ہے اسے جگاتا' جب وہ جاگتا تو اس طرح کھاتا گویا وہ کبھی سیر نہ ہو گا اور پھر سو جاتا۔ اس طرح سے اور چالیس روز گزر گئے۔ جب کبھی ابوصیر کہتا کہ بیٹھ کر آرام کر اور جا کر شہر کی سیر کر۔ وہ ایسا خوب صورت ہے کہ اس کا جواب نہیں تو ابوقیر جواب دیتا برا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ ابوصیر نائی ہرگز یہ گوارا نہ کرتا کہ ابوقیر کا دل دکھے اس سے کوئی ایسی بات نہ کرتا جس سے وہ رنجیدہ ہو لیکن اکتالیس ویں دن وہ خود بیمار پڑ گیا چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا تو اسنے ایک آدمی نوکر رکھ لیا تا کہ وہ ان

کے لئے کھانا پینا لے آیا کرے۔ نائی کا تو یہ حال تھا لیکن ابوقیر کو سوائے کھانے اور سونے کے کسی بات سے غرض نہ تھی۔



رفتہ رفتہ نائی کی بیماری زیادہ بڑھ گئی اور وہ بے ہوش پڑا رہنے لگا۔ ادھر ابوقیر مارے بھوک کے بے چین ہو گیا اور ابوصیر کی جیبوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اسے بہت سے درہم مل گئے۔ انہیں لے کر اس نے کوٹھڑی کے دروازے میں قفل لگایا اور بے کسی کو خبر کئے چلتا بنا۔ نوکر بھی اس وقت بازار گیا ہوا تھا اس نے بھی ابوقیر کو جاتے نہیں دیکھا۔ ابوقیر نے بازار جا کر پہننے کے لئے عمدہ عمدہ کپڑے خریدے اور شہر کی سیر کرنے لگا دیکھا کہ اس شہر کا جواب دینا میں نہیں ہر شخص کا لباس سفید ہے یا نیلا۔ ایک رنگ ریز کی دکان پر جا کر بھی اس نے یہی دیکھا کہ سارے کپڑے نیلے رنگے ہوئے ہیں وہاں اس نے ایک رومال نکال کر رنگ ریز کو دیا اور کہا استاد! اسے رنگ دے اور بتا کہ اس کی رنگائی کیا ہو گی؟ اس نے جواب دیا بیس درہم۔ ابوقیر نے کہا ہمارے ملک میں تو اس کی رنگائی دو درہم ہوتی ہے۔ رنگ ریز بولا جا اپنے ملک میں رنگا لے۔ میں تو بیس درہم سے کم میں نہیں رنگوں گا۔ ابوقیر بولا میں اسے لال رنگوانا چاہتا ہوں۔ رنگ ریز نے کہا مجھے لال رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے کہا ہرا؟ اس نے کہا مجھے ہرا بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے کہا پیلا؟ اس نے کہا مجھے پیلا بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے ایک ایک کرکے سارے رنگوں کے نام لے ڈالے۔ لیکن رنگ ریز نے کہا کہ اس شہر میں چالیس استاد ہیں' نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کے بیٹے کو رنگنا سکھا دیتے ہیں۔ اگر اس کے کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو ہماری تعداد میں ایک کی کمی ہو جاتی ہے اگر اس کے دو بیٹے ہوتے ہیں تو ہم ان میں سے ایک ہی کو سکھاتے ہیں اور اگر وہ مر جاتا ہے تو اس وقت اس کے بھائی کو۔ ہمارے پیشے کے مقررہ قواعد ہیں اور نیلے رنگ کے سوا رنگنا نہیں آتا۔

اس پر ابوقیر نے رنگ ریز سے کہا میں رنگ ریز ہوں اور ہر رنگ رنگنا جانتا ہوں۔ اگر تو مجھے اپنے ہاں نوکر رکھ لے تو میں تجھے تمام رنگ رنگنے سکھا دوں گا تاکہ تو دوسرے

رنگ ریزوں میں بڑا رنگریز مانا جائے۔ اس نے جواب دیا ہم پردیسی کو اپنے پیشے کے اندر ہر گز نہیں لیتے۔ ابوقیر بولا اگر میں اپنی دکان الگ کھول لوں؟ اس نے جواب دیا یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ابوقیر اسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس گیا اس نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے نے دیا تھا۔ اس طرح وہ چالیسوں استادوں کے پاس ہو آیا لیکن نہ کوئی اسے شاگرد بنانے پر راضی ہوا نہ استاد۔ اس کے بعد اس نے رنگ ریزوں کے چودھری کے پاس جا کر سارا ماجرا کہا۔ اس نے جواب دیا کہ ہم کسی پردیسی کو اپنے میں نہیں ملاتے۔ اس پر ابوقیر کو بہت غصہ آیا اس نے شہر کے بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کی اور کہا کہ جہاں پناہ! میں پردیسی ہوں اور میرا پیشہ رنگ ریزی ہے۔ یہاں رنگ ریزوں کے ساتھ مجھے یہ یہ باتیں پیش آئیں۔ میں کئی طرح کے لال رنگ رنگ سکتا ہوں مثلا گلابی اور عنابی اور طرح طرح کے ہرے رنگ مثلا دھانی' پستی' زیتونی' اور کاہی اور طرح طرح کے کالے رنگ مثلاً سرمئی اور کوئلے کے رنگ کا اور طرح طرح کے پیلے رنگ مثلا نارنجی اور لیموں غرض کہ وہ سارے رنگ گنا گیا اور کہنے لگا جہاں پناہ! تیرے شہر کے رنگ ریز سوائے نیلے کے اور کوئی رنگ رنگ نہیں سکتے اور مجھے بہ حیثیت شاگرد یا استاد کے بھی قبول نہیں کرتے۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے لیکن میں تیرے لئے الگ ایک دکان کھول دوں گا اور تجھے سرمایہ دوں گا ان کی پروا نہ کر جو کوئی تیرے کام میں مداخلت کرے گا میں اسے اسی کی دکان کے دروازے پر لٹکا دوں گا۔

اب بادشاہ نے معماروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ شہر میں جائیں اور جو جگہ اسے پسند آئے خواہ وہ دکان ہو یا سرائے یا کچھ اور اس کے مالک کو وہاں سے نکال دیں اور اس کی جگہ ابوقیر کے لئے اس کی خواہش کے موافق رنگ ریز خانہ بنا دیں اور جیسا وہ کہے کریں۔ بعد ازاں بادشاہ نے اسے ایک عمدہ لباس پہننے کو دیا اور ایک ہزار دینا دے کر کہا جب تک دکان تیار ہو تو انہیں اپنے اوپر خرچ کر۔ ان کے علاوہ دو غلام خدمت کے لئے آئے اور ایک گھوڑا جس پر زردوز چار جامہ تھا سواری کو۔ جب وہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ کوئی امیر ہے۔ بادشاہ نے

اس نے لئے ایک گھر خالی کرا کے اس میں فرش بچھوا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- نو سو تینتیس ویں رات

نو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے ابوقیر کے لئے ایک گھر خالی کرا کے اس پر فرش بچھوا دیا وہ اس میں رہنے لگا دوسرے دن معماروں کو ساتھ لے کر سوار ہوا شہر میں پھر کر غور سے دیکھنے کے بعد ایک جگہ پسند کی اور کہا یہ جگہ ٹھیک ہو گی۔ انہوں نے اس کے مالک کو نکال کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے جتنا وہ چاہتا تھا اس سے زیادہ ہرجانہ دیا اور وہاں دکان بننے لگی۔ ابوقیر معماروں سے کہتا جاتا کہ یوں بناؤ اور یوں بناؤ یہ کرو اور یہ کرو یہاں تک کہ ایسا ایسا رنگریز خانہ تیار ہو گیا ہے جس کا جواب نہ تھا۔ اب اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا رنگریز خانہ بن گیا ہے۔ رنگوں کے داموں کی ضرورت ہے تا کہ کام شروع کروں۔ بادشاہ نے کہا چار ہزاردینار لے جا یہ دکان کی پونجی ہے اور اپنے کام کی بانگی دکھا۔ ابوقیر دینار لے کر بازار گیا۔ دیکھا کہ نیل کی افراط ہے اور وہ بے حد سستا ہے اس نے وہ تمام چیزیں خرید لیں جن سے اسے رنگریز خانے کے لئے ضرورت تھی۔ بادشاہ نے اس کے پاس پانچ سو کپڑے بھیجے اس نے انہیں رنگنا شروع کیا اور طرح طرح سے رنگ کر انہیں دکان کے آگے پھیلا دیا جب لوگ ادھر سے گزرتے تو عجیب نظارہ دیکھتے جو انہوں نے عمر بھر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی دکان پر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ تماشا دیکھنے والے کہتے کہ استاد ان رنگوں کے نام کیا ہیں؟ وہ جواب دیتا کہ یہ لال ہے' یہ زرد اور یہ ہرا۔ غرض کہ وہ سارے رنگوں کے نام انہیں بتاتا۔ اب لوگ اپنے کپڑے لانے اور کہنے لگے انہیں فلاں فلاں رنگوں میں رنگ دے اور جو چاہے ان کی رنگائی لے لے۔ جب بادشاہ کے کپڑے رنگ چکا توانہیں لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گیا اسے بہت کچھ انعام دیا۔ تمام لشکر والے اس کے پاس آتے۔ کپڑے لاتے اور کہتے کہ انہیں اس اس طرح کے رنگ

دے اور وہ ان کی خواہش کے مطابق رنگ دیتا۔ اسی طرح سے اس پر سونا چاندی برسنے لگا وہ ہر جگہ مشہور ہو گیا اور اس کے رنگریز خانے کا نام لوگوں نے سلطانی رنگ ریز خانہ رکھ دیا۔ ہر طرف سے اسے آمدنی ہونے لگی اور کسی رنگریز کی مجال نہ تھی کہ اس سے بات تک بھی کر سکے۔ وہ اس کے پاس آتے اس کے ہاتھ چومتے اس سے معذرت کرتے کہ ہم نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیا اپنی خدمت پیش کرتے اور کہتے کہ تو ہمیں اپنا شاگرد بنا لے لیکن وہ کسی کو بھی شاگرد بنانے پر راضی نہ ہوتا کیونکہ اس کے پاس خود غلام اور کنیزیں تھیں اور بہت کچھ مال و دولت۔



یہ تو ابوقیر کا قصہ ہوا اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ جب ابوقیر اس کے درہم لے کر اسے بیمار اور بے ہوش چھوڑ کر کوٹھڑی میں قفل لگا چلتا ہوا تو وہ تین دن تک کوٹھڑی میں بند پڑا رہا۔ دربان کی نظر کوٹھڑی کے دروازے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ قفل پڑا ہوا ہے۔ مغرب تک دونوں میں سے کوئی بھی اسے دکھائی نہ دیا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا شاید وہ بے کرائے ادا کئے بھاگ گئے یا مر گئے ہیں یا نہ جانے ان کا کیا حال ہوا۔ وہ دروازے کے قریب آیا تو اسے اندر سے نائی کے کراہنے کی آواز سنائی دی' نظر اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ کنجی قفل کے اندر لگی ہوئی تھی۔ دروازہ کھول کر اندر گیا دیکھا کہ نائی پڑا کراہ رہا ہے۔ پوچھنے لگا خیر تو ہے تیرا ساتھی کہاں گیا؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم میں ابھی بیماری سے اٹھا ہوں۔ میں نے بارہا آواز دی لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ بھائی! خدا کے لئے تھیلی میں سے جو میرے سرہانے ہے پانچ ادھلیاں لے کر کھانے کے لئے کوئی چیز لے آئیں۔ بہت بھوکا ہوں۔ دربان نے ہاتھ بڑھا کر تھیلی نکالی تو وہ خالی تھی۔ اب ابوصیر کو یقین ہو گیا کہ ابوقیر تھیلی خالی کر کے بھاگ گیا ہے۔ دربان سے کہا کیا تو نے میرے ساتھی کو نہیں دیکھا؟ اس نے جواب دیا میں نے تین دن سے اسے نہیں دیکھا۔ میرا گمان تھا کہ تم دونوں چلے گئے ہو۔ نائی بولا اس نے مجھے بیمار دیکھ کر میرے دام چرا لئے اور بھاگ گیا۔ یہ کہہ کر وہ رونے پیٹنے لگا۔ دربان نے کہا مضائقہ نہیں وہ اپنے کئے کی سزا خدا سے پائے گا۔ دربان

نے اس کے لئے یخنی پکائی اور کٹورا بھر کر اسے پلائی۔ اس طرح وہ دو مہینے تک نائی کو اپنی جیب سے کھلاتا پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ خدا نے اسے شفا دی اور وہ چلنے پھرنے لگا تو اس نے دربان سے کہا اگر خدا نے مجھے مقدرت دی تو تیری بھلائیوں کا بدلہ دوں گا اگرچہ بدلے دینے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ دربان بولا شکر ہے خدا کا کہ تو' اچھا ہو گیا۔ میں نے جو کچھ کیا محض خدا کے لئے کیا۔

اب نائی سرائے سے نکل کر بازاروں میں سیر کرنے لگا' پھرتے پھرتے وہ بازار میں پہنچا جہاں ابو قیر کا رنگریز خانہ تھا اس نے دیکھا کہ کپڑے رنگ بہ رنگ کے رنگے ہوئے دروازے پر پھیلے ہوئے ہیں اور لوگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ نائی نے شہر والوں میں سے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا جگہ ہے اور یہ بھیڑ کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ یہ سلطانی رنگریز خانہ ہے جسے ابوقیر نامی ایک پردیسی نے کھولا ہے جب وہ کپڑا رنگتا ہے تو ہم آ کر تماشا دیکھتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں کے رنگ ریز اس طرح کے رنگ رنگنا نہیں جانتے۔ اسے شہر کے رنگریزوں کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا اس نے بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے اس کی دست گیری کی اور اس کے لئے یہ رنگریز خانہ بنوایا۔

ابوصیر یہ سن کر خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ شکر ہے اللہ نے اس کی مصیبت دور کر دی۔ اور وہ دکان دار بن گیا۔ دکان کھولنے کی وجہ سے وہ تیرے پاس سے چلا آیا اور تجھے بھول گیا لیکن جب وہ بے کار تھا تو تو نے اس کے ساتھ بھلائی کی تھی جب وہ تجھے دیکھے گا تو تیری بھلائی کے بدلے وہ بھی تیرے ساتھ بھلائی کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ رنگریز خانے کے دروازے کی طرف بڑھا دیکھا کہ ابوقیر دکان کے دروازے پر شاہانہ لباس پہنے ہوئے ایک اونچی چوکی پر بیٹھا ہوا ہے اس کے آگے چار حبشی غلام اور چار گورے غلام عمدہ عمدہ کپڑے پہنے کھڑے ہیں اور دس غلام کپڑے رنگ رہے ہیں کیونکہ اس نے انہیں خرید کر رنگریزی کا کام سکھایا تھا اور وہ تکیوں کے بیچ میں یوں بیٹھا ہوا ہے جیسے بڑا وزیر عالی شاہ بادشاہ اور اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا۔ بس اتنا کہتا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ کرو۔ ابوصیر اس کے سامنے جا کھڑا

ہو گیا۔ خیال کیا کہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گا' سلام کرے گا اور اس کی عزت اور خاطر تواضع کرے گا لیکن جوں ہی ان کی چار آنکھیں ہوئیں تو ابوقیر نے کہا اے خبیث! میں تجھ سے کتنی بار کہوں کہ اس کارخانے کے دروازے پر نہ کھڑا ہوا کر؟ اے چوٹے! کیا تو مجھے لوگوں میں بدنام کرنا چاہتا ہے؟ پکڑو اسے۔ یہ سنتے ہی غلاموں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔ ابوقیر ڈنڈا لے کر اٹھا اور کہا اسے پچھاڑو۔ جب انہوں نے اسے پچھاڑا تو ابوقیر نے اس کی پیٹھ پر سو ڈنڈے لگائے پھر انہوں نے اسے چت کیا اور اس نے پیٹ پر سو ڈنڈے رسید کئے اور کہا اے خبیث اے خائن! اگر میں نے تجھے پھر دکان کے دروازے پر کھڑا دیکھا تو تجھے فوراً پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا وہ تجھے والی کے سپرد کر دے گا اور والی تیری گردن توڑ دے گا۔ دور ہو یہاں سے خدا تیرا ستیاناس کرے! اس مار پیٹ اور ذلت کے سلوک سے وہ دل شکستہ ہو کر چل دیا۔ لوگوں نے ابوقیر سے پوچھا کہ اس شخص نے کیا کیا تھا؟ اس نے جواب دیا یہ چور ہے' لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے۔

○○○

## • نو سو پینتیس ویں رات

نو سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو قیر نے کہا کہ یہ چور ہے' لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے' میرے یہاں سے بھی کئی بار کپڑے چرا لے گیا ہے لیکن میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ خدا اسے معاف کرے! وہ غریب آدمی ہے اس لئے میں اس کے ساتھ سختی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو ان کے کپڑوں کے دام دے دیتا ہوں اور اسے نرمی سے منع کرتا ہوں پھر بھی وہ مانتا نہیں اگر دوبارہ آیا تو میں اسے بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا اور وہ اسے قتل کرکے لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دے گا۔ یہ سن کر لوگ بھی اس کی پیٹھ پیچھے اس کو برا بھلا کہنے لگے۔

یہ تو ابو قیر کا قصہ ہوا۔ اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ وہ سرائے جا کر اس سوچ میں پڑ گیا کہ ابوقیر نے اس کی کیسی بری گت بنائی۔ جب بیٹھے بیٹھے اس کے درد میں کمی ہوئی تو وہ بازار گیا اسے خیال آیا کہ حمام جانا چاہیے اس نے ایک شہر والے سے پوچھا کہ بھائی! حمام کا راستہ کون سا ہے؟ اس نے کہا حمام کیا چیز ہوتی ہے؟ ابوصیر نے جواب دیا جہاں لوگ نہاتے ہیں اور اپنا میل دور کرتے ہیں۔ وہ بولا سمندر پر جا۔ وہ بولا سمندر پر جا۔ ابوصیر نے کہا میں تو حمام جانا چاہتا ہوں۔ شخص نے کہا ہم حمام نہیں جانتے' ہم تو سمندر کے کنارے نہانے جاتے ہیں۔ جب ابوصیر کو معلوم ہوا کہ اس شہر میں حمام نہیں ہے بلکہ لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حمام ہوتا کیا ہے تو وہ بادشاہ کے دربار میں گیا اس کے آگے زمین چومی اسے دعا دی اور کہا کہ میں ایک پردیسی ہوں اور حمام کا کام کرتا ہوں۔ تیرے شہر میں آکر میں نے حمام جانے کا ارادہ کیا لیکن یہاں ایک حمام بھی نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس شہر میں اتنی خوبیاں ہوں وہاں حمام نہ ہوں جو دنیا کی بہترین نعمت ہے۔ بادشاہ نے پوچھا حمام کیا ہوتا ہے؟ ابوصیر نے حمام کی تعریف بیان کی اور کہا تیرا شہر پورا شہر نہیں ہو سکتا

جب تک اس میں حمام نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا تو خوب آیا اور اسے ایک لاجواب پوشاک پہنائی ایک گھوڑا اور دو غلام عطا کئے' چار کنیزیں اور دو گورے غلام دیئے اور ایک گھر فرش سے آراستہ کرا دیا۔ رنگریز سے زیادہ اس کا احترام کیا اور معماروں کو اس کے ساتھ بھیج کر حکم دیا کہ جو جگہ یہ پسند کرے وہاں اس کے لئے ایک حمام بنا دو۔



ابوصیر معماروں کو لے کر شہر میں آیا اور ایک جگہ پسند کرکے ان سے کہا کہ یہاں حمام بنا دو پھر اس نے اس میں اتنے اچھے نقش و نگار بنوائے کہ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے۔ اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا حمام تیار ہو گیا ہے۔ اس میں نقش و نگار بھی ہو گئے ہیں۔ اب محض فرش کی کمی رہ گئی ہے۔ بادشاہ نے اسے دس ہزار دینار دیئے۔ اس نے حمام کے لئے فرش خریدا اور پردے ڈالے۔ لوگ دیکھتے اور تعجب کرتے وہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی وہ تماشا دیکھتے اور پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟ ابوصیر کہتا یہ حمام ہے اس کے بعد اس نے حوض میں ایک فوارہ لگایا' پانی گرم کیا اور حمام چل نکلا۔ پھر اس نے بادشاہ سے دس گورے غلام مانگے جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں۔ بادشاہ نے اسے دس گورے غلام دے دیئے جو چاند کی طرح خوبصورت تھے۔ ابوصیر ان کی مالش کرتا اور کہتا کہ گاہکوں کے ساتھ ایسا کیا کروں۔ اس کے بعد اس نے ڈھنڈورا پیٹنے والے شہر میں بھیجے کہ اے لوگو! حمام آؤ' کیونکہ اس کا نام سلطانی حمام ہے۔ لوگوں نے آنا شروع کیا اس نے غلاموں سے کہا ان کے بدن دھوئیں اور انہیں نہلائیں۔ نہانے کے بعد لوگ حوض میں غوطہ مارتے اور نکل کر چبوترے پر بیٹھتے۔ غلام ان کی اسی طرح مالش کرتے جیسا ابوصیر نے انہیں سکھایا تھا۔ تین دن تک لوگ آتے نہاتے رہے اور اس نے ان سے کوئی اجرت نہ لی۔

چوتھے دن بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سوار ہو کر حمام آیا۔ ابوصیر نے خود بادشاہ کی مالش اور میل کی بتیاں اتار کر اسے دکھائیں وہ بہت خوش ہوا جب وہ اپنا بدن چھوتا تو وہ چکنا اور صاف ستھرا معلوم ہوتا۔ اس کے بعد ابوصیر نے حوض میں گلاب ملا دیا۔ بادشاہ اس میں غوطہ لگا کر نکلا تو اس کا بدن مہک اٹھا پھر اس نے بادشاہ کو چبوترے

پر بٹھایا غلاموں نے اس کی مالش کی۔ بادشاہ نے پوچھا استاد! حمام اسی کا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! بادشاہ نے کہا میرے سر کی قسم بے اس حمام کے میرا شہر



شہر نہ تھا۔ پھر کہا تو ہر شخص سے اجرت لیا کر۔ ابوصیر نے کہا جو تو حکم دے وہ لیا کروں گا۔ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور کہا کہ جو کوئی نہانے آئے اس سے ایک ہزار دینار لے۔ ابوصیر بولا جہاں پناہ! لوگ سب ایک سے نہیں' کوئی امیر ہے کوئی غریب۔ اگر میں ہر ایک سے ایک ہزار دینار لوں تو حمام بند ہو جائے گا۔ کیونکہ غریب آدمی ایک ہزار نہیں دے سکتا۔ بادشاہ نے کہا تو پھر تو کیا اجرت لے گا؟ ابوصیر نے کہا جو جس کا جی چاہے دے۔ اس طرح سے بہت سے لوگ آیا کریں گے۔ امیر اپنی حیثیت کے مطابق دے گا اور غریب اپنی بساط کے موافق۔ اس طرح سے حمام چل نکلے گا اور اس کی شان قائم رہے گی۔ ایک ہزار دینار تو شاہی بخشش ہے ہر شخص اتنا نہیں دے سکتا۔ مصاحبوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا جہاں پناہ یہ ٹھیک ہے۔ بادشاہ بولا تم سچ کہتے ہو۔ اس نے ہمارے شہر میں یہ حمام بنایا ہے جس کی مثال ہماری نظر سے عمر بھی نہیں گزری۔ بے اس کے ہمارے شہر میں نہ زینت تھی نہ شان۔ ہم اسے کتنی ہی اجرت کیوں نہ دیں کم ہے۔ انہوں نے کہا اگر تو اس کے ساتھ اکرام کرنا چاہتا ہے تو اپنے مال سے کر اور تیرا اکرام یہ ہے کہ لوگوں سے اجرت کم لی جائے تاکہ وہ تجھے دعا دیں۔ رہا ایک ہزار دینار کا سوال تو ہم تیری حکومت کے بڑے لوگ بھی اتنا نہیں دے سکتے پھر غریب لوگ کہاں سے لائیں گے؟ بادشاہ نے کہا اے حکومت کے بڑے لوگو! اس بار تم میں سے ہر ایک سو دینار' ایک گورا غلام' ایک کنیز اور ایک حبشی غلام دے۔ انہوں نے کہا بہت خوب ہم اسے اسی قدر دیں گے لیکن آج کے بعد جس کا جو جی چاہے دے۔ امراء کی تعداد جو بادشاہ کے ساتھ نہانے آئے تھے چار سو تھی۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک کنیز' ایک گورا اور ایک کالا غلام دیا۔

## نو سو چھتیس ویں رات



نو سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مصاحبوں کی تعداد اس وقت چار سو تھی لہٰذا اسے چالیس ہزار دینار' چار سو گورے' چار سو کالے غلام اور چار سو کنیزیں ملیں۔ یہ عطیہ کچھ کم نہ تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے دس ہزار دینار دس گورے' دس کالے غلام اور دس کنیزیں اپنی طرف سے اور دیں۔ ابوصیر نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور عرض کیا اے نیک بخت بادشاہ! اس قدر غلاموں اور کنیزوں کو میں رکھوں گا کہاں؟ بادشاہ نے کہا میں نے یہ اس لئے حکم دیا ہے تا کہ تیرے پاس بہت کچھ مال دولت جمع ہو جائے اور جب تو اپنے وطن جانا چاہیے تو تیرے پاس اتنا ہو کہ تو اپنا وقت عیش سے کاٹ سکے۔ ابوصیر نے کہا کہ جہاں پناہ! خدا تجھے عزت دے۔ اس قدر غلام اور کنیزیں تو بادشاہ کے قابل ہیں اگر بجائے اس لشکر کے تو مجھے نقد دیتا تو میرے لئے بہتر تھا کیونکہ انہیں کھلانا پلانا' پہنانا پڑے گا اور اتنا مال میرے پاس کہاں سے آئے گا۔ کہ میں ان کا خرچ چلا سکوں۔ بادشاہ ہنس پڑا اور بولا واللہ تو سچ کہتا ہے۔ واقعی یہ تو فوج کی فوج ہو گئی کہ تو انہیں کھلا پلا بھی نہیں سکتا۔ اچھا میں انہیں فی کس سو دینار میں مول لینے کے لئے تیار ہوں' بیچے گا؟ اس نے جواب دیا میں اس قیمت پر بیچنے کے لئے تیار ہوں۔ بادشاہ نے خزانچی کو بلوا کر کل دام ادا کر دیئے اور اس کے بعد غلام اور کنیزیں ان کے مالکوں کو بخش دیں۔ ابوصیر بولا جہاں پناہ! جس طرح تو نے مجھے ان بھوتوں سے بچایا ہے خدا تجھے بچائے۔ بادشاہ ہنس پڑا اور کہا تو سچ کہتا ہے۔

بادشاہ اپنے مصاحبوں کو لے کر اپنے محل چلا گیا اور ابوصیر رات بھر دینار گنتا انہیں تھیلیوں میں رکھتا اور ان پر مہر لگاتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو ابوصیر نے حمام کھولا اور ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی حمام میں آ کر نہائے جو اس کا جی چاہیے دے۔ ابوصیر

صندوق کے پاس بیٹھ گیا نہانے والوں کی بھیڑ کی بھیڑ آ پہنچی جو نہا کر نکلتا جو اس کا جی چاہتا صندوق میں ڈال دیتا۔ یہاں تک کہ شام ہوتے ہوتے صندوق لبالب بھر گیا۔ اب ملکہ نے حمام جانے کا ارادہ کیا۔ ابوصیر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے دن کے دو حصے کر دیئے۔ فجر سے ظہر تک مردوں کے لئے اور ظہر سے مغرب تک عورتوں کے لئے۔ ملکہ آئی تو ابوصیر نے ایک کنیز کو صندوق کے پاس بٹھا دیا اور چار غسالہ لڑکیوں کو اندر مامور کر دیا جنہیں اس نے سکھا کر ماہر کر دیا تھا۔ جب ملکہ حمام میں داخل ہوئی تو اسے بڑا تعجب ہوا اس نے خوش ہو کر صندوق میں ایک ہزار دینار ڈال دیئے۔ اس کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ امیر غریب سب اس کی عزت کرنے لگے۔ بادشاہ کے مصاحبوں سے بھی اس کا تعارف ہو گیا۔ اور وہ سب اس کے دوست بن گئے ۔ بادشاہ ہر ہفتے ایک بار حمام آتا اور ایک ہزار دینار دیتا' باقی دن امراء اور فقراء کے لئے مخصوص تھے۔ ابوصیر ہر شخص کا دل ہاتھ میں لیتا اور بڑی نرمی کے ساتھ پیش آتا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ کا بحری کپتان حمام میں آیا۔ ابوصیر خود اس کے کپڑے اتار کر اسے حمام کے اندر لے گیا اس کی مالش کی اور بڑی نرمی برتی۔ جب وہ حمام سے نکلا تو اس کے لئے شربت اور قہوہ بنوایا لیکن جب وہ اسے دام دینے لگا تو اس نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ کپتان پر اس کی نیکی کا بڑا اثر ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ کس طرح اس کی نیکی کا بدلہ دے؟

یہ تو ابوصیر کی کہانی تھی۔ اب ابوقیر کا ماجرا سنو۔ جب اس نے سنا کہ سب لوگ حمام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ہر ایک کی زبان پر یہی ہے کہ یہ حمام دنیا کی نعمتوں میں سے ہے۔ ابوقیر اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کل ضرور جا کر اس حمام کو دیکھوں گا جس پر لوگ ریجھے ہوئے ہیں۔ دوسرے دن اس نے بہترین کپڑے پہنے خچر پر سوار ہوا چار گورے اور چار کالے غلاموں کو آگے پیچھے لے کر حمام گیا۔ حمام کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ لوگ اندر باہر آ جا رہے ہیں اور چبوترے چھوٹے بڑوں سے بھرے پڑے ہیں۔ دروازے کے اندر داخل ہوا اور

ابوصیر کی نظر اس پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خوش ہو گیا۔ ابوقیر نے کہا کیا حلال زادے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ میں نے ایک رنگریز خانہ کھولا' سارے شہر کا استاد ہوں۔ بادشاہ سے میرا تعارف ہے' بڑا خوش حال اور عزت و احترام والا ہوں لیکن نہ تو میرے پاس آتا ہے نہ میری خبر لیتا ہے نہ یہ پوچھتا ہے کہ میرا ساتھی کیا ہوا۔ میں تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔ میرے غلاموں نے ساری ساری سرائیں' شہر کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن کسی سے تیرا پتا نہ چلا۔ ابوصیر بولا کیا میں تیرے پاس نہیں آیا تھا؟ تو نے مجھے چور کہہ کر مارا تھا اور لوگوں کے سامنے میری ذلت کی تھی۔ ابوقیر نے غمگین صورت بنا کر کہا یہ تو کیا کہتا ہے؟ کیا وہ تو ہی تھا۔ جسے میں نے مارا تھا؟ ابوصیر بولا ہاں وہ میں ہی تھا۔ ابوصیر نے ہزاروں قسمیں کھا ڈالیں کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا بلکہ ایک شخص تیرا ہم شکل ہر روز آ کر لوگوں کے کپڑے چرا لے جایا کرتا تھا۔ میرا خیال ہوا کہ تو وہی شخص ہے یہ کہہ کر اس نے بڑی پشیمانی کا اظہار کیا اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا لاحول ولا قوہ۔ میں نے تیرے ساتھ بہت برا کیا۔ کاش تو اپنا نام بتا دیتا۔ غلطی تری ہے کہ تو نے اپنا نام نہیں بتایا' خاص کر جب کام کی زیادتی کی وجہ سے میرے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ ابوصیر بولا اے دوست! خدا تجھے معاف کرے۔! یہ چیز میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی اور خدا مجھے اس کا بدلہ دے گا۔ حمام میں چل کر کپڑے اتار' نہا اور خوش ہو۔ ابوقیر نے کہا پہلے تو مجھے معاف کر دے۔ ابوصیر بولا خدا تیرا دامن پاک کرے اور تجھے معافی دے کیونکہ یہ ازل سے میرے لئے مقدر تھا۔ اس کے بعد ابوقیر نے پوچھا تو اتنا بڑا کیونکر ہو گیا؟ اس نے جواب دیا۔ جس خدا نے تیری قسمت کھول دی اور اس نے میرے لئے حمام بنوا دیا۔ ابو قیر بولا۔ جس طرح تجھے بادشاہ جانتا ہے مجھے بھی جانتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- # نو سو سینتیس ویں رات

نو سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابوقیر بولا جس طرح بادشاہ تجھے جانتا ہے مجھے بھی جانتا ہے اور خدا نے چاہا تو اب میں تیری محبت اس کے دل میں ڈال دوں گا اور میری وجہ سے وہ تیرا زیادہ احترام کرے گا۔ اسے معلوم نہیں کہ تو میرا دوست ہے۔ میں اس بتا دوں گا کہ تو میرا دوست ہے اور تیری سفارش کر دوں گا۔ ابوصیر بولا سفارش کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو ذات محبت پیدا کرتی ہے اب بھی موجود ہے' بادشاہ اور اس کے تمام حکام مجھے چاہتے ہیں اور مجھے فلاں فلاں انعام دیا ہے۔ اب تو صندوق کے پیچھے جا کر کپڑے اتار ڈال اور میرے ساتھ حمام کے اندر چل کیونکہ میں خود تیری مالش کروں گا۔ ابوقیر نے کپڑے اتار ڈالے' حمام کے اندر گیا۔ ابوصیر نے اس کی مالش کی' صابن سے نہلایا' دوبارہ کپڑے پہنائے اور باہر نکلنے تک اس کی خدمت کرتا رہا۔ جب وہ باہر آیا تو ابوصیر نے ناشتہ حاضر کیا اور طرح طرح کے شربت پلائے۔ اس کے بعد ابوقیر نے اسے کچھ دینا چاہا اس نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی تو میرا دوست ہے اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اب ابو قیر نے ابوصیر سے کہا دوست! یہ حمام تو نہایت عالی شان ہے لیکن ایک چیز کی کسر ہے۔ ابوصیر نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا بال اڑانے کی دوا جو ہڑتال اور کھریا مٹی سے بنائی جاتی ہے۔ اسے بنا کر رکھ لے جب بادشاہ آئے تو اسے پیش کیجئو اور بال اڑنے کا طریقہ اسے بتائیو۔ اس پر وہ تجھ سے بہت زیادہ محبت اور تیرا احترام کرنے لگے گا۔ ابوصیر نے کہا تو ٹھیک کہتا ہے' خدا نے چاہا تو ضرور بناؤں گا۔

ابوقیر حمام سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوا اور سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا جہاں پناہ! میں تجھے خبردار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کس بات سے؟

ابو قیر نے کہا تو نے ایک حمام بنوایا ہے؟ بادشاہ نے کہا ہاں! تیری ہی طرح ایک پردیسی آیا تھا اور جس طرح میں نے تیرے لئے ایک رنگریز خانہ بنوایا ہے اسی طرح اس کے لئے ایک حمام۔ ابو قیر نے کہا تو اس کے اندر بھی گیا ہے؟ بادشاہ بولا ہاں! گیا ہوں۔ ابو قیر نے کہا شکر ہے خدا کا تو اس کے شر سے محفوظ رہا جو حمامچی ہے وہ بڑا خبیث اور دین کا دشمن ہے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ ابو قیر بولا جہاں پناہ! اگر تو پھر گیا تو مارا جائے گا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیسے؟ ابو قیر نے کہا حمامچی تیرا اور دین کا دشمن ہے۔ حمام قائم کرنے کا مقصد ہی اس کا یہ ہے کہ وہ تجھے زہر دے دے۔ جب تو حمام جائے تو وہ ایک دوا تیرے پاس لائے گا اور کہے گا کہ اس کی دھونی سے بال بلا تکلف گر پڑتے ہیں لیکن وہ دوا نہیں بلکہ قاتل زہر ہے۔ اس خبیث سے عیسائیوں کے بادشاہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دے تو وہ اس کی بیوی کو قید سے چھوڑ دے گا۔ اس کی بیوی بچے عیسائیوں کے بادشاہ کے یہاں قید ہیں۔ میں بھی وہیں قید تھا لیکن میں نے وہاں ایک رنگریز خانہ کھولا۔ رنگ بہ رنگ کے کپڑے رنگے اور بادشاہ نے خوش ہو کر مجھے آزاد کر دیا۔ وہاں سے میں یہاں آیا تو میں نے اسے دیکھا اور پوچھا کہ تو اور تیرے بیوی بچے کیسے چھوٹے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک روز دربار کیا جس میں میں بھی موجود تھا۔ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ سوائے فلاں شہر کے بادشاہ کے کسی نے میرے اوپر اس قدر ظلم نہیں کیا۔ اس لئے جو کوئی اسے قتل کر دے گا جو مانگے گا میں دوں گا۔ اس پر میں نے آگے بڑھ کر کہا اگر میں کسی حیلے سے اسے مار ڈالوں تو کیا تو مجھے اور میرے بیوی بچوں کو چھوڑ دے گا۔ اس نے جواب دیا ہاں اور جو تو مانگے گا دوں گا۔ اس لئے میں نے یہاں کر بادشاہ سے ایک حمام بنوایا اور اب یہی باقی ہے کہ میں بادشاہ کو قتل کر کے عیسائیوں کے بادشاہ کے پاس جاؤں اپنے بیوی بچوں کو چھڑاؤں اور اس سے انعام لوں۔ میں نے پوچھا تو نے کیا ترکیب سوچی ہے؟ اس نے کہا میں نے ایک دوا بنائی ہے جب وہ حمام آئے گا میں کہوں گا کہ اس کی دھونی لے تا کہ تیرے تمام

نیچے کے بال گر جائیں۔ لیکن یہ زہر ہے وہ دھونی لیتے ہی ایک دن رات میں زہر اس کے دل تک سرایت کر جائے گا وہ مر جائے گا اور بس یہ سن کر مجھے تیری جان کے لالے پڑ گئے اور میں تجھے خبر دینے دوڑا ہوں۔ کیونکہ میرے اوپر تیرے بڑے احسانات ہیں۔



اس کی یہ باتیں سن کر بادشاہ کو تیش آ گیا اور رنگریز سے کہا کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ کیجئو۔ اس کے بعد اس نے حمام جانے کا ارادہ کر لیا تا کہ شک جاتا رہے اور یقین ہو جائے۔ حمام پہنچا تو ابوصیر نے دستور کے مطابق اس کے کپڑے اتارے مالش کی اور پھر کہا کہ جہاں پناہ! میں نے ایک دوا بنائی ہے جس سے نیچے کے بال اڑ جائیں۔ بادشاہ بولا اسے لا وہ لے آیا تو بادشاہ نے دیکھا کہ وہ بڑی بدبودار ہے اسے یقین ہو گیا کہ وہ زہر ہے اور طیش میں آ کر اپنے نوکروں سے کہا پکڑو اسے۔ نوکروں نے پکڑ لیا بادشاہ غصے میں بھرا وہاں سے نکلا کسی کو اس کے غصے کی وجہ معلوم نہ ہوئی۔ نہ کسی کی ہمت پڑی کہ اس سے پوچھے۔ اب بادشاہ کپڑے پہن کر دربار میں آیا اور ابوصیر مشکیں باندھ کر حاضر کیا گیا بادشاہ نے کپتان کو بلا کر کہا اس خبیث کو لے جا کر ایک بوری میں بند کرکے اس میں بے بجھا دو من چونا ڈال دے' بوری کا منہ بند کرکے اسے ایک ناؤ میں رکھ اور میرے محل کے نیچے آ تو مجھے وہاں ایک جھروکے میں بیٹھا دیکھے گا۔ مجھ سے پوچھیو کہ پھینکوں اسے؟ میں کہوں گا پھینک' اس وقت تو اسے پھینک دیجئو تا کہ وہ جل کر ڈوب جائے اور مر جائے۔ کپتان نے کہا سر آنکھوں سے اور ابوصیر کو محل کے سامنے ایک جزیرے میں لے گیا اور اس سے کہا تو نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ بتا تو سہی کہ بادشاہ کے ساتھ تجھے کیا پیش آیا تو نے کیا ایسی حرکت کی کہ بادشاہ تجھ سے ناراض ہو گیا اور مجھے حکم دیا کہ تجھے بری موت ماروں۔ ابوصیر نے کہا میں نے تو کوئی بات ایسی نہیں کی کہ اس سزا کا مستحق بنوں۔

## • نو سو اڑتیس ویں رات

نو سو اڑتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ابوصیر نے کپتان سے کہا مجھ سے تو کوئی ایسی حرکت سر زد نہیں ہوئی کہ اس سزا کا مستحق بنوں۔ کپتان بولا تیرا درجہ تو بادشاہ کے نزدیک اتنا بڑا تھا کہ بڑے بڑے لوگ حسد کرتے تھے شاید کسی حاسد نے کوئی بات بادشاہ کے آگے تیرے خلاف کہی ہے کہ وہ اتنا ناراض ہو گیا ہے۔ لیکن خوش ہو تیرا بال بیکا نہ ہو گا جس طرح تو نے بے جانے پہچانے میرے ساتھ نیکی کی ہے میں بھی خالص دوستی کا حق ادا کروں گا اور تجھے چھڑا دوں گا۔ لیکن جب میں تجھے آزاد کر دوں تو اسی جزیرے میں میرے پاس ٹھہرا رہیو کوئی کشتی یہاں سے تیرے وطن جائے گی تو میں روانہ کر دوں گا۔ ابوصیر نے کپتان کے ہاتھ چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ کپتان نے چونا لا کر بوری میں بھرا اس کے اندر انسان کے برابر ایک پتھر رکھا اور خدا پر بھروسا کرکے بیٹھ گیا اور ابوصیر کو ایک جال دے کر کہا کہ اسے سمندر میں ڈال کر مچھلیاں پکڑ کیونکہ میرا فرض ہے کہ ہر روز بادشاہ کے باورچی خانے کے لئے مچھلیاں پکڑا کروں۔ آج اس مصیبت کی وجہ سے میں نے کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ باورچی کے غلام آئیں اور کوئی مچھلی نہ پائیں۔ اگر تو مچھلیاں پکڑنے جائے گا تو میں اطمینان سے کوئی ترکیب چلوں گا اور محل کے نیچے جا کر کہوں گا میں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے۔ ابوصیر نے کہا اچھا میں مچھلیاں پکڑتا ہوں تو جا خدا تیری مدد کرے! کپتان بوری کو کشتی میں رکھ کر محل کے نیچے پہنچا۔ دیکھا کہ بادشاہ جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے۔ کپتان نے کہا پھینکوں؟ بادشاہ نے کہا پھینک۔ ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ کیا اور کوئی چیز چمکتی ہوئی اس کے ہاتھ سے سمندر میں جا پڑی۔ یہ بادشاہ کی انگوٹھی تھی اور طلسمی تھی۔ جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا اور اسے قتل کرنا چاہتا تو داہنے ہاتھ سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کرتا اور اس میں

بجلی نکلتی اور جس کی طرف وہ اشارہ کرتا اس کا سر کندھے سے جدا ہو جاتا۔ جب انگوٹھی اس کے ہاتھ سے نکل پڑی تو اس نے اس بھید کو پوشیدہ رکھا کیونکہ وہ کسی سے کہہ نہ سکتا تھا کہ میری انگوٹھی سمندر میں گر پڑی ہے۔ ورنہ اس کا لشکر اس پر چڑھائی کرکے اسے مار ڈالتا۔ یہ تھی وجہ اس کے چپ رہنے کی۔



یہ تو بادشاہ کا قصہ ہے ہوا اب ابو صیر کا ماجرا سنو۔ کپتان کے جانے کے بعد اس نے جال لے کر سمندر میں پھینکا' کھینچا تو مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جتنی بار وہ جال پھینکتا وہ مچھلیوں سے بھرا ہوا نکلتا۔ یہاں تک کہ اس کے آگے مچھلیوں کا ڈھیر لگ گیا۔

اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔ میں نے ایک زمانے سے مچھلیاں نہیں کھائیں اور اس نے اپنے لئے ایک موٹی تازی مچھلی نکال کر الگ رکھ لی۔ جب کپتان آئے تو میں اس سے کہوں گا یہ مچھلی میرے ناشتے کے لئے بھون دے۔ اس کے بعد اس نے چھری نکال کر مچھلی کی گردن کاٹی تو اس میں سے وہی انگوٹھی نکلی اس نے اسے اپنی چھنگلی میں پہن لیا۔ لیکن اسے انگوٹھی کی خاصیت کی بالکل خبر نہ تھی۔ اتنے میں باورچی کے دو غلام مچھلیاں لینے آئے ابوصیر کے پاس پہنچ کر انہوں نے پوچھا کپتان کہاں ہے؟ ابوصیر بولا مجھے خبر نہیں اور اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی دونوں کے سرتن سے جدا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابوصیر حیران ہو گیا اور کہنے لگا خدا جانے انہیں کس نے قتل کر دیا؟ اسی سوچ میں تھا کہ کپتان پہنچا دیکھا کہ مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے' دو مقتول پڑے ہوئے ہیں اور ابوصیر کی انگلی میں انگوٹھی ہے۔ اس نے کہا بھائی! اپنا وہ ہاتھ نہ ہلائیو۔ جس میں انگوٹھی ہے ورنہ میں قتل ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد کپتان نے ابوصیر سے پوچھا ان دونوں غلاموں کو کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی۔ خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ کپتان بولا تو سچ کہتا ہے اچھا بتا یہ انگوٹھی تجھے کہاں سے ملی؟ ابوصیر بولا مچھلی کے پیٹ میں سے۔ کپتان بولا ٹھیک ہے میں نے اسے شاہی محل پر سے سمندر میں گرتے ہوئے دیکھا تھا غالباً اس مچھلی نے

اسے شاہی محل پر سے سمندر میں گرتے دیکھا تو غالباً اس مچھلی نے اسے نگل لیا۔ خدا نے اس مچھلی کو تیرے پاس پہنچا دیا اور تو نے اسے شکار کر لیا۔ یہ تیرا نصیب ہے۔ لیکن تجھے اس انگوٹھی کی خاصیت بھی معلوم ہے؟ ابوصیر بولا نہیں۔ کپتان نے کہا ہمارے بادشاہ کا لشکر محض اس انگوٹھی کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ وہ طلسم ہے جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا ہے اور اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس انگوٹھی سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کا سر گردن سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر ابوصیر بہت خوش ہوا اور کپتان سے کہا مجھے شہر واپس بھیج دے۔ کپتان نے کہا میں واپس بھیج دوں گا اب مجھے بادشاہ سے تیرے بارے میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ اگر تو اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے گا تو اس کا سر تیرے آگے پڑے گا اگر تو بادشاہ اور اس کے سارے لشکر کو قتل کرنا چاہے تو بغیر کسی دقت کے انہیں قتل کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ابوصیر کو کشتی میں بٹھایا اور شہر کی طرف روانہ کر دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو انتالیس ویں رات

نو سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- کپتان نے اسے کشتی میں بٹھا کر شہر بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر ابوصیر سیدھا شاہی محل کے اندر چلا گیا' دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے لشکر اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ انگوٹھی کی وجہ سے نہایت غمگین ہے مگر کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ بادشاہ کی نظر ابوصیر پر پڑی تو اس نے کہا ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا پھر تو کس طرح نکل آیا؟ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! جب تو نے حکم دیا تھا کہ کپتان مجھے سمندر میں پھینک دے تو اس نے اس بھلائی کے بدلے جو میں نے تیرے حمام میں اس کے ساتھ کی تھی بجائے میرے بوری میں ایک پتھر رکھ دیا اور میں مچھلیاں پکڑنے لگا۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے یہ انگوٹھی نکلی۔ کپتان سے معلوم ہوا کہ یہ تیری انگوٹھی ہے اور اس کی یہ یہ خاصیت ہے۔ لہٰذا یہ انگوٹھی لے کر تیرے پاس آیا ہوں کہ تجھے دے دوں۔ کیونکہ تو نے میرے ساتھ بڑے بڑے احسانات کئے ہیں اگر میں نے تیرے ساتھ کوئی برائی کی ہو جس سے میرا قتل واجب آتا ہو تو مجھے بتا دے اور مجھے قتل کر ڈال۔ میرے خون کا تیرے اوپر کوئی دعویٰ نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اتار دی اور بادشاہ کو دے دی۔

بادشاہ نے دیکھا کہ ابوصیر اس کے ساتھ یہ احسان کر رہا ہے تو اس نے انگوٹھی لے کر پہن لی اس کی جان میں جان آ گئی اس نے اٹھ کر ابوصیر کو گلے سے لگا لیا اور کہا اے شخص! تو بہت حلال زادہ ہے' جو کچھ مجھ سے تیرے حق میں صادر ہوا اسے معاف کر دے اگر کسی اور کے ہاتھ یہ انگوٹھی لگتی تو وہ مجھے ہر گز نہ دیتا۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں تو مجھے بتا کہ کہ مجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جو تو اتنا ناراض ہوا کہ میرے قتل کا حکم دے دیا؟

بادشاہ بولا تو نے اتنی بڑی بھلائی میرے ساتھ کی ہے کہ تیری بے گناہی مجھ پر ثابت ہو گئی لیکن رنگریز نے مجھ سے یہ یہ باتیں کہی تھیں۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! نہ میں عیسائیوں کے بادشاہ کو جانتا ہوں نہ کبھی ان کے ملک میں گیا ہوں اور نہ کبھی تیرے قتل کرنے کا خیال میرے دل میں آیا ہے۔ یہ رنگریز اسکندریہ میں میرا دوست اور پڑوسی تھا۔ یہ کہہ کر اس نے رنگریز کا سارا واقعہ بادشاہ سے کہہ دیا اور کہا جو دوا میں نے بنائی تھی وہ ہرگز مضر نہیں۔ ہم اسے اپنے ہاں بنایا کرتے ہیں اور ہر حمام میں اس کا ہونا لازمی ہے۔ اے بادشاہ! سرائے کے دربان اور رنگریز خانے کے ملازموں کو لا کر خود پوچھ لے۔ جب وہ لوگ آئے تو انھوں نے بادشاہ کے سامنے تمام باتیں سچ سچ کہہ دیں۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ رنگریز کو ننگے پاؤں اور ننگے سر مشکیں باندھ کر لے آؤ۔ رنگریز اس وقت اپنے گھر میں خوش خوش بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ ابوصیر مارا گیا کہ یکایک بادشاہ کے پیادے آ پہنچے اسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے دیکھا کہ ابوصیر بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے سرائے کا دربان اور رنگریز خانے کے ملازم اس کے سامنے کھڑے ہیں اسے دیکھتے ہی دربان نے کہا کیا یہ وہ تیرا دوست نہیں ہے جس کے درہم تو نے چرائے تھے جسے تو کوٹھڑی میں بیمار چھوڑ کر چلا گیا تھا اور جس کے ساتھ فلاں فلاں حرکت کی تھی؟ رنگریز خانے کے ملازموں نے کہا کیا یہ وہی شخص نہیں جس کے متعلق تو نے ہم سے کہا تھا کہ اسے پکڑو اور خوب مارو۔ اسے پکڑ کر شہر اور بازار میں ڈھنڈورا پیٹو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو چالیس ویں رات

نو سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ نے حکم دیا کہ ابوقیر کو شہر میں تشہیر کرو اور پھر ایک بوری میں بند کرکے سمندر میں پھنک دو۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! میری سفارش مان لے۔ میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے۔ بادشاہ بولا تو نے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے مگر میں اس کے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اسے فوری بوری میں بند کرکے اور اس میں چونا ڈال کر سمندر میں پھینک دو تاکہ وہ ڈوب کر جل جائے اس کے بعد بادشاہ نے ابوصیر سے کہا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے میرے وطن بھیج دے۔ کیونکہ اب میرا جی یہاں نہیں لگتا۔ بادشاہ نے اسے بہت کچھ مال و دولت دے کر کہا میں تجھے اپنا وزیر بنا لوں گا لیکن وہ راضی نہ ہوا اور بادشاہ سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا۔ جب وہ سکندریہ پہنچا تو ملاحوں نے لنگر ڈالا اور خشکی پر اترے دیکھا کہ کہ خشکی کے کنارے ایک بڑی بھاری بوری ہے اس کا منہ بندھا ہوا ہے نہ معلوم اس کے اندر کیا ہے؟ ابوصیر نے اسے لے کر کھولا تو اس میں ابوقیر کی لاش ہے۔ سمندر اسے سکندریہ تک بہا لایا تھا۔ ابوصیر نے اسے نکال کر اسکندریہ کے قریب دفن کیا اس کا مزار بنایا اور بہت سا مال اس کے لئے وقف کر دیا۔ کچھ زمانے کے بعد ابوصیر کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اسے بھی اس کے دوست ابوقیر کے پاس دفن کیا۔ اس وجہ سے اس جگہ کا نام ابوقیر و ابوصیر پڑ گیا اور آج کل محض ابوقیر کے نام سے مشہور ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو دائمی ہے اور جس کے حکم سے دن رات آتے جاتے رہتے ہیں۔

- عبداللہ ماہی گیر٬ عبداللہ باورچی اور عبداللہ بحری کی کہانی

ایک ماہی گیر تھا۔ عبداللہ نام' اس کی ایک بیوی اور نو اولادیں تھیں۔ لیکن ان کی غربت اتنی تھی کہ سوائے جال کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ ہر روز مچھلیاں مارنے دریا کے کنارے جاتا اور اگر تھوڑی بہت مچھلیاں مل جاتیں تو انہیں بیچ کر اپنے اہل و عیال پر صرف کرتا کبھی کچھ زیادہ آمدنی ہو جاتی تو اچھا کھانا پکاتا' میوے خریدتا اور خرچ کرتا رہتا یہاں تک کہ اس کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔ اور وہ اپنے دل میں کہتا کہ کل کی روزی کل آئے گی۔ خدا کی قدرت اس کی بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا اور اب ان کی تعداد دس ہو گئی' اس ماہی گیر کی جیب بالکل خالی تھی۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا! کچھ لا کہ میں کھاؤں' ماہی گیر بولا میں ابھی دریا کے کنارے جاتا ہوں اور اس بچے کا نام لے کر جال پھینکتا ہوں۔ دیکھوں اس کی قسمت کیسی ہے؟ یہ کہہ کر اس نے جال اٹھایا اور دریا کی طرف چل کھڑا ہوا وہاں پہنچ کر بچے کے نام پر جال پھینکا اور کہا خداوند اس بچے کا رزق آسان کیجئو مشکل نہ کیجئو۔ زیادہ دیجئو کم نہ دیجو۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر جب اس نے جال پھینکا تو اس میں گھاس پھوس' ریت' کنکر پتھر نکلے مچھلی کا نام و نشان نہ تھا پھر اس نے دوسری بار جال پھینکا پھر بھی کوئی مچھلی نہ آئی۔ تیسری' چوتھی اور پانچویں بار جال پھینکا ہر بار جال خالی نکلا۔ اب اس نے وہاں سے دور جا کر قسمت آزمائی کی اور شام تک بیٹھا رہا۔ مچھلی کا بچہ بھی ہاتھ نہ لگا وہ اپنے دل میں کہنے لگا خدا نے اس بچے کو بے روزی کے پیدا کیا ہے مگر یہ تو ہو نہیں سکتا۔ جس ذات نے منہ بنایا ہے اور اسے کھلانے کا بھی ذمے دار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال لیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اور اس کی بیوی زچہ خانے میں تھی۔

وہ اپنے دل میں یہی کہتا چلا جا رہا تھا کہ آج رات بچوں سے کیا کہوں گا کہ اس کا گزر ایک باورچی کے تنور پر ہوا دیکھا کہ وہاں بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ لوگ باورچی کو دام دیتے لیکن بھیڑ کی وجہ سے وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ ماہی گیر کھڑا ہو کر تماشا

دیکھنے لگا جب گرم گرم روٹیوں کی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی تو مارے بھوک کے اس کا جی للچانے لگا۔ باورچی نے اسے دیکھ کر کہا ماہی گیر! آگے آ' وہ آگے آیا تو باورچی نے پوچھا کیا تو روٹیاں چاہتا ہے؟ ماہی گیر چپ ہو گیا۔ باورچی نے کہا بول شرما نہیں اللہ کریم ہے اگر تیرے پاس دام نہیں تو میں ادھار دوں گا اور تیری حالت سدھرنے تک انتظار کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا استاد! سچ مچ میرے پاس درہم نہیں لیکن تو میرے بال بچوں کے لئے کافی روٹیاں دے دے اور کل تک کے لئے میرا جال گروی رکھ لے۔ باورچی بولا اے غریب! یہی جال تو تیری دکان اور تیری روزی کا دروازہ ہے اگر تو نے اسے گروی رکھ دیا تو مچھلیاں کاہے سے پکڑے گا؟ یہ بتا کہ کتنی روٹیاں تیرے لئے کافی ہوں گی؟ اس نے کہا دس اٹھنیوں کی۔ باورچی نے اسے دس اٹھنیوں کی روٹیاں اور دس اٹھنیاں نقد دے دیں اور کہا کہ ان دس اٹھنیوں کا سالن پکائیو۔ اس طرح تیری طرف بیس اٹھنیاں ہو جائیں گی ان کے بدلے کل مچھلیاں لیتا آئیو اور اگر کچھ نہ ملے تو آ کر اپنی روٹیاں اور دس اٹھنیاں لے جائیو بلکہ جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو اکتالیس ویں رات

نو سو اکتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- باورچی نے ماہی گیر سے کہا جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا خدا تجھے اس کا اجر دے۔ وہ روٹیاں اور دس اٹھنیاں لے کر خوش خوش چل دیا اور جو کچھ ان سے خرید سکتا تھا خرید کر اپنی بیوی کے پاس گیا دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی بچوں کو دم دلاسا دے رہی ہے اور وہ مارے بھوک کے رو رہے ہیں۔ ماں کہہ رہی ہے کہ تمہارا باپ تمہارے لئے ابھی کھانا لا رہا ہو گا۔ اتنے میں باپ آ گیا اور کھانا ان کے سامنے رکھ دیا انہوں نے کھایا پیا۔ ماہی گیر نے اپنی بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا اس نے جواب دیا اللہ کریم ہے۔ دوسرے روز وہ پھر جال لے کر نکلا اور کہنے لگا اے پروردگارا! میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ آج تو مجھے روزی دیجیئو تا کہ میں باورچی کے سامنے سرخرو ہوں۔ سمندر پر پہنچ کر وہ دن بھر جال پھینکتا اور کھینچتا رہا۔ لیکن کوئی مچھلی نہ پھنسی وہ غمگین اور رنجیدہ ہو کر لوٹا۔ اس کے گھر کا رستہ باورچی کے تنور ہی پر ہو کر تھا وہ کہنے لگا میں کدھر سے ہو کر گھر جاؤں؟ لیکن ایسا کر سکتا ہوں کہ جلدی سے گزر جاؤں تا کہ باورچی کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔ تنور پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ باورچی کی شرم کے مارے تیز تیز چلنے لگا۔ باورچی نے اسے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اے ماہی گیر! اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لیتا جا۔ شاید تو بھول گیا ہے۔ ماہی گیر بولا واللہ میں بھولا نہیں مجھے تیرے آگے شرم آتی ہے کیونکہ آج بھی میرے ہاتھ کوئی مچھلی نہیں لگی۔ باورچی بولا شرما نہیں میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ جب تک تیری حالت سدھر نہ جائے میں انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے ماہی گیر کو روٹیاں اور دس اٹھنیاں دے دیں اور اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ بیوی بولی اللہ کریم ہے تیری قسمت خدا نے چاہا تو جاگ اٹھے

گی۔

چالیس دن تک ماہی گیر کی یہی حالت رہی کہ وہ صبح سے شام تک دریا پر رہتا اور پھر بے مچھلیوں کے لوٹ آتا۔ باروچی اسے روٹیاں اور دام دیتا لیکن مچھلی کا نام نہ لیتا نہ اسے اور لوگوں کی طرح کھڑا رکھتا۔ جب کبھی ماہی گیر کہتا بھائی! حساب کر تو وہ جواب دیتا کہ چل یہ وقت حساب کتاب کا نہیں جب تیرے پاس ٹکے آ جائیں گے تو حساب کر لوں گا۔ ماہی گیر اسے دعا دیتا اور اس کا شکریہ ادا کر کے چلا جاتا۔ اکتالیس ویں دن اس نے اپنی بیوی سے کہا میں چاہتا ہوں کہ جال کو کاٹ کر پھینک دوں اور اس کاروبار سے چھٹکارا پاؤں۔ بیوی نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا دریا سے اب میری روزی جاتی رہی ہے اور باورچی کے آگے مارے شرم کے پسینے پسینے ہو جاتا ہوں اس لیے نہ میں دریا پر جاؤں نہ اس کے تنور کے آگے سے گزروں لیکن میرا اور کوئی راستہ نہیں جب میں ادھر سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے پکار کر روٹیاں اور دس اٹھنیاں دے دیتا ہے۔ آخر کب تک میں اس سے ادھار لیا کروں گا؟ بیوی بولی شکر ہے خدا کا کہ اس نے اس کا دل تیری طرف سے نرم کر دیا ہے اور وہ تجھے کھانا دیتا ہے اس میں کون سی بری بات ہے؟ ماہی گیر بولا اس کے بہت سے درہم میرے اوپر ہو گئے ہیں اور وہ ضرور ایک نہ ایک دن مانگ بیٹھے گا۔ بیوی نے کہا کیا اس نے تجھ سے تقاضا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ حساب بھی کرنا نہیں چاہتا اور کہتا ہے کہ پہلے کافی کما لے بیوی نے کہا اگر وہ مطالبہ کرے تو کہہ دیجیو کہ مجھے خوش حال ہونے دے۔ اس نے کہا ہم کب خوش حال ہوں گے؟ بیوی نے جواب دیا اللہ کریم ہے۔

وہ بولا تو سچ کہتی ہے۔ وہ پھر جال لے کر دریا پر گیا کہنے لگا اے پروردگار! میری روزی عطا کر خواہ ایک ہی مچھلی کیوں نہ ہو تا کہ میں باورچی کو دوں۔ یہ کہہ کر اس نے جال پھینکا‘ کھینچا تو وہ بھاری معلوم ہوا اس نے اتنا زور لگایا کہ تھک گیا۔ جال باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ اس میں ایک مردار گدھا ہے جو پھول گیا ہے اور جس میں

بری بدبو نکل رہی ہے۔ اس سے اسے بڑی گھن آئی۔ اس نے گدھے کو جال میں سے نکالا' لاحول پڑھنے لگا اور کہا میں تو عاجز آ گیا ہوں' لاکھ اس عورت سے کہتا ہوں کہ اب سمندر سے میری قسمت میں روزی نہیں' مجھے یہ پیشہ چھوڑ دینے دے لیکن وہ کہتی ہے اللہ کریم ہے۔ عنقریب تجھے بہت کچھ مل جائے گا۔ کیا وہ بہت کچھ یہی مردار گدھا ہے؟ اب وہ رنجیدہ ہو کر دوسری جگہ گیا تاکہ گدھے کی بدبو سے دور ہو جائے اور جال لے کر پھینکا تھوڑی دیر ٹھہر کر کھینچا تو وہ وزنی تھا اور اس نے اتنا زور لگایا کہ اس کی ہتھیلیوں سے خون نکلنے لگا۔

جال باہر نکلا تو ماہی گیر نے دیکھا کہ اس میں ایک آدمی ہے اسے گمان ہوا کہ یہ کوئی دیو ہو گا جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیتل کی لٹیا میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیا ہو گا۔ اور اب اتنی مدت کے بعد وہ لٹیا ٹوٹ گئی ہو گی وہ اس میں سے نکل پڑا ہو گا اور جال میں پھنس گیا ہو گا۔ یہ سوچ کر وہ بھاگا اور چلانے لگا اے سلیمان علیہ السلام کے دیو! امان' امان! آدمی نے جال کے اندر سے جواب دیا اے ماہی گیر! بھاگ نہیں یہاں آ۔ میں بھی تیری طرح آدمی ہوں' مجھے جال میں سے نکال دے تاکہ تجھے ثواب ملے۔ یہ سن کر ماہی گیر کو اطمینان ہوا اور اس کے پاس آ کر کہا کیا تو دیو نہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں انسان ہوں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں۔ ماہی گیر نے پوچھا تجھے سمندر میں کس نے پھینکا؟ اس نے کہا میں دریائی انسان ہوں پھر رہا تھا کہ تیرے جال میں پھنس گیا۔ ہم لوگ خدا کے احکام کی پیروی کرتے اور اس کی مخلوقات سے محبت رکھتے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ کہیں نافرمان بندوں میں میرا شمار نہ ہو جائے تو میں تیرا جال پھاڑ ڈالتا لیکن میں نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تو مجھے جال سے چھڑائے گا تو تو میرا مالک ہو گا اور میں تیرا غلام۔ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ مجھے خدا کی راہ پر آزاد کر دے اور میرے ساتھ عہد و پیماں کرے کہ ہم دوست رہیں گے۔ میں ہر روز تجھ سے اسی جگہ ملا کروں گا تو میرے لیے خشکی کا تحفہ لایا کر کیونکہ تمہارے ہاں انگور' انجیر'

تربوز' شفتالو اور انار وغیرہ ہوتے ہیں جو چیز تو لائے گا مجھے منظور ہے اور ہمارے ہاں مونگے' موتی' زبرجد' زمرد' یاقوت اور ہیرے ہوتے ہیں جس ٹوکری میں تو میرے لیے میوے لائے گا اسے میں دریائی جواہرات سے بھر دوں گا۔ بتا منظور ہے؟ ماہی گیر نے کہا اس بات پر ہمارے درمیان فاتحہ ہو جانی چاہیے۔ دونوں نے فاتحہ پڑھی۔ ماہی گیر نے اسے جال سے نکال دیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری اگر تو یہاں آئے اور مجھے نہ پائے تو کہیو کہ اے عبداللہ بحری! تو کہاں ہے؟ میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو بیالیس ویں رات



نو سو بیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبداللہ بحری نے کہا' جب تو کہے گا اے عبداللہ بحری! تو کہاں ہے؟ تو میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری بولا کہ تو عبداللہ بری ہے اور میں عبداللہ بحری۔ تو یہیں ٹھہرا رہ میں جا کر تیرے لیے ایک ہدیہ لاتا ہوں۔ ماہی گیر بولا سر آنکھوں پر۔ عبداللہ بحری دریا میں چلا گیا اب عبداللہ بری پشیمان ہوا کہ میں نے اسے جال سے کیوں چھڑایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کیا جانے وہ لوٹ کر آئے گا کہ نہیں۔ اس نے مجھے دھوکا دیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر میں اسے رہنے دیتا تو شہر میں اس کا تماشا دکھاتا اور درہم کماتا اسے لے کر امیروں کے گھروں میں جاتا۔ غرضیکہ اسے چھوڑ دینے پر ماہی گیر کو بڑی پشیمانی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب تیرا قیدی تیرے ہاتھ سے جاتا رہا۔ وہ اسی افسوس میں تھا کہ عبداللہ بحری دونوں ہاتھوں میں موتی' مونگے' زمرد اور یاقوت اور ہیرے لیے ہوئے لوٹا اور کہا بھائی! لے اور معاف کر اگر میرے پاس ٹوکری ہوتی تو میں اسے بھر دیتا۔ عبداللہ بری بہت خوش ہوا اورجواہرات اس سے لے کر کہنے لگا ہر روز سورج نکلنے سے پہلے یہاں آیا کیجیو اس کے بعد دونوں رخصت ہوئے اور عبداللہ بحری دریا کے اندر چلا گیا۔

ماہی گیر خوش خوش شہر میں داخل ہوا اور باورچی کے تنور پر پہنچ کر کہنے لگا بھائی! حساب کر' میرے پاس دام آ گئے ہیں۔ باورچی بولا حساب کی کیا ضرورت ہے؟ اگر تیرے پاس کچھ ہو تو دے دے نہیں تو اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لے کر چل دے۔ ماہی گیر نے کہا دوست خدا کی مہربانی سے مجھے دام مل گئے ہیں۔ تیرا قرضہ تو میرے اوپر بہت ہے لیکن فی الحال یہ لے اتنا کہہ کہ اس نے مٹھی بھر موتی' مونگے یاقوت اور ہیرے اسے دے دیئے اور کہا مجھے کچھ نقدی دے دے تاکہ اسے خرچ میں لاؤں۔

اور جب تک یہ جواہرات بکیں اس سے کام چلاؤں۔ باورچی نے جتنے درہم اس کے پاس تھے نکال کر دے دیئے تمام روٹیاں بھی جو ٹوکری میں تھیں اور جواہرات لے کر ماہی گیر سے کہتا ہوا کہ میں تیرا نوکر اور غلام ہوں اور غلام ہوں روٹیوں کی ٹوکری اپنے سر رکھ کر ماہی گیر کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس کی بیوی بچوں کے حوالے کر آیا اس کے بعد وہ بازار جا کر گوشت' ترکاری اور قسم قسم کے میوے لے آیا اور تنور چھوڑ کر دن بھر عبداللہ بری کی خدمت میں لگا رہا۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! تو بڑی تکلیف اٹھاتا ہے' باورچی نے جواب دیا۔ میرا فرض ہے کیونکہ میں تیرا نوکر ہو گیا اور تیرے احسان کے نیچے دب گیا ہوں۔ ماہی گیر بولا تو نے تنگی اور ناداری کے وقت مجھ پر احسان کیا ہے۔ رات کو دونوں نے اچھے اچھے کھانے کھائے اور باورچی ماہی گیر کا دوست ہو گیا۔ ماہی گیر نے عبداللہ بحری کا قصہ اپنی بیوی سے بیان کیا' بیوی خوش ہو گئی اور کہا اس بھید کو ظاہر نہ کیجیو ورنہ حکام تیرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ ماہی گیر بولا خواہ میں ساری دنیا سے یہ بھید پوشیدہ رکھوں لیکن باورچی سے نہیں چھپاؤں گا۔ دوسرے دن صبح کو وہ ٹوکری بھر میوے لے کر دن نکلنے سے پہلے دریا پر پہنچا اور اسے کنارے پر رکھ کر آواز دی۔ اے عبداللہ بحری! کہاں ہو؟ اس نے فوراً لبیک کہا اور نکل آیا۔ ماہی گیر نے اسے میوے دیئے وہ انہیں لے کر پانی کے اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ٹوکری بھر جواہرات لے کر نکلا۔ عبداللہ بری ٹوکری کو سر پر رکھ کر چل دیا۔

جب وہ باورچی کی دکان پر پہنچا تو باورچی نے کہا' اے میرے آقا! میں نے چالیس کلچے پکا کر تیرے گھر بھیج دیئے ہیں اور اب میں خاص قسم کی روٹیاں پکا رہا ہوں جب وہ تیار ہو جائیں تو میں انہیں بھی تیرے گھر بھیج دوں گا اور پھر ترکاری اور گوشت لے آؤں گا۔ ماہی گیر نے ٹوکری میں سے تین مٹھی بھر جواہرات لے کر اسے دے دیئے باقی گھر لے گیا اور ان میں سے اچھے اچھے چھانٹ کر جوہری بازار پہنچا۔ بازار کے چودھری کی دکان پر ٹھہرا اور اس سے کہا جواہرات خریدتا ہے؟ اس نے کہا دکھا

ماہی گیر نے جواہرات دکھائے تو چودھری نے پوچھا ان کے سوا تیرے پاس اور بھی جواہرات ہیں؟ اس نے جواب دیا میرے پاس ٹوکری بھر ہیں۔ چودھری نے جواہرات لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا اسے گرفتار کر لو۔ یہ چور ہے۔ اس نے بادشاہ کی بیوی ملکہ کا مال چرایا ہے۔ مارو اسے۔ انہوں نے اسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ دیں۔ چودھری اور تمام جوہری بازار والے جمع ہو گئے اور کہنے لگے ہم نے چور کر پکڑ لیا ہے۔ ایک کہتا کہ فلاں شخص کا سامان بھی اسی خبیث نے چرایا ہو گا دوسرا کہتا کہ فلاں شخص کے گھر کا سارا سامان بھی یہی چرا لے گیا ہے۔ غرض کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا۔ ماہی گیر چپ تھا کوئی جواب نہ دیتا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے بادشاہ کے سامنے لا کھڑا کیا اور چودھری نے بادشاہ سے کہا کہ جب ملکہ کا ہار چوری ہو گیا تھا تو تو نے مجھے خبر بھیجی تھی کہ چور کو پکڑوں۔ میں نے اس میں جان لڑا دی اور آخر چور کو پکڑ لیا اور یہ جواہرات اس کے پاس سے برآمد ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے غلام سے کہا یہ جواہرات لے جا کر ملکہ کو دکھا اور پوچھ کو کیا یہی تیرے جواہرات ہیں جو چوری ہو گئے تھے؟ غلام انہیں لے کر ملکہ کے پاس گیا۔ ملکہ انہیں دیکھ کر حیران ہو گئی اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ میرا ہار مل گیا ہے اور یہ جواہرات میرے نہیں یہ تو ہار کے جواہرات سے بہتر ہیں اس شخص پر ظلم نہ کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • نو سو تینتالیسویں رات

نو سو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ملکہ نے کہلا بھیجا ہے کہ اس شخص پر ظلم نہ کر اور اگر وہ انہیں بیچنا چاہے تو اپنی بیٹی ام سعود



کے لیے خرید لے تاکہ ہم اس کے لیے ایک ہار بنا دیں۔ غلام نے آکر بادشاہ کو خبر دی تو وہ چودھری اور اس کے ساتھیوں کو عادو ثمود کی طرح لعنت ملامت کرنے لگا۔ انہوں نے عرض کیا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہے کہ یہ شخص غریب ماہی گیر ہے اس کے پاس جواہرات کہاں سے آئے؟ اس نے ضرور چرایا ہو گا۔ بادشاہ بولا اے بد ذاتو! کیا تم مومن کی طرف سے ایسا برا گمان کرتے ہو؟ تم نے اس سے پوچھا کیوں نہیں؟ یہ خدا کی دین ہے تم اسے کیوں چور قرار دے کر بدنام کرتے ہو؟ بھاگو یہاں سے۔ خدا تمہارا ستیاناس کرے۔ یہ سنکر وہ مارے ڈر کے وہاں سے چل دیئے۔

یہ ان کا حال ہوا۔ اب بادشاہ کا ماجرا سنو۔ اس نے ماہی گیر سے کہا اے شخص! خدا نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس میں برکت ہو۔ تو ڈر نہیں' سچ سچ بتا دے کہ یہ جواہرات تجھے کہاں سے ملے ہیں؟ میں بادشاہ ہوں لیکن میرے پاس بھی ایسے نہیں۔ اس نے کہا جہاں پناہ! میرے پاس ایسے ایسے ایک ٹوکری بھر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے عبداللہ بحری کا قصہ بیان کیا اور یہ کہ میرے اس کے درمیان وعدہ ہے کہ میں اسے کے لیے ہر روز ٹوکری بھر میوے لے جایا کروں اور وہ اسی ٹوکری میں اتنے ہی جواہرات مجھے دیا کرے۔ بادشاہ نے کہا اے شخص! یہ تیری قسمت ہے لیکن مال کے لیے رتبے کی ضرورت ہے اب تو میں لوگوں کے ظلم سے تجھ بچا لوں گا پھر اگر میں تخت سے اتر گیا یا مر گیا اور دوسرا شخص تخت پر بیٹھا تو وہ دنیا کے لالچ میں آکر تجھے مار ڈالے گا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔ تجھے اپنا وزیر بنا لوں اور وصیت کر دوں کہ تو میرے بعد بادشاہ ہو تاکہ میرے مرنے کے بعد کوئی

تیری طرف بری نظر سے نہ دیکھے۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا اسے حمام لے جاؤ‘ لوگوں نے اسے حمام لے جا کر خوب نہلایا اور شاہانہ لباس پہنا کر بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے اسے اپنا وزیر بنا لیا اور اس کے گھر پیادے لشکری اور امیر زادیوں کو بھیجا جنہوں نے اس کی بیوی اور بچوں کو شاہانہ پوشاکیں پہنائیں۔ تخت رواں پر سوار کیا اور بادشاہ کے محل میں لے آئے چھوٹا بچہ اس کی گود میں تھا‘ بڑے لڑکوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس نے انہیں عزت سے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ یہ نو لڑکے تھے اور بادشاہ کے سوائے ایک ام سعود کوئی اولاد نہ تھی۔

ملکہ نے عبداللہ بری کی بیوی کی بری آؤ بھگت کی اور انعام و اکرام کے ساتھ اسے اپنی مصاحبہ بنا لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عبداللہ بری کا نکاح نامہ میری بیٹی کے ساتھ مرتب کر دیا جائے اور مہر میں اس کے تمام جواہرات لکھ دیئے جائیں۔ اب جشن ہونے لگے‘ بادشاہ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ اس کی بیٹی کی شادی کی خوشی میں شہر آراستہ کیا جائے۔ جب وہ شاہزادی کے ساتھ ہم بستر ہوا تو اس کے دوسرے دن بادشاہ نے جھروکے میں سے دیکھا کہ عبداللہ ٹوکری بھر میوے اپنے سر پر رکھے چلا جا رہا ہے اسے پکار کر پوچھا‘ اے میرے داماد! یہ کیا لیے جا رہا ہے؟ وہ بولا‘ اپنے دوست عبداللہ بری کے پاس میوے لئے جا رہا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اے داماد! یہ تیرے دوست کے پاس جانے کا وقت نہیں ہے۔اس نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے وعدہ خلافی نہ ہو جائے وہ مجھے جھوٹا ٹھہرائے اور کہے کہ دنیا میں پڑ کر تو مجھے بھول گیا۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے جا اپنے دوست کے پاس۔ خدا تیری دست گیری کرے۔ وہ شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے دوست کی طرف روانہ ہو گیا۔ بہت لوگ اس سے واقف ہو چکے تھے اس نے انہیں کہتے سنا کہ یہ بادشاہ کا داماد ہے‘ پھلوں کے بدلے جواہرات لینے جا رہا ہے لیکن جو اسے پہچانتا نہ تھا کہتا اے شخص! کتنے رطل بیچتا ہے‘ آ میرے ہاتھ بیچ اور وہ جواب دیتا کہ ٹھہر جا۔ میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں کسی کا دل نہ دکھاتا‘ عبداللہ بحری کے پاس پہنچ کر اس نے پھل دیئے اور ان کے بدلے جواہرات لیے۔ اسی طرح

وہ ہر روز باورچی کے تنور پر سے گزرتا لیکن اسے بند پاتا۔ جب دس دن تک برابر اس نے باورچی کو نہ دیکھا اور تنور بند پایا تو اپنے دل میں کہنے لگا نہ جانے باورچی کہاں چلا گیا؟ اس کے پڑوسی سے پوچھا کہ تیرا پڑوسی باورچی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا! وہ بیمار ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس نے پوچھا اس کا گھر کہاں ہے؟ پڑوسی نے کہا فلاں محلے میں۔



ماہی گیر نے اس محلے میں جا کر باورچی کا پتا پوچھا اور جب اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو باورچی نے محراب میں سے جھانک کر دیکھا تو اس کا پرانا دوست ماہی گیر تھا اور اس کے سر پر بھری ہوئی ٹوکری تھی اس نے نیچے آ کر دروازہ کھولا' ماہی گیر اندر جا کر اس سے لپٹ گیا اسے گلے لگایا رونے لگا اور کہا دوست! خیریت تو ہے؟ میں ہر روز تیرے تنور پر سے گزرتا تھا لیکن اسے بند پاتا تھا پھر مجھے تیرے پڑوسی سے معلوم ہوا کہ تو بیمار ہے میں نے تیرے گھر کا پتا پوچھا کہ تجھ سے ملوں۔ باورچی بولا خدا تجھے نیک جزا دے۔ سب خیریت ہے میں بیمار نہیں۔ میں نے سنا تھا کہ بادشاہ نے تجھے پکڑ بلایا ہے کیونکہ بعض لوگوں نے تجھ پر بہتان لگایا اور تجھے چور بتایا ہے۔ اس لیے مارے ڈر کے میں نے تنور بند کر دیا اور چھپ رہا۔ ماہی گیر بولا تو سچ کہتا ہے اس کے بعد اس نے اپنا قصہ سنا دیا اور کہا بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دی ہے اور مجھے اپنا وزیر بنا لیا ہے جو کچھ اس ٹوکری میں ہے لے لے۔ یہی تیری قسمت کا ہے اور ڈر نہیں۔ جب وہ خالی ٹوکری لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اے داماد! شاید آج تیرا دوست عبداللہ بحری تجھے نہیں ملا؟ اس نے جواب دیا میں اس کے پاس گیا تھا اور جو کچھ اس نے دیا میں اپنے دوست باورچی کو دے آیا ہوں اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ باورچی کون ہے؟ اس نے باورچی اور اس کے احسان کا سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بادشاہ بولا اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ باورچی ہے' میرا نام عبداللہ بری اور میرے دوست کا نام عبداللہ بحری ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرا نام بھی عبداللہ ہے اور کل عبداللہ بھائی بھائی ہیں۔ اسے میرے پاس بلاتا

کہ میں اسے اپنا بایاں وزیر بنا لوں۔ باورچی بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے اسے وزیروں کا لباس پہنا کر میسرے کا وزیر بنا دیا اور عبداللہ بری کو میمنے کو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- ## نو سو چوالیس ویں رات

نو سو چوالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ نے اپنے داماد عبداللہ بری کو میمنے اور عبداللہ باورچی کو میسرے کا وزیر بنالیا۔ عبداللہ بری کی ایک سال تک یہی حالت رہی کہ وہ ہر روز ٹوکری میں پھل بھر کر لے جاتا اور ان کے بدلے جواہرات بھر کر لے آتا۔ تازے پھلوں کا زمانہ ختم ہو جاتا تو کشمش' بادام' اخروٹ اور انجیر وغیرہ لے جاتا اور ہیرے جواہرات لے آتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ دستور کے موافق ٹوکری میں میوے بھر کر لے گیا اور عبداللہ بحری کنارے کے قریب پانی میں بیٹھ گیا۔ عبداللہ بری پانی کے قریب کنارے پر' اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے یہاں تک کہ قبروں کا ذکر آ گیا۔ بحری نے کہا بھائی! لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہاں خشکی پر مدفون ہیں' تجھے معلوم ہے کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ بحری نے کہا' کس جگہ؟ وہ بولا' ایک شہر میں جس کا نام طیبہ ہے۔ بحری نے پوچھا' کیا خشکی والے اس کی زیارت کرنے جاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ بحری بولا' اے خشکی والو تم لوگ کیسے خوش قسمت ہو کہ تمہیں اس نبی کی زیارت نصیب ہوتی ہے جس کی زیارت سے شفاعت واجب آتی ہے۔ بھائی! کیا تو نے بھی ان کی زیارت کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اب تک تو میں بالکل غریب تھا' راہ خرچ سے نادار۔ جب سے تیری ملاقات ہوئی ہے میں امیر ہو گیا ہوں اور اب میرے اوپر فرض ہے کہ بیت اللہ کے حج کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جاؤں۔ تیری محبت مجھے اب تک روکے رہی کیونکہ تیری جدائی مجھے ایک دن کے لیے گوارا نہیں۔ بحری بولا کیا تو میری محبت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت پر ترجیح دیتا ہے جو قیامت کے دن تیری شفاعت کریں گے اور دوزخ سے چھڑا کر جنت

میں لے جائیں گے؟ اس نے جواب دیا نہیں لیکن میں تجھ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس سال جا کر ان کی زیارت کروں۔ بحری بولا میں تجھے اجازت دیتا ہوں۔



جب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پہنچو تو میرا سلام کہیو اور میرے پاس ان کے لیے ایک تحفہ ہے تو میرے ساتھ پانی کے اندر چل میں تجھے اپنے شہر میں لے جا کر اپنے گھر لے چلوں گا۔ تیری دعوت کروں گا اور وہ ہدیہ تیرے حوالے کروں گا تو اسے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر رکھیو میرا سلام کہیو اور کہیو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ بحری نے تجھے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور تجھ سے شفاعت کا خواستگار ہے کہ وہ دوزخ میں نہ بھیجا جائے۔ عبداللہ بری نے کہا' بھائی! تو پانی میں پیدا ہوا ہے اور وہیں رہتا ہے اس لیے پانی تجھے نقصان نہیں پہنچاتا لیکن جب تو نکل کر خشکی پر آتا ہو گا تو کیا تجھے تکلیف نہ ہوتی ہو گی؟ اس نے کہا ہاں اگر زیادہ دیر ٹھہروں تو میرا بدن سوکھ جائے گا اور پھر جب اس پر خشکی کی ہوائیں چلیں گی تو میں مر جاؤں گا۔ بری بولا اسی طرح میں بھی خشکی پر پیدا ہوا ہوں اور یہیں رہتا بستا ہوں اگر میں سمندر کے اندر گیا تو پانی میرے پیٹ میں بھر جائے گا میرا دم گھٹ جائے گا اور میں مر جاؤں گا۔ بحری بولا ڈر نہیں میں ایک چربی لا دوں گا جسے اگر تو جسم پر مل لے گا تو پانی تجھے نقصان نہیں پہنچائے گا خواہ تو عمر بھر سمندر میں پھرتا' سوتا اور اٹھتا بیٹھتا رہے۔ بری نے کہا اگر ایسا ہے تو چربی لا تاکہ میں اس کا تجربہ کروں۔ بحری نے کہا بہت خوب اور ٹوکری لے کر سمندر میں چلا گیا' تھوڑی دیر کے بعد ایک قسم کی چربی لے کر لوٹا جو گائے کی چربی کی طرح تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا اور خوشبو دار تھی۔

عبداللہ بری نے کہا بھائی! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ ایک قسم کی مچھلی کی کلیجی ہے جسے وندان کہتے ہیں۔ یہ مچھلی تمام مچھلیوں سے بڑی ہوتی ہے اور ہم لوگوں کی سخت ترین دشمن ہے۔ اتنا بڑا جانور خشکی پر کوئی نہیں اگر وہ ہاتھی یا اونٹ کو دیکھے تو اسے

نگل جائے۔ بری نے کہا بھائی! یہ کم بخت کھاتی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا دریائی جانور۔ کیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ قوی ضعیف کو کھاتا ہے جیسے دریائی مچھلیاں۔ بری بولا سچ ہے لیکن کیا سمندر میں وندان مچھلیاں بہت ہوتی ہیں؟ اس نے جواب دیا انہیں سوائے خدا کے اور کوئی گن نہیں سکتا۔ عبداللہ بری نے کہا ڈرتا ہوں کہ اگر کہیں مجھ سے اس مچھلی کی مڈ بھیڑ ہو گئی تو وہ مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بری نے کہا ڈر نہیں جب وہ دیکھے گی کہ تو آدم زاد ہے تو ڈر کر بھاگ جائے گی۔ وہ جتنا آدم زاد سے ڈرتی ہے سمندر میں کسی سے نہیں ڈرتی کیونکہ اگر اس نے کسی آدم زاد کو کھا لیا تو فوراً مر جائے گی۔ ہم اس کی چربی اسی طرح محض انسانوں کے ذریعے جمع کرتے ہیں جب کبھی وہ سمندر میں گر کر ڈوب جاتا ہے تو اس کی شکل صورت بدل جاتی ہے گوشت پھٹ جاتا ہے' وندان اسے دریائی جانور سمجھ کر کھا لیتی ہے اور مر جاتی ہے پھر ہم اس کی کلیجی کی چربی اتار لیتے ہیں اسے اپنے بدن پر ملتے ہیں اور سمندر میں چلتے پھرتے ہیں اگر کسی جگہ سو دو سو بلکہ ہزار یا اس سے بھی زیادہ اس کی قسم مچھلیاں ہوں اور صرف آدم کی آواز سن لیں تو سب کی سب مر جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • نو سو پینتالیسویں رات

نو سو پینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- آدم زاد کی آواز سن کر وہ اسی جگہ مر کر رہ جاتی ہیں۔ عبداللہ بری نے کہا میں اللہ پر بھروسا کرتا ہوں کہہ کر اپنے کپڑے اتار سمندر کے کنارے ایک گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیئے سر سے پاؤں تک چربی مل لی اور پانی میں غوطہ مار کر آنکھیں کھول دیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا وہ ادھر ادھر چلنے پھرنے لگا‘ کبھی پانی کے اوپر آ جاتا اور کبھی تہہ میں پہنچ جاتا۔ عبداللہ بحری نے پوچھا بھائی! تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی! تو نے سچ کہا تھا کہ پانی سے مجھے بالکل نقصان نہیں پہنچے گا۔ بحری بولا میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ دائیں بائیں اور آگے پیچھے پانی کے پہاڑ ہی پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ بری ان کی سیر اور مچھلیوں کا تماشا دیکھتا جاتا تھا کہ وہ پانی میں کس طرح کھیل رہی ہیں۔ بعض بڑی ہیں بعض چھوٹی بعض بھینسوں کی طرح بعض گایوں کی طرح بعض کتوں کی طرح بعض آدمیوں کی طرح جن کے پاس یہ دونوں پہنچتے وہ بھاگ جاتیں۔

بری نے کہا بھائی! یہ کیا بات ہے کہ جب ہم ان کے پاس پہنچتے ہیں تو وہ بھاگ جاتی ہیں؟اس نے جواب دیا تیرے ڈر کے مارے کیونکہ ساری مخلوقات آدم زاد سے ڈرتی ہے۔

عبداللہ بری سمندر کے عجائبات کی برابر سیر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک بہت بلند پہاڑ کے پاس پہنچا اور عبداللہ بری اس کے دامن میں چل ہی رہا تھا کہ اسے ایک بڑے زور کی آواز سنائی اور دیکھا کہ کوئی کالی سی چیز پہاڑ پر سے اس کے اوپر چلی آ رہی ہے۔ اونٹ یا اس سے بھی بڑی اور شور مچا رہی ہے۔ بری نے کہا بھائی! یہ کیا ہے؟ بحری بولا‘ یہی وندان ہے اور وہ مجھے دیکھ کر اتری ہے کہ کھا جائے۔ بھائی! زور سے چیخ ورنہ وہ میرے پاس پہنچ کر مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بری چیخا اور وہ مر کر گر

پڑی۔ بری کہنے لگا پاک ہے خدا اور شکر بجا لاتا ہوں میں اس کا کہ نہ میں نے اس پر تلوار چلائی نہ چھری اور اتنے بڑے ڈیل ڈول والا جانور محض میری چیخ کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔ عبداللہ بحری نے کہا بھائی! تعجب نہ کر اگر ایسی ایسی ہزار دو ہزار بھی ہوتیں تو آدم زاد کی ایک چیخ کی تاب نہ لا سکتیں۔ اس کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچے جہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں رہتی تھیں ان میں کوئی مرد نہ تھا۔ بری نے پوچھا بھائی! یہ کیا شہر ہے اور یہ لڑکیاں کون ہیں؟ اس نے جواب دیا اس کا نام مدینہ البنات ہے دریائی لڑکیاں یہاں رہتی ہیں۔ بری نے کہا' بغیر مردوں کے وہ کس طرح حاملہ ہوتی اور بچے جنتی ہیں؟ اس نے جواب دیا سمندر کا بادشاہ انہیں جلا وطن کر کے یہاں بھیج دیتا ہے اور وہ نہ حاملہ ہوتی ہیں نہ بچے جنتی ہیں جس کسی دریائی لڑکی پر بادشاہ خفا ہوتا ہے وہ اس شہر میں بھیج دیتا ہے یہاں سے وہ نکل نہیں سکتیں اور اگو کوئی نکل کر چلی جاتی ہے تو جو دریائی جانور اسے دیکھ لیتا ہے کھا جاتا ہے۔ باقی شہروں میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ بری بولا' تمہارا کوئی بادشاہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! بری بولا تمہارے ہاں سمندر میں بڑی بڑی عجیب چیزیں ہیں۔ اس نے جواب دیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ سمندر کے عجائبات خشکی کے عجائبات سے زیادہ ہیں۔ بری بولا تو سچ کہتا ہے۔

اب بری ان لڑکیوں کا تماشا دیکھنے لگا اس نے دیکھا کہ ان کے چہرے چاند کے سے ہیں اور بال عورتوں کے سے لیکن ان کے ہاتھ پاؤں پیٹ میں لگے ہوئے ہیں اور مچھلیوں کی طرح ان کی دمیں ہیں۔ وہاں سے نکل کر وہ دوسرے شہر میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہ مردوں اور عورتوں سے پر ہے۔ سب کے چہرے عورتوں کے سے ہیں اور ان کی دمیں ہیں لیکن خشکی کی طرح ان کے ہاں خرید و فروخت نہیں۔ وہ کپڑے نہیں پہنتے۔ سب ننگے ہیں' شرم گاہیں تک کھلی ہوئیں۔ یہ دیکھ کر بری بولا' بھائی! یہاں تو مردوں اور عورتوں سب کی شرمگاہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس نے جواب دیا سمندر کے باشندوں کے پاس کپڑے کہاں سے آئے؟ بری نے پوچھا یہاں شادی بیاہ کس طرح ہوتا ہے؟ اس

نے کہا یہ شادی بیاہ نہیں کرتے بلکہ جب کسی مرد کو کوئی لڑکی پسند آتی ہے تو اس سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ بری بولا یہ تو حرام ہے اور خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف۔ اس نے کہا ہم سب ایک دین کے پیرو نہیں۔ ہم میں مسلمان موحدین بھی ہیں' عیسائی اور یہودی وغیرہ بھی۔ شادی بیاہ جو خصوصاً مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ بری نے کہا کہ تمہارے ہاں خرید و فروخت نہیں ہوتی پھر اپنی عورتوں کا مہر کیونکر ادا کرتے ہو؟ کیا تم انہیں ہیرے جواہرات دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا یہاں جواہرات تو کنکر پتھر کی طرح ہیں۔ ہمارے ہاں ان کی کوئی قیمت نہیں اگر کوئی مرد شادی کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ ایک مقرر تعداد مثلاً ہزار دو ہزار یا کم و بیش مچھلیاں شکار کر کے لائے اور جب وہ لے آتا ہے تو دولہا اور دلہن والے اکٹھا ہو کر ولیمہ کھاتے ہیں اور اسے اس کی بیوی سے ہم بستر کرا دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر بیوی کو کھلاتا ہے اور اگر وہ اس کے قابل نہیں بیوی مچھلیاں پکڑ پکڑ کر اسے کھلاتی ہے۔

عبداللہ بری نے کہا اگر کوئی مرد کسی عورت سے زنا کرے تو کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا اگر یہ ثابت ہو جائے تو عورت کو شہر بدر کر دیتے ہیں۔ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے ماں کے ساتھ شہر بدر کر دیتے ہیں اس کو زانیہ کی بیٹی زانیہ کہہ کر پکارتے ہیں اور مرتے دم تک وہ کنواری رہتی ہے اور اگر لڑکا پیدا ہو تو لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ اسے قتل کر دیتا ہے۔ اس پر عبداللہ بری کو بڑا اچنبھا ہوا پھر وہ وہاں سے چل دیئے اور تقریباً دوسرے اسی شہروں کی سیر کی دیکھا کہ ایک شہر کے باشندے دوسرے شہر کے باشندوں سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اب اس نے کہا بھائی! کیا سمندر میں اور شہر باقی رہ گئے ہیں؟ بحری نے جواب دیا ابھی تو نے سمندر کے شہروں اور ان کے عجائبات کو دیکھا ہی کیا ہے۔ قسم ہے بزرگ اور مہربان نبی کی اگر میں ایک ہزار سال تک تجھے سیر کراتا رہوں تو ہر روز ایک ہزار شہر دیکھتا رہے اور میں تجھے ہر شہر میں ایک ہزار عجائبات دکھاتا رہوں تو پھر بھی چوبیں قیراط میں سے ایک قیراط

نہ دیکھ سکے گا۔ ابھی تک تو میں نے تجھے اپنے ہی شہر اور اپنا ہی ملک دکھایا ہے۔ بری نے کہا' بھائی! اگر یہ بات ہے تو جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس پر بس کر میں مچھلیاں کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں۔ میں اسی دن سے تیرے ساتھ ہوں اور تو صبح شام سوائے کچی مچھلیوں کے کچھ نہیں کھلاتا نہ تل کر نہ پکا کر۔



عبداللہ بحری نے کہا تلنا اور پکانا کیا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہم مچھلیوں کو آگ پر تلتے اور پکاتے ہیں۔ بحری بولا: ہم آگ کہاں سے لائیں؟ اس لیے نہ ہم تلنا جانتے ہیں نہ پکانا۔ بری بولا ہم انہیں زیتوں اور تل کے تیل میں تلتے ہیں۔ بحری نے کہا ہمارے پاس زیتوں اور تل کا تیل کہاں سے آیا؟ ہم وہ تمام چیزیں نہیں جانتے جن کا تو نے ذکر کیا ہے۔ بری بولا تو سچ کہتا ہے لیکن بھائی! تو نے بہتیرے شہر دکھا ڈالے اور اپنا شہر نہ دکھایا۔ اس نے کہا ہم اپنے شہر سے بہت دور آ گئے ہیں وہ اس خشکی کے قریب ہے جہاں سے ہم چلے ہیں۔میں اسے چھوڑ کر اس لیے آگے بڑھ آیا ہوں کہ تجھے سمندر کے شہروں کی سیر کراؤں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے شہر کی طرف لوٹا اور وہاں پہنچ کر کہا یہ ہے میرا شہر۔ بری نے کہا کہ وہ تمام شہروں سے چھوٹا ہے اب وہ بحری کے ساتھ شہر کے اندر گیا' دونوں چلتے چلتے ایک غار میں پہنچے۔ بحری بولا یہ میرا گھر ہے اور اس شہر کے تمام گھر اسی طرح کے چھوٹے بڑے غار ہیں بلکہ تمام شہروں میں یہی حالت ہے اگر کوئی شخص گھر بنانا چاہتا ہے تو بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میں فلاں جگہ اپنا گھر بنانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ اس کے ساتھ ایک قسم کی مچھلیاں کر دیتا جنہیں نقار کہتے ہیں اور مچھلیوں کی ایک مقدار کرایہ مقرر کر دیتا ہے۔ نقاروں کی چونچیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ سخت سے سخت پتھر کو بھی توڑ دیتی ہیں اور اس پہاڑ میں جا کر جہاں وہ شخص گھر بنانا چاہتا ہے اور پہاڑ کھود کر گھر بنا دیتی ہیں جب تک غار بن کر تیار نہیں ہو جاتا گھر بنانے والا ان کے لیے مچھلیاں پکڑ کر لاتا اور انہیں کھلاتا ہے اس کے بعد وہ واپس چلی جاتی ہیں اور گھر والا اس غار میں رہنے لگتا ہے۔

تمام سمندر والوں کا یہی حال ہے۔ مچھلیوں ہی سے وہ لین دین ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں اور وہ خود بھی مچھلیاں ہی ہیں۔ غار کے اندر گئے تو عبداللہ بحری نے اپنی بیٹی کو آواز دی اور وہ آئی تو بری نے دیکھا اس کا چہرہ چاند کی طرح گول بال لمبے لمبے' کولہے بھاری' آنکھیں سرمئی اور کمر پتلی ہے لیکن ننگی ہے اور اس کے دم ہے۔ جوں ہی اس کی نظر عبداللہ بری پر پڑی اپنے باپ سے کہنے لگی ابا! یہ کون دم کٹا ہے جسے تو اپنے ساتھ لے آیا؟ باپ بولا بیٹی! یہ وہی میرا خشکی والا دوست ہے جس کے پاس سے میں تیرے لیے خشکی کے میوے لایا کرتا ہوں' آگے بڑھ کر اسے سلام کر۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں سلام کیا۔ باپ نے کہا ہمارے مہمان کے لیے کھانا لا وہ اپنے قدموں سے ہمارے ہاں برکت لایا ہے۔ لڑکی جا کر دو مچھلیاں لے آئی جن میں سے ہر ایک بکری کے بچے کے برابر تھی اور بری نے انہیں زبردستی نگلا کیونکہ وہ مچھلیاں کھاتے کھاتے تنگ آ گیا تھا اور ان کے پاس سوائے مچھلیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ بحری کی بیوی آئی وہ خوبصورت تھی اس کے ساتھ دو لڑکے تھے جن کے ہاتھ میں ایک مچھلی تھی اور ان پر اس طرح منہ مار رہے تھے جیسے کھیروں پر۔ عورت نے عبداللہ بری کو اپنے شوہر کے ساتھ دیکھا تو کہنے لگی یہ دم کٹا کون ہے؟ دونوں لڑکے' ان کی بہن اور ماں عبداللہ بری کی پیٹھ کی طرف دیکھتے اور کہتے خدا کی قسم یہ تو دم کٹا ہے اور اس پر ہنستے۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اڑائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • نو سو چھیالیس ویں رات

نو سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اڑائیں؟ بحری بولا بھائی! معاف کر ہمارے کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے دم نہ ہو اس لیے اگر کوئی بے دم والا کہیں سے آ جاتا ہے تو بادشاہ اس کا مذاق اڑانے کے لیے جاتا ہے لیکن بھائی! ان بچوں اور عورت کا برا نہ مان' ان کی سمجھ کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بحری نے اپنے بیوی بچوں کو ڈانٹ کر کہا چپ ہو اور وہ مارے ڈر کے چپ ہو گئے۔ دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ دس موٹے تازے مسٹنڈے جوان آ پہنچے اور کہنے لگے عبداللہ! بادشا کو خبر ملی ہے کہ تیرے ہاں خشکی کے دم کٹوں میں سے ایک دم کٹا ہے۔ اس نے کہا ہاں! اور وہ یہی میرا دوست میرا مہمان ہے اور اب میں سے خشکی پر واپس بھیجنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا ہم بغیر اسے لیے واپس نہیں جا سکتے اگر تجھے کچھ کہنا ہے تو اسے لے کر خود بادشاہ کے پاس چل اور جو کچھ کہنا چاہتا ہے بادشاہ سے کہہ۔ عبداللہ بحری نے عبداللہ بری سے کہا بھائی! ہم بادشاہ کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ بادشاہ کے پاس چل خدا نے چاہا تو ہم جلد لوٹ آئیں گے ڈر نہیں' وہ تجھے دیکھتے ہی سمجھ جائے گا کہ تو خشکی والوں میں سے ہے۔ تیری عزت کرے گا اور خشکی پر لوٹا دے گا۔ عبداللہ بری بولا جیسی تیری مرضی۔ میں خدا پر بھروسا کر کے تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ بحری اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہا دم کٹے۔ مرحبا! اس کے آس پاس جتنے لوگ تھے سب اس پر ہنستے اور کہتے خدا کی قسم یہ دم کٹا ہے۔ عبداللہ بحری نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے بری کا سارا ماجرا بیان کیا اور کہا یہ خشکی والا اور میرا دوست ہے مگر ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ مچھلیاں صرف تل کر یا پکا کر کھا سکتا ہے اس لیے تو مجھے اجازت دے کہ میں اسے خشکی پر پہنچا

دوں۔ بادشاہ نے کہا اگر یہ بات ہے اور وہ ہمارے ہاں نہیں رہ سکتا تو میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ اس کی دعوت کرنے کے بعد اسے اس گھر واپس کر آ۔ اس کے لیے طرح طرح کی مچھلیاں لائی گئیں۔ اور اس نے وہ محض بادشاہ کو حکم کی وجہ سے انہیں کھایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے؟ عبداللہ بری نے کہا میں جواہرات مانگتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اسے جواہرات کے خزانے میں لے جاؤ اور جس قدر چاہتا ہے وہاں سے چن لے۔ عبداللہ بحری اسے ایک شہر میں لے گیا اور ایک تھیلی دے کر کہا یہی وہ ہدیہ ہے جسے نبی کی قبر پر پہنچانا ہے۔ اس نے تھیلی لے لی لیکن اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ اس میں کیا ہے۔ اب وہ خشکی کی طرف چل دیئے۔ انہوں نے راہ میں دیکھا کہ گانا ہو رہا ہے اور جشن منایا جا رہا ہے' دسترخوان پر مچھلیاں لگی ہوئی ہیں' لوگ کھاتے اور گاتے جاتے ہیں اور مگن ہیں۔ عبداللہ بری نے عبداللہ بحری سے پوچھا یہ لوگ کیا خوشی منا رہے ہیں؟ کیا کوئی شادی بیاہ ہے؟ عبداللہ بحری نے جواب دیا شادی بیاہ تو نہیں بلکہ کوئی مر گیا ہے۔ بری بولا جب کوئی تمہارے ہاں مر جاتا ہے تم کیا خوشی مناتے' گاتے اور دعوتیں کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں اور تم خشکی والے کیا کرتے ہو؟ بری نے کہا ہم اپنے مردے پر افسوس کرتے' روتے' عورتیں اپنا منہ پیٹتی اور گریبان چاک کرتی ہے۔

یہ سن کر عبداللہ بحری' عبداللہ بری کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا اور کہا' میری امانت لا۔ اس نے امانت دے دی اور بحری نے اسے خشکی پر اتار کر کہا اب ہماری صحبت اور محبت کا خاتمہ ہو گیا۔ آج کے بعد نہ تو مجھے دیکھے گا نہ میں تجھے۔ بری نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ تم خشکی والے بھی خدا کی امانت نہیں ہو؟ بری بولا کیوں نہیں؟ اس نے کہا پھر تم پر یہ کیوں گراں گزرتا ہے کہ خدا اپنی امانت لے لے اور تم اس پر کیوں روتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت تجھے کیونکر سپرد کر سکتا ہوں۔ جب تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو تم خوش ہوتے ہو حالانکہ

خدا اس میں روح کو بطور امانت کے رکھتا ہے پھر جب وہ روح کو لے لیتا ہے تو کیوں روتے اور افسوس کرتے ہو؟ ہمیں تم لوگوں کی دوستی کی بالکل حاجت نہیں۔ یہ کہہ



کر اس نے اسے چھوڑ دیا اور سمندر میں چلا گیا۔ اب عبداللہ بری اپنے کپڑے پہن اور جواہرات لے بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا' بڑے پرتپاک سے ملا اور کہنے گا داماد! خیریت تو ہے اتنی مدت تک کہاں غائب رہا؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سمندر کے عجائبات بیان کئے اور جو کچھ عبداللہ بحری نے اس سے کہا تھا بادشاہ سے دہرایا۔ بادشاہ نے کہا تو نے غلطی کی' اس سے یہ کہا اس کے بعد وہ مدت تک سمندر کے کنارے جایا اور عبداللہ بحری کو پکارا کیا۔ لیکن نہ وہ آیا نہ اس نے جواب دیا۔ عبداللہ بری اس سے بالکل نا امید ہو گیا' اپنے خسر بادشاہ اور دونوں خاندانوں کے ساتھ عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صبحتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں۔ بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ہر چیز پر قادر اور اپنے بندوں کے ہر حال سے واقف ہے۔

- ہارون الرشید اور ابو الحسن عمانی کی کہانی

ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آتی تھی۔ اس نے مسرور کو بلا کر کہا فوراً جعفر کو بلا لا۔ جعفر حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا آج رات مجھے نیند نہیں آتی نہ معلوم کیوں؟ اس نے کہا امیر المومنین! دانش مندوں کا قول ہے کہ آئینہ دیکھنے' حمام جانے اور گانا سننے سے غم غلط ہوتا ہے۔ خلیفہ بولا میں ان سب باتوں کا امتحان کر چکا ہوں ان سے ذرا بھی فائدہ نہیں ہوا۔ قسم ہے میرے پاک آباؤ اجداد کی اگر تو نے اس کے دور کرنے کی کوئی تدبیر نہ کی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ جعفر نے کہا جو کچھ میں تجھ سے کہوں گا کرے گا؟ اس نے پوچھا کیا؟ جعفر بولا دجلے پر ایک بجرے میں

بیٹھ کر ایک جگہ چلیں جس کا نام قرن الصراط ہے ممکن ہے کہ ہم وہاں ایسی باتیں سنیں جو کبھی نہ سنی ہوں یا ایسی چیزیں دیکھیں جو کبھی نہ دیکھی ہوں۔ مثل ہے کہ تین چیزوں سے غم غلط ہوتا ہے۔ ایسی چیز دیکھنے سے جو کبھی نہ دیکھی ہو یا ایسی چیز سننے سے جو کبھی نہ سنی ہو یا ایسے ملک میں جانے سے جہاں کبھی نہ گیا ہو۔ شاید اس سے تیری پریشانی دور ہو جائے۔ رشید اٹھ کر کھڑا ہوا۔ جعفر اس کے بھائی فضل، اسحاق، ندیم، ابونواس، ابودلف اور سرور جلاد کو لے کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

ooo

- **نو سو سینتالیس ویں رات**



نو سو سینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جعفر اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر توشہ خانہ میں گیا اور سب کے سب تاجروں کا بھیس بدل کر دجلے پر پہنچے اور ایک بجرے میں بیٹھ کر جس پر سونے کا کام تھا چل دیئے جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں وہ جانے والے تھے ان کے کان میں ایک لڑکی کی آواز آئی جو ستار پر گا رہی تھی۔ اس کی آواز سن کر خلیفہ نے جعفر سے کہا کیسی پیاری آواز ہے؟ جعفر بولا اس سے زیادہ پیاری آواز آج تک میرے کان میں نہیں پڑی لیکن اے میرے آقا! دیوار کے اوٹ کا گانا آدھا گانا ہے۔ کاش ہم پردے کے پیچھے سنتے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر! چل ہم اس مکان والے کے مہمان بن جائیں۔ ممکن ہے کہ اس گانے والی کو آنکھ سے دیکھ لیں۔ وہ بجرے پر سے اتر پڑے اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ ایک خوش رو اور شیریں زبان نوجوان اندر سے نکلا اور کہا اے بزرگ مہر بانو! اہلاً و سہلاً اندر تشریف لاؤ اور وہ انہیں ساتھ لے کر اندر گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مکان میں چاروں طرف کمرے ہیں چھت سنہری ہے' دیواروں پر لاجورد کے نقش و نگار ہیں ایک بارہ دری ہے جس پر خوبصورت پردہ پڑا ہوا ہے اس سے لگی ہوئی سو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو چاندی سی حسین ہیں۔ گھر والے نے انہیں آواز دی وہ اپنے اپنے تخت پر اتر کر آ گئیں۔ اب اس نے جعفر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے آقا! مجھے معلوم نہیں کہ تم بزرگوں میں کون سب سے بڑا ہے۔ بسم اللہ! جو تم لوگوں میں سے سب سے بڑا ہے صدر میں بیٹھے اور اپنے بھائیوں کو درجہ بدرجہ بٹھائے۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق بیٹھ گیا اور مسرور ان کے آگے خدمت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد مکان والے نے کہا' اے مہمانو! اگر اجازت ہو تو تم لوگوں کے

لیے کچھ کھانا حاضر کروں؟ انہوں نے کہا' بہت خوب! اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں۔ چار کنیزیں کمر باندھ کر دستر خوان لائیں جن پر طرح طرح کے کھانے اور حاشئے پر موقع کے مناسب اشعار لکھے ہوئے تھے۔ جب وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھو چکے تو جوان نے کہا اے میرے آقا! اگر کوئی اور خواہش ہو تو کہو تا کہ میں اسے پورا کر کے شرف حاصل کروں۔ انہوں نے کہا ہم محض اس آواز کو سن کر آئے ہیں جو تیرے گھر کے اندر سے آئی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے سنیں اور اس آواز والی کو دیکھیں اگر تو ہم پر یہ مہربانی کرتے تو تیری بڑی عنایت ہو گی۔ پھر ہم جہاں سے آئے ہیں چلے جائیں گے۔ جوان نے کہا سر آنکھوں سے ایک اور حبشی کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا اپنی فلاں آقا کو بلا لا۔ کنیز نے پہلے ایک کرسی لا کر رکھی' پھر جا کر ایک لڑکی کو لے آئی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی۔ جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو حبشی کنیز نے اسے اطلس کا ایک تھیلا دیا۔ اس نے اس میں سے ایک ستار نکالا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے اور اس کی کھونٹیاں سونے کی تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## نو سو اڑتالیس ویں رات



نو سو اڑتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے ستار لے کر اس کے تار کسے' اسے اپنے سینے سے لگا کر اس پر اس طرح جھکی جیسے ماں اپنے بچے پر اور گانے بجانے لگی۔ گانے سے فارغ ہو کر اتنا روئی اور تمام گھر والے بھی اس کے ساتھ اتنا روئے پیٹے کے قریب تھا کہ سب کہ سب مر جائیں۔ رشید نے کہا اس لڑکی کے گانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فراق زدہ عاشق ہے۔ اس کے آقا نے کہا اس کے ماں باپ مر گئے ہیں۔ رشید بولا یہ رونا پیٹنا اس شخص کا نہیں ہے جس کے ماں باپ مر گئے ہوں بلکہ اس کا جو اپنے محبوب سے جدا ہو گیا ہو اور اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا واللہ اس جیسا میری نظر سے نہیں گزرا۔ رشید برابر مکان کے مالک کی طرف دیکھتا ہے اور اس کے حسن و جمال پر غور کرتا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد ہے اور اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے جوان! تو جانتا ہے کہ ہم کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ جعفر بولا میں تیرا تعارف کرائے دیتا ہوں' یہ تو امیر المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچیرا بھائی ہے۔ یہ فلاں اور یہ فلاں۔ امیر المومنین نے کہا یہ تو بتا کہ تیرا چہرہ زرد کیوں ہے۔ آیا یہ پیدائشی ہے یا بعد میں ایسا ہو گیا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین میرا قصہ ایسا عجیب و غریب ہے کہ اگر سوئی سے آنکھ کے کویوں پر لکھا جائے تو لوگ اس سے عبرت پکڑیں گے۔ خلیفہ بولا ہمیں سنا۔ ممکن ہے کہ میرے ہاتھ سے تجھے شفا پہنچے۔ تو نے مجھے اس کے سننے کا مشتاق بنا دیا ہے۔ جوان نے کہنا شروع کیا کہ میں بحری تاجر ہوں اور عمان کا رہنے والا' میرا باپ بھی بڑا مال دار تاجر تھا اس کے تیس جہاز سمندر میں چلتے تھے جن کی آمدنی تیس ہزار دینار سالانہ تھی۔ اس نے مجھے لکھنا پڑھنا اور تمام ضرور باتیں سکھائیں۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے دستور کے موافق وصیت

کی۔ اس کے بعد خدا نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ خدا امیر المومنین کو سلامت رکھے۔
ایک دن کا واقعہ ہے کہ جب میں بعض تاجروں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا تھا۔ میرے ایک غلام نے آ کر کہا دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جو تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بلا لیا۔ وہ اندر آیا تو اس کے سر پر ایک ڈھکا ہوا خوان تھا۔ میرے سامنے رکھ کر اس نے کھولا تو اس کے اندر بے فصل کے پھل تھے بعض خشک نمکین اور بعض تازے۔ جو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتے تھے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اسے ایک سو دینار دیئے وہ شکر بجا لایا اور چلا گیا۔ انہیں میں نے اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیا جو اس وقت وہاں موجود تھے اور ان سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں کے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' بصرے کے ------ اور اس کی بڑی تعریف کی۔ بصرے کی تعریف کرتے کرتے وہ بغداد کی تعریف کرنے لگے اور سب نے متفقہ بیان کیا کہ بغداد سے اچھا دنیا میں کوئی شہر نہیں۔ یہ سن کر بغداد کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا' اپنی تمام جائیدادیں اور املاک فروخت کر دی' ایک لاکھ دینار میں جہاز بیچ ڈالے' اسی طرح غلام اور باندیاں بھی اور دس لاکھ دینار جمع کئے۔ ان کے علاوہ بہت سے ہیرے جواہرات تھے۔ اب میں نے ایک جہاز کرائے پر لیا اس میں اپنا سارا مال و متاع بھر کر بصرے پہنچا وہاں کچھ دن ٹھہرنے کے بعد ایک دوسرا جہاز کرائے پر لیا اور بغداد آیا یہاں آ کر میں نے پوچھا کہ تاجر لوگ کہاں رہتے ہیں؟ اور بہترین رہنے کی جگہ کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کرخ میں۔ کرخ میں آ کر درب الزعفران میں ایک مکان کرائے پر لیا اور رہنے لگا۔ ایک روز جیب میں کچھ دام رکھ کر میں سیر کرنے نکلا۔ یہ جمعے کا دن تھا' پہلے تو میں ایک جامع مسجد گیا جس کا نام جامع منصور ہے جہاں جمعے کی نماز ہوا کرتی ہے' نماز پڑھ کر میں لوگوں کے ساتھ ایک جگہ گیا جس کا نام قران الصراط ہے۔ وہاں میں نے ایک بلند اور خوب صورت مکان دیکھا جس کی کھڑکیاں دریا کی طرف کھلتی تھی۔ اور اس میں جھروکا تھا۔ جب میں لوگوں کے ساتھ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص عمدہ کپڑے پہنے بیٹھا ہوا ہے جن سے عطر کی خوشبو آ رہی ہے' اس کی داڑھی لمبی

اور سینے پر آ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے آس پاس چار کنیزیں اور پانچ غلام ہیں۔ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا اس بوڑھے کا کیا نام اور کیا پیشہ ہے؟ اس نے جواب دیا یہ طاہرین علا ہے اور یہ اس کی لڑکیاں ہیں۔ جو کوئی یہاں آتا ہے کھاتا پیتا ہے اور خوبصورت لڑکیوں کو دیکھتا ہے۔ میں نے کہا واللہ ایک مدت سے میں اسی کی تلاش میں تھا۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

اجازت ملی تھی۔

○○○

# نو سو انچاسویں رات

نو سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے کہا واللہ میں ایک مدت سے اسی کی تلاش میں تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا اے امیر المومنین! میں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا اے میرے آقا! مجھے تجھ سے کچھ ضرورت ہے۔ اس نے پوچھا کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا میں آج رات تیرا مہمان ہونا چاہتا ہوں۔ وہ بولا سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ بیٹا! میرے پاس بہت سی لڑکیاں ہیں' بعض دس دینار رات والی بعض بیس دینار رات والی' بعض اس سے بھی زیادہ۔ ان میں سے جنہیں تیرا جی چاہے پسند کر لے۔ میں نے کہا دس دینار رات والی اور ایک مہینے کے تین سو دینار تول کر اسے دے دیئے۔ اس نے مجھے ایک غلام کے ساتھ کر دیا جو مجھے لے کر اسی محل کے ایک حمام میں گیا اور اچھی طرح میری خدمت کی پھر وہ مجھے وہاں سے باہر لایا اور ایک کمرے کا دروازہ کھڑ کھڑایا۔ کمرے سے ایک لڑکی نکلی۔ غلام نے کہا لے یہ تیرا مہمان ہے۔ اس نے ایسی خندہ پیشانی سے میرا خیر مقدم کیا کہ میں مرمر گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہ لڑکی چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے' اس کی خدمت میں دو اور کنیزیں ہیں جو تاروں کی طرح ہیں۔ اب اس نے مجھے بٹھایا خود میرے پہلو میں بیٹھ گئی اور کنیزوں سے کہا دسترخوان لگاؤ جب دسترخوان لگایا گیا تو اس پر طرح طرح کے کھانے تھے۔ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا' ایسا لذیز کھانا میں نے عمر بھر نہ کھایا تھا۔ جب ہم کھا چکے تو دسترخوان بڑھایا گیا۔ شراب' عطر' حلوے اور میوے لائے گئے اس طرح سے میں ایک مہینہ تک اس کے ساتھ رہا جب مہینہ ختم ہو گیا تو میں حمام کر کے بوڑھے کے پاس گیا اور کہا اے میرے آقا'

اب میں اسے چاہتا ہوں جو بیس دینار رات والی ہے۔ اس نے کہا تول دینار۔ میں جا کر دینار لے آیا چھ سو دینار تول کر اسے دے دیئے اور غلام مجھے دوسری لڑکی کے پاس لے گیا جس کی خدمت میں چار کنیزیں تھیں۔ جب ہم کھا پی چکے تو اس نے ستار

لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ اس لڑکی کے ساتھ ایک مہینے تک رہنے کے بعد میں نے بوڑھے کے پاس جا کر کہا اب میں چالیس دینار رات والی چاہتا ہوں اور اسے ایک مہینے کے دام ایک ہزار دو سو دینار تول کر دے دیئے اور ایک مہینہ اس کے ساتھ رہا' لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دن رہا ہوں۔ جب میں وہاں سے بوڑھے کے پاس گیا تو شام کے وقت مجھے بڑا شور غل سنائی دیا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا بوڑھے نے کہا ہمارے ہاں آج کی رات سب لوگ سیرو تفریح کرتے ہیں اگر تیرا جی چاہے تو بھی چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھ۔ میں چھت پر چڑھ گیا۔ دیکھا کہ وہاں ایک خوبصورت پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی ہے جس کا حسن و جمال اور قد و قامت دیکھ کر انسان دنگ ہو جائے اس کے پہلو میں ایک جوان ہے جو لڑکی کے گلے میں ہاتھ ڈالے اسے بوسے دے رہا ہے اور وہ اسے بوسے دے رہی ہے۔ اے امیر المومنین اس کا حسن دیکھ کر میرے ہاتھ سے دل جاتا رہا۔ چھت سے اتر کر میں نے اس لڑکی سے پوچھا جس کا میں مہمان تھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا تجھے اس سے کیا غرض؟ میں نے کہا واللہ میں اس پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ وہ بولی اگر تو اس سے کوئی غرض رکھتا ہے تو سن۔ وہ طاہر بن علا کی بیٹی ہماری آقا ہے اور ہم سب اس کی کنیزیں ہیں۔ اے ابو الحسن! تجھے معلوم ہے کہ ایک دن رات کی اس کی اجرت کیا ہے؟ پانچ سو دینار۔ کتنے امیرزادوں کے دل میں اس کی حسرت ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واللہ میں اپنا سارا مال اس لڑکی پر نثار کر دوں گا۔ رات بھر میں اس کی محبت میں تڑپتا رہا' صبح ہوئی تو میں حمام گیا اور شاہانہ لباس پہن کر اس کے باپ کے پاس پہنچا اور کہا اے میرے آقا! اب میں وہ لڑکی چاہتا ہوں جو فی رات پانچ سو دینار کی ہے اور میں نے ایک مہینے کے دام پندرہ ہزار دینار تول کر دے دیئے۔ اس نے دینار لے کر غلام کو اشارہ کیا کہ اسے فلاں لڑکی کے پاس لے کر جائیے۔ میں اس لڑکی کے پاس پہنچا تو اے امیر المومنین! اس کو دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ وہ ایسی تھی جیسے چودھویں رات کا چاند۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو پچاسویں رات

نو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوان نے کہا کہ اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ میں نے اسے سلام کیا' اس نے کہا اہلاً و سہلاً و مرحبا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ میں اس کے عشق میں اتنا گرفتار ہو گیا کہ جدائی کو یاد کر کے رونے لگا۔ وہ پیاری پیاری باتیں کر کے میرا دل بہلانے لگی۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ' چار باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی کنیزوں نے کھانا' میوے' عطر اور ایسی ایسی شرابیں ہمارے آگے رکھیں جو بادشاہوں کے قابل تھیں۔ اے امیر المومنین! ہم نے کھایا اور پھر شراب سے بیٹھ گئے۔ پھر اے امیر المومنین! ایک کنیز ایک ریشمی تھیلا لائی۔ لڑکی نے اس میں سے ایک ستار نکال کر تار ٹھیک ٹھاک کئے اور گانے بجانے لگی۔ اے امیر المومنین! ایک بڑی مدت تک اسی طرح اس کے پاس رہا یہاں تک کہ میرا سارا مال ختم ہو گیا اور میں اس کی جدائی کے خیال سے اتنا رویا کہ آنسو میرے رخساروں پر چشمے کی طرح بہنے لگے اور مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ دن ہے یا رات۔ اس نے پوچھا تو کیوں رو رہا ہے؟ میں نے کہ اے میری آقا! جب سے میں تیرے پاس آیا ہوں تیرا باپ مجھ سے ہر رات کے پانچ سو دینار لیتا ہے اور اب میری جیب میں کچھ نہیں رہا۔ اس نے کہا میرے باپ کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی تاجر اس کے پاس آتا ہے اور اس کے دام جب ختم ہو جاتے ہیں تو وہ تین دن تک اسے کھلاتا پلاتا اس کے بعد نکال باہر کرتا ہے لیکن اپنا راز کسی سے نہ کہہ۔ میں ایک ترکیب کرتی ہوں جس سے جب تک خدا کو منظور ہو ہم ساتھ رہیں گے کیونکہ میں بھی تجھ پر دل سے فریفتہ ہوں۔ سن! میرے باپ کا سارا مال میرے پاس رہتا ہے اور اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس قدر ہے۔ میں ہر روز تجھے پانچ سو دینار کی ایک تھیلی دیا کروں گا تو میرے باپ کو کہہ دیا کیجیو

کہ اب میں ایک ایک دن کے دام دیا کروں گا۔ جب تو اسے دے گا تو وہ میرے حوالے کر دیا کرے گا اور وہی پھر تجھے دیا کروں گی اس طرح سے جب تک خدا کو منظور ہے ہم ساتھ رہیں گے۔ اے امیر المومنین! میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کا ہاتھ چوما اور اس طرح ایک سال اور اس کے ساتھ رہا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ لڑکی نے کسی وجہ سے اپنی باندی کو بہت مارا' باندی بولی جس طرح تو نے مجھے تکلیف دی ہے میں بھی تیرا دل جلاؤں گی اور جا کر اس کے باپ سے ہمارا کچا چٹھا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ سنتے ہی طاہر بن علا دوڑا ہوا میرے پاس آیا دیکھا کہ میں اس کی بیٹی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ کہنے لگا اے فلاں! میں نے جواب دیا حاضر ہوں۔ اس نے کہا ہمارا دستور یہ ہے کہ جب ہمارے ہاں کوئی تاجر آتا ہے اور پھر غریب ہو جاتا ہے تو ہم محض تین دن اسے کھانا پینا دیتے ہیں' تجھے ایک سال ہو گیا کہ کھاتا پیتا اور جو چاہتا کرتا ہے۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا اس کے کپڑے اتار کر اسے دوسرے کپڑے پہنا دو جن کی قیمت پانچ درہم ہو۔ اس کے بعد اس نے مجھے دس درہم دے کر کہا دور ہو یا یہاں سے۔ میں تجھے نہ ماروں گا نہ برا بھلا کہوں گا لیکن اگر تو اس شہر میں ٹھہرا رہا تو تیرا خون حلال ہے۔ اے امیر المومنین! میں مجبوراً وہاں سے نکلا' میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں' دنیا بھر کا رنج و غم میرے اوپر ٹوٹ پڑا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا میں دس لاکھ دینار لے کر یہاں آؤں' وہ سب اس منحوس بوڑھے کے ہاں خرچ ہو جائیں اور پھر میں ننگا اور دل شکستہ یہاں سے نکالا جاؤں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

اس کے بعد میں تین دن بعد بغداد میں رہا لیکن نہ کھانا کھایا' نہ پانی پیا' چوتھے دن میں نے دیکھا کہ ایک جہاز بصرے جا رہا ہے میں اس میں بیٹھ کر بصرے پہنچا بازار گیا مارے بھوک پیاس کے میری جان نکلی جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک کنجڑے کی نظر مجھ پر پڑی وہ آکر میرے گلے سے لپٹ گیا کیونکہ وہ میرا اور اس سے پہلے میرے باپ کا دوست تھا۔ اس نے میری حالت پوچھی میں نے اپنا سارا ماجرا اسے بیان کر

دیا۔ اس نے کہا میرے پاس ٹھہر جا میری آمدنی اور خرچ لکھا کر۔ میں نے منظور کر لیا۔ ایک سال تک اس کی دکان پر خرید و فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ میرے پاس سو دینار ہو گئے۔ میں نے سمندر کے کنارے ایک کوٹھری کرائے پر لی اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی جہاز سامان لے کر آئے تو میں اپنے دیناروں سے کچھ سامان لے کر بغداد جاؤں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ کئی جہاز آئے' تاجر سامان خریدنے روانہ ہوئے میں بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ دیکھا کہ ایک جہاز میں سے دو شخص نکلے' کرسیاں بچھا کر بیٹھ گئے اور ایک غلام سے کہا قالین بچھا اور ایک خرجی میں سے ایک تھیلی نکال کر اسے قالین پر انڈیل دیا۔ اس میں سے اتنے ہیرے' موتی مونگے' یاقوت اور لعل نکل پڑے کہ آنکھیں چندھیا گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو اکیاونویں رات

نو سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نے خلیفہ سے بیان کیا کہ ہیرے جواہرات نکالنے کے بعد ایک تاجر نے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ اے تاجرو! آج میں بیچنا نہیں چاہتا کیونکہ میں تھکا ہوا ہوں۔ تاجروں نے بڑھ بڑھ کر دام لگانے شروع کر دیئے اور چار سو دینار تک پہنچ گئے۔ تھیلی والے تاجر کو میں بہت دنوں سے جانتا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ تو اور تاجروں کی طرح بولی کیوں نہیں بولتا؟ میں نے کہا' قسم خدا کی اے میرے آقا! مجھے شرم آتی ہے' میرے پاس سو درہم سے زیادہ نہیں۔ یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر اسے ترس آ گیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم گواہ رہنا کہ میں اس تھیلی کے تمام ہیرے جواہرات اس شخص کے ہاتھ سو دینار میں بیچتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی قیمت اتنے ہزار دینار ہے۔ میں یہ اسے بطور ہدیئے کے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے خرجی تھیلی' قالین اور اس پر جتنے ہیرے جواہرات تھے دے دیئے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور تمام حاضرین اس کی تعریف کرنے لگے۔ میں ان جواہرات کو لے کر جوہری بازار گیا اور وہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا۔

منجملہ ان ہیرے جواہرات کے ایک گول تعویذ تھا جس کی صورت جادوگروں کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کا وزن ایک پاؤ ہو گا' اس کا رنگ نہایت سرخ تھا اور اس کے دونوں طرف ایسی لکیریں بنی ہوئی تھیں جیسے چیونٹیوں کے پاؤں کی۔ یہ مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ وہ کس کام کا ہے۔ میں نے اس کا دلال کے حوالے کیا وہ ہر پھر کر تھوڑی دیر کے بعد لوٹا اور کہنے لگا کہ کوئی تاجر اس کے دس درہم سے زیادہ نہیں لگاتا۔ میں نے کہا ان داموں کو نہیں بیچوں گا اور وہ اسے میرے آگے پھینک کر چل دیا۔

ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے آ کر سلام کیا اور کہا اگر تیری اجازت ہو تو

میں تیرا سامان الٹ پلٹ کر دیکھوں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ اس نے الٹنا پلٹنا شروع کیا اور اس گول تعویذ کے سوا اس نے اور کچھ نہ نکالا اسے دیکھ کر' اے امیر المومنین



اس نے اپنا ہاتھ چوما اور کہا شکر ہے خدا کا۔ پھر کہا اے میرے آقا! کیا تو اسے بیچتا ہے؟ میں غصے میں بھرا بیٹھا تھا کہنے لگا ہاں۔ اس نے اس کے دام پوچھے میں نے کہا تو کیا دے گا؟ اس نے کہا بیس دینار۔ میں سمجھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے اور اسے کہا چل دور ہو' اس نے کہا پچاس دینار لیکن میں نے اس کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا۔ اس نے کہا ایک ہزار دینار۔ اے امیر المومنین! وہ دام بڑھاتا جاتا اور میں چپ تھا وہ میرے چپ رہنے پر ہنستا اور کہتا تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ میں اس سے کہتا کہ یہاں سے چلتا بن اور قریب تھا کہ اس سے لڑ پڑوں' ادھر وہ ہزار ہزار کر کے دام بڑھاتا جاتا۔ بالاخراس نے کہا کہ بیس ہزار دینار میں بیچتا ہوں؟ میں اب تک یہی خیال کر رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے' ہر ایک یہی کہنے لگا کہ بیچ ڈال اور اگر وہ نہیں خریدے گا تو ہم سب پکڑ کر اسے ماریں گے اور شہر سے نکال دیں گے۔ اب میں نے اس سے پوچھا کہ تو واقعی خریدتا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا تو واقعی بیچتا ہے یا مذاق کرتا ہے؟ میں نے کہا بیچتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا تیس ہزار دینار لے اور سودا ختم کر۔ میں نے حاضرین سے کہا' تم گواہ رہنا لیکن میں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ وہ مجھے اس کا فائدہ بتا دے۔ اس نے کہا سودا ختم کر اور میں تجھے اس کا فائدہ بتا دوں گا۔ میں نے کہا' بیچ ڈالا۔ اس نے دینار نکال کر مجھے پکڑا دیئے۔ تعویذ لے کر جیب میں ڈال لیا اور مجھ سے کہا منظور ہے؟ میں نے کہا ہاں!

اب اس نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم گواہ رہنا کہ سودا تمام ہو گیا' اس نے تعویذ کے دام تیس ہزار دینار لے لیے۔ اس کے بعد اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا اے مسکین! اگر تو تھوڑی دیر اور نہ بیچتا تو میں اس کی قیمت ایک لاکھ تک بڑھا دیتا بلکہ دس لاکھ تک۔ اے امیر المومنین! یہ سن کر میرا چہرہ زرد پڑ گیا جو

آج تک قائم ہے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ میں نے تعویذ کا قصہ پوچھا اس نے کہا سن! ہند کے بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جس سے زیادہ حسین کہیں دیکھی نہیں گئی ہو گی' اس پر آسیب آتا ہے۔ بادشاہ نے تمام علاج کر ڈالے لیکن آسیب کو نہ جانا تھا نہ گیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا میں ایک شخص سعداللہ بابلی کو جانتا ہوں جس سے بہتر ایسی باتوں کے لیے اور کوئی نہیں۔ بادشاہ بولا کہ تو ہی جا میں نے کہا عقیق کا ایک ٹکڑا منگوا' اس نے عقیق کا ایک بڑا ٹکڑا منگوایا ایک لاکھ دینار اور تحفے دے کر مجھے رخصت کر دیا۔ بابلی پہنچ کر میں نے شیخ کو وہ ایک لاکھ دینار اور ہدیہ دیا۔ اس نے قبول کر لیا اور عقیق کا ٹکڑا ایک سنگ تراش کو دے کر کہا اسے تعویذ کی شکل میں بنا دے۔ اس کے بعد شیخ سات مہینے تک تاروں کو دیکھتا رہا ہے۔ میں اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو باون ویں رات

نو سو باون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نے امیر المومنین سے کہا اس شخص نے یہ بیان کیا کہ میں تعویذ لے کر بادشاہ کے پاس گیا' اس کے پہنچتے ہی اس کی بیٹی اچھی ہو گئی۔ اس وقت تک وہ چار زنجیروں میں جکڑی رہتی تھیں اور ہر رات اس کے ساتھ ایک کنیز سوتی تھی۔ جو صبح کے وقت ذبح کی ہوئی پائی جاتی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا مجھے بہت انعام دیا اور وہ تعویذ اس کے ہار میں پرو دیا۔ ایک روز جب کہ وہ اپنی کنیزوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھی سمندر کی سیر کر رہی تھی' وہ ہار ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا' اسی وقت سے پھر آسیب آنے لگا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کو کتنا افسوس ہوا ہو گا؟ اس نے مجھے بہت سا مال دے کر دوسرا تعویذ بنوانے بھیجا۔ بابل پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔ جب میں نے لوٹ کر بادشاہ کو اس کی خبر دی تو اس نے میرے ساتھ دس اور آدمیوں کو بھیجا کہ ہم ملک ملک پھر کر اس کی دوا تلاش کریں۔ خدا نے اسے مجھ سے ملا دیا۔ اور میرے پاس اسے وہ تعویذ مل گیا۔ اے امیر المومنین! وہ اسے لے کر چل دیا۔ یہ وجہ ہے میرے چہرے کے زرد پڑ جانے کی۔ اس کے بعد میں اپنا سارا مال متاع لے کر بغداد آیا اور اسی مکان میں ٹھہرا جس میں پہلے ٹھہرا تھا۔ دوسرے دن صبح کو میں کپڑے پہن کر طاہر بن علا کے گھر پہنچا تاکہ اپنی محبوبہ کو ایک نظر دیکھ لوں کیونکہ اس کی محبت روز بروز میرے دل میں زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

میں اس کے گھر پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جھروکا ٹوٹا پڑا ہے۔ ایک غلام سے پوچھا کہ شیخ کو کیا ہو گیا؟ اس نے کہا بھائی؟ چند سال ہوئے یہاں ابو الحسن عمانی نامی ایک شخص آیا تھا اس کی بیٹی کے ساتھ مدت تک رہا تھا۔ جب اس کے دام ختم ہو گئے تو شیخ نے اسے دل شکستہ کر کے نکال دیا۔ لڑکی کو اس سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔

اس لیے جب وہ چلا گیا تو لڑکی اتنی بیمار پڑی کہ مرنے کے قریب ہو گئی۔ جب اس کے باپ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے لوگوں کو جوان کی تلاش میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ جو اسے لے آئے گا میں اسے ایک لاکھ دینار دوں گا لیکن کسی کو اس کا پتا نہ چلا۔ اب تک لڑکی کا وہی حال ہے۔ میں نے پوچھا اس کے باپ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا اس مصیبت کی وجہ سے جو اس پر آئی ہے اس نے تمام کنیزیں بیچ ڈالی ہیں۔ جوان نے کہا میں تجھے ابو الحسن عمانی کا پتا بتا دوں؟ اس نے کہا خدا کے لیے بتا دے۔ جوان بولا اس کے باپ کو جا کر خوشخبری دے کہ ابو الحسن عمانی دروازے پر کھڑا ہے۔ غلام اس طرح دوڑا جیسے خچر چکی سے نکل کر دوڑتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد شیخ کو لے کر آیا۔ مجھے دیکھتے ہی شیخ الٹے پاؤں پھرا اور غلام کو ایک لاکھ دینار دیئے' غلام تو دینار لے کر مجھے دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ شیخ نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا رونے لگا اور کہا اے میرے آقا' اتنے دنوں سے تو کہا تھا؟ تیری جدائی میں میری بیٹی ہلاک ہو گئی۔ اندر چل۔ میں اندر گیا تو اس نے خدا کے آگے شکر گزاری کا سجدہ ادا کیا اور کہا شکر ہے خدا کا اس نے ہمیں تجھ سے ملا دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کے پاس جا کر کہا خدا نے اس مرض سے تجھے شفا دی۔ وہ بولی' ابا! میں اس وقت تک اچھی نہیں ہو سکتی جب تک ابو الحسن کا دیدار نہ کر لوں۔ باپ نے کہا ایک لقمہ کھانا کھا لے اور حمام ہو آ پھر میں تم دونوں کو ملا دوں گا۔ بیٹی نے کہا' سچ مچ؟ باپ بولا خدا کی قسم میں ٹھیک کہتا ہوں۔ بیٹی نے کہا اگر میں اس کا مکھڑا دیکھ لوں تو کھانے پینے کی ضرورت نہیں۔ شیخ نے غلام سے کہا اپنے آقا کو بلا لا۔ لڑکی نے مجھے دیکھا تو اے امیر المومنین! وہ غش کھا کر گر پڑی۔ اسے ہوش آیا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی' اے میرے آقا! واللہ مجھے یہ گمان کبھی نہ ہو سکتا تھا کہ سوائے خواب کے میں تیرا دیدار کبھی کر سکوں گی۔ یہ کہہ کر وہ میرے گلے سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔ اے امیر المومنین! میں ان کے یہاں بہت دنوں تک ٹھہرا رہا اس کی خوبصورتی

عود کر آئی اس کے باپ نے قاضی اور گواہوں کو بلا کر ہم دونوں کا نکاح کرا دیا اور آج تک وہ میری بیوی ہے۔

اتنا کہہ کر جوان اندر گیا ایک حسین لڑکے کو لے کر آیا اور اس سے کہا امیر المومنین کے آگے زمین کو بوسہ دے۔ اس نے بوسہ دیا' بعد ازاں خلیفہ اپنے ساتھیوں کو لے کر رخصت ہوا۔ محل میں پہنچ کر مسرور کر بلا لیا اور اس سے کہا بصرے' بغداد اور خراسان کا خراج لا کر اس ایوان میں رکھ۔ وہ مل کر اتنا زیادہ ہو گیا کہ اس کا شمار سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اب اس نے جعفر کو حکم دیا ابو الحسن کو بلا۔ میں نے آ کر خلیفہ کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے کہا اے عمانی! اس پردے کو اٹھا جب اس نے پردے کے پیچھے وہ سارا خزانہ دیکھا تو اس کی عقل دنگ ہو گئی۔ خلیفہ بولا اے ابو الحسن! یہ مال زیادہ ہے یا وہ جو تعویذ کی قیمت میں سے تجھے نہ ملا تھا؟ اس نے کہا امیر المومنین! یہ کئی گنا زیادہ ہے۔ رشید نے حاضرین سے کہا تو گواہ رہنا کہ میں نے یہ مال اس جوان کو بخش دیا۔ جوان نے زمین چومی' شرما گیا اور مارے خوشی کے رشیدکے سامنے رونے لگا۔ رونے کی وجہ سے اس کے رخسار پر آنسو بہنے لگے' خون عود کر آیا اور اس کا چہرہ پھر چودھویں رات کے چاند سا ہو گیا۔ خلیفہ بولا پاک ہے وہ ذات جو حالتوں کو بدلتی رہتی ہے مگر خود ایک حالت پر قائم ہے۔

اور اس نے آئینہ منگوا کر اسے دکھایا جوان اپنی صورت دیکھ کر سجدے میں گر پڑا۔ خلیفہ نے حکم دیا سارا مال اس کے گھر پہنچوا دیا جائے۔ اور اس سے کہا میرے پاس آتا جاتا رہیو۔ جوان نے آمدورفت برابر جاری رکھی یہاں تک کہ خلیفہ کا انتقال ہو گیا' رحمتہ اللہ علیہ! پاک ہے وہ ذات جو مرتی نہیں اور حکومت اسی کی ہے۔

## ○ ابراہیم اور جمیلہ کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------ مصر کے عامل خصیب کا ایک بیٹا تھا' اتنا خوبصورت کہ باپ

اسے جمعے کی نماز کے علاوہ کبھی باہر نہ نکلنے دیتا۔ ایک روز جمعے کی نماز کے بعد وہ ایک بوڑھے شخص کے پاس سے گزرا جس کے پاس بہت سی کتابیں تھیں، وہ گھوڑے سے اتر کر اس کے قریب گیا، کتابوں کو الٹنے پلٹنے اور غور سے دیکھنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک عورت کی بولتی ہوئی تصویر پر پڑی جس کا مثل اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہوش جاتے رہے۔ اس نے شیخ سے کہا کہ یہ تصویر میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ شیخ نے اس کے آگے زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! مفت نذر ہو۔ جوان نے اسے سو دینار دیئے اور وہ کتاب جس میں تصویر تھی لے لی۔ اب وہ دن رات اسی کو دیکھتا اور روتا نہ کھاتا نہ پیتا نہ سوتا اور اپنے دل میں کہتا کاش میں نے کتب فروش سے پوچھ لیا ہوتا کہ اس کا مصور کون ہے؟ اگر وہ کسی زندہ عورت کی تصویر ہے تو میں اس سے ملوں اور اگر خیالی تصویر ہے تو اپنی بے چینی چھوڑ دوں اور اپنی جان کو ایسی چیز کے پیچھے عذاب میں نہ ڈالوں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو ترپنویں رات

تو سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان نے کہا اگر یہ تصویر محض خیالی ہے تو کیوں اس کے پیچھے اپنی جان کو عذاب میں ڈالوں؟ چنانچہ دوسرے جمعہ کو وہ پھر اس بوڑھے کے پاس گیا اور کہا چچا! یہ تو بتا یہ تصویر کس نے کھینچی ہے؟ اس نے جواب دیا بغداد کے ایک مصور نے جس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے اور جو کرخ کے محلے میں رہتا ہے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ تصویر ہے کس کی؟ جوان وہاں سے چل دیا' کسی کو خبر نہ تھی کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ نماز پڑھ کر گھر لوٹا تو اس نے ایک تھیلی میں ہیرے اور سونا بھرا جن میں صرف ہیروں کی قیمت تیس ہزار دینار ہو گی اور دوسرے دن علی الصبح نکل کھڑا ہوا۔ کسی کو خبر کئے بغیر ایک قافلے کے پاس پہنچا وہاں ایک بدو کو دیکھ کر اس سے کہا چچا! اگر تو مجھے بغداد پہنچا دے تو میں تجھے سو دینار اور یہ گھوڑا دوں گا جس پر میں سوار ہوں اور جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہے۔ بدو بولا خدا ہماری باتوں کا گواہ رہے لیکن آج رات میرے پاس سو۔ جوان نے اس کا کہنا مان لیا' اس کے یہاں رات گزاری' سویرا ہوا تو بدو محض گھوڑے کے لالچ میں اسے قریب کے راستے سے لے گیا۔ وہ بغداد کی شہر پناہ کے پاس پہنچے تو بدو نے کہا اے میرے آقا! شکر ہے خدا کا کہ ہم سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے' یہ بغداد ہے۔ جوان بہت خوش ہوا' گھوڑے سے اتر کر گھوڑا اور سو دینار بدو کو دے دیئے اور تھیلی لے کر چل دیا۔ کرخ اور تاجروں کی سرائے کا پتا پوچھتا' پوچھتا اتفاق سے ایک گلی میں پہنچا جہاں آمنے سامنے دس گھر تھے۔ صدر میں ایک ایسا مکان جس کا دروازہ دوپٹوں کا تھا اور کنڈی چاندی کی تھی۔ دروازے کے سامنے کی دونوں چوکیاں مرمر کی تھیں اور ان پر خوب صورت قالینیں بچھی ہوئی' ایک پر ایک شان دار خوب صورت شخص بھڑکیلے کپڑے پہنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے پانچ گورے غلام چاند

کی طرح خوب صورت کھڑے ہوئے تھے۔

جوان پہچان گیا کہ یہ وہی نشانیاں ہیں کو کتب فروش نے بیان کی تھیں اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ مرحبا کہا' بٹھایا اور مزاج پوچھا۔ جوان نے کہا میں پردیسی ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو مہربانی فرما کر اس گلی میں ایک مکان تلاش کر دے تا کہ میں وہاں رہوں۔ اس شخص نے آواز دی اے غزالہ! اور ایک کنیز نے نکل کر کہا اے میرے آقا! حاضر ہوں۔ اس نے کہا چند نوکروں کو لے جا اور ایک کمرے کو صاف ستھرا کرا' فرش بچھوا اور اس حسین جوان کے لیے تمام ضروریات مہیا کر دے۔ جب کنیز اس کے حکم کی تعمیل کر چکی تو بوڑھا اسے کمرے میں لے گیا۔ جوان نے پوچھا اس کمرے کا کرایہ کیا ہے؟ بوڑھا بولا' اے حسین جوان! جب تک تیرا جی چاہے یہاں رہ۔ میں تجھ سے کوئی کرایہ نہیں لوں گا۔ اس کے بعد بوڑھے نے ایک کنیز کو بلا کر کہا' شطرنج لا۔ وہ شطرنج لے آئی۔ ایک غلام نے بساط بچھائی اور بوڑھے نے جوان سے کہا میرے ساتھ کھیلے گا؟ اس نے کہا ہاں! کئی بازیاں کھیلیں اور ہر بار جوان نے مات دی۔ بوڑھے نے کہا شاباش! تجھ میں سارے کمال موجود ہیں۔ بغداد میں کوئی شخص مجھ سے جیت نہیں سکتا لیکن تو نے مجھے مات پر مات دی پھر بوڑھے نے اسے کمرے کی کنجیاں حوالے کر دیں اور کہا میرے غریب خانے میں آ اور میرا کھانا کھا۔ اس سے مجھے عزت حاصل ہو گی۔ جوان نے منظور کر لیا اس کے ساتھ اندر گیا دیکھا کہ وہ بڑا خوبصورت مکان ہے' طرح طرح کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ بوڑھے نے اس کا خیر مقدم کیا اور کھانا منگوایا۔ لوگ ایک دسترخوان لائے جو صنعا کا بنا ہوا تھا اور ایسے ایسے کھانے جن سے زیادہ لذیز ممکن نہیں۔ جوان نے کھا پی کر ہاتھ دھوئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب جو اپنی تھیلی پر نظر ڈالی تو وہ غائب۔ لاحول پڑھنے اور کہنے لگا ایک یا دو درہم کا میں نے کھانا کھایا اور تیس ہزار دینار کی تھیلی غائب ہو گئی لیکن خدا میرے مدد کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اسے کچھ کہتے نہ بن پڑی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

## • نو سو چون ویں رات

نو سو چون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوان چپ ہو گیا۔ اسے کچھ کہتے بن نہ پڑی۔ بوڑھا شطرنج لایا اور کہا کھیلتا ہے؟ جوان بولا ہاں! دونوں



کھیلنے لگے اور بوڑھے نے اسے مات دے دی۔ جوان نے کہا شاباش! اور کھیل چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھے نے پوچھا کیا بات ہے؟ جوان بولا میں اپنی تھیلی تلاش کر رہا ہوں' بوڑھے نے تھیلی نکال کر کہا لے یہ ہے تیری تھیلی۔ اب دوبارہ مجھ سے شطرنج کھیلے گا؟ اس نے کہا' ہاں! اور اس نے بوڑھے کو مات دے دی۔ بوڑھا بولا تیرا جی تھیلی میں لگا ہوا تھا اس لیے تو مات کھا گیا' تھیلی مل گئی تو تو نے مات دے دی۔

پھر بوڑھے نے کہا بیٹا! تیرا وطن کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا مصر۔ پوچھا کہ بغداد کیسے آنا ہوا؟ جوان نے تصویر نکال کر کہا چچا! میں مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہوں۔ یہ تصویر میں نے ایک کتب فروش کے پاس دیکھی تھی۔ میں اس پر عاشق ہو گیا۔ مصور کا پتا پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ کرخ میں درب زعفران میں رہتا ہے اور اس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے۔ اس پر میں نے کچھ مال اپنے ساتھ لیا اور بغیر کسی کو خبر کئے اکیلا نکل کھڑا ہوا۔ اب میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس کا پتا بتا دے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ یہ کس طرح کی تصویر ہے؟ اور اس نے کیوں کھینچی؟ جو کچھ مانگے گا دوں گا۔

بوڑھے نے کہا بیٹا! ابوالقاسم صندلانی میں ہی ہوں اور یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ قسمت تجھے میرے پاس لے آئی۔ یہ سنتے ہی جوان اٹھ کھڑا ہوا' اس کے گلے سے لپٹ گیا' اس کا سر اور ہاتھ چومنے لگا اور کہا خدا کے واسطے بتا دے کہ وہ کس کی تصویر ہے؟ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور اٹھ کر ایک کوٹھڑی کھولی' بہت سی کتابیں نکال لایا جن میں اس نے یہی تصویر رکھی تھی اور کہنے لگا بیٹا! یہ تصویر میری

چھچیری بن کی ہے' وہ بصرے میں رہتی ہوں جہاں اس کا باپ والی ہے۔ اس کا نام ابواللیث ہے اور لڑکی کا جمیلہ۔ ایسی حسین دنیا بھر میں نہیں' لیکن وہ مردوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتی بلکہ ان کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتی۔ میں اس سے شادی کرنے کی غرض سے اس کے باپ کے پاس گیا تھا۔ بہت مال خرچ کیا پھر بھی اس نے منظور نہیں کیا۔ جب اس کی خبر لڑکی کو ملی تو وہ تیش میں آگئی اور مجھے کہلا بھیجا کہ اگر تو سمجھدار ہے تو یہاں سے چلا جا ورنہ مارا جائے گا اور تیرا خون تیری ہی گردن پر ہو گا۔ وہ بہت ظالم ہے اس لیے میں شکستہ دل ہو کر بصرے سے چلا گیا اور بہت سی کتابوں میں اس کی تصویر کھینچ کر انہیں ملک ملک روانہ کر دیا تا کہ وہ تیری طرح کسی حسین جوان کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرے اور ممکن ہے کہ لڑکی اس پر عاشق ہو جائے۔ میں جوان سے وعدہ لے لوں گا کہ اگر وہ اسے مل جائے تو مجھے ایک نظر دکھا دے خواہ دور ہی سے سہی۔

ابراہیم بن خصیب نے یہ باتیں سنیں تو سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ صندلانی کہنے لگا! میں نے بغداد بھر میں تجھ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ تجھے دیکھ کر ضرور عاشق ہو جائے گی۔ کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ اگر تجھے کامیابی ہو جائے تو تو مجھے ایک بار اس کا دیدار دکھا دے خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں! بوڑھے نے کہا اگر یہ بات ہے تو تو سفر کرنے تک یہیں میرے پاس ٹھہر۔

جوان بولا میں ٹھہر نہیں سکتا اس کے عشق کی آگ میرے دل میں بھڑک رہی ہے۔

بوڑھے نے تین دن میں اس کے لیے ایک کشتی تیار کی اور کھانا پینا وغیرہ اس میں رکھ کر کہا میں نے ایک کشتی میں تیرے لیے کھانا پینا تیار کر کے رکھ دیا کشتی میری ملکیت ہے' ملاح میرے نوکر ہیں اور کشتی میں اتنا سامان ہے کہ جانے آنے کی لیے کافی ہو گا۔ میں نے ملاحوں کو تاکید کر دی ہے کہ واپسی تک وہ تیری خدمت کریں۔

جوان اٹھا اور اس سے رخصت ہو کر کشتی میں سوار ہو گیا ور چلتے چلتے بصرے پہنچا

اور سو دینار نکال کر ملاحوں کو دیئے۔ انہوں نے کہا' ہم اپنے آقا سے مزدوری لے چکے ہیں۔ وہ بولا۔ یہ انعام ہے' میں اس سے نہیں کہوں گا۔ انہوں نے لے لیا اور اسے



دعا دی۔

جوان نے بصرے میں داخل ہو کر پوچھا تاجروں کو سرائے کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سرائے حمدان۔ وہ اس سرائے کی طرف چلا جا رہا تھا اور لوگ اس کے حسن و جمال پر محو تھے۔ سرائے میں داخل ہو کر اس نے دربان کو پوچھا اور اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ جوان نے کہا تیرے پاس کوئی خوبصورت سا کمرہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! اور ایک خوبصورت کمرہ کھول دیا جس میں سونے کا کام تھا اور کہا اے جوان! یہ تیرے قابل ہے۔ جوان نے دو دینار نکال کر اسے دیئے اور کہا یہ کنجی دینے کا انعام ہے۔ دربان نے دینار لیے اور اسے دعا دی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو دربان اس کی خدمت کے لیے وہیں ٹھہرا رہا۔ جوان نے اسے ایک دینار دے کر کہا اس کی روٹی' سالن' مٹھائی اور شراب لے آ۔ دربان جا کر دس درہم کی یہ چیزیں لے آیا اور باقی جوان کو دینے لگا اور اس نے کہا انہیں اپنے خرچ کے لیے رہنے دے۔ اب جوان نے ایک چپاتی اور کچھ سالن کھایا اور دربان سے کہا باقی اپنے گھر لیتا جا۔ وہ گھر جا کر کہنے لگا میرے خیال میں اس جوان سے زیادہ سخی دنیا بھر میں کوئی نہیں جو ہمارے ہاں آ کر ٹھہرا ہے۔ نہ اس سے زیادہ پیارا۔ اگر وہ کچھ دنوں اور ٹھہرا رہا تو ہم امیر ہو جائیں گے۔ جب دربان لوٹ کر سرائے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ جوان بیٹھا رو رہا ہے' وہ بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگا اور انہیں چوم کر کہا اے میرے آقا! تو کیوں رو رہا ہے؟ خدا تجھے کبھی نہ رلائے' اس نے جواب دیا چچا! میں چاہتا ہوں کہ آج رات دونوں بیٹھ کر شراب پئیں۔ بوڑھا بولا سر آنکھوں سے۔ جوان نے اسے پانچ دینار دے کر کہا کہ ان کا خشک میوہ' عطر' پانچ موٹی تازی مرغیاں اور عود لیتا آئیو۔ دربان نے جا کر تمام چیزیں خریدیں اور اپنی بیوی سے کہا انہیں پکا' شراب کو صاف کر اور ہر چیز خوب اچھی طرح سے بنا کیونکہ یہ جوان ہم

پر بڑا مہربان ہے۔ بیوی نے تمام چیزیں خوب اچھی طرح سے تیار کیں' دربان انہیں لے کر ابراہیم کے پاس آیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- نو سو پچپن ویں رات

نو سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- دربان یہ سب چیزیں لے کر جوان کے پاس گیا' دونوں نے کھایا پیا' خوش ہوئے۔ جوان رو رو کر یہ اشعار پڑھتے ہوئے' "اگر تیرے وصل کے بدلے مجھے اپنی روح' مال دولت' ساری دنیا' جنت اور فردوس دینا پڑے تب بھی میرا دل اسے مول لینے کے لیے تیار ہے۔" ایک چیخ مار کر گر پڑا اور دربان سسکیاں بھرنے لگا۔ دربان نے کہا اے میرے آقا! تو کیوں روتا ہے اور اس شعر سے تیرا کس طرف اشارہ ہے؟ وہ کوئی بھی ہو تو تیرے قدموں کی خاک سے بڑھ کر نہ ہو گی۔ جوان نے اٹھ کر ایک بقچہ نکالا جس میں عمدہ عمدہ زنانے کپڑے تھے اور دربان سے کہا انہیں اپنی بیوی کو دے آ۔ دربان انہیں اپنی بیوی کے پاس لے گیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ جوان کے پاس آئی تو دیکھا کہ جوان رو رہا ہے۔ بیوی بولی تو نے ہمارا دل پاش پاش کر دیا ہے۔ بتا تو سہی کہ تو کس حسین کے غم میں رو رہا ہے؟ وہ زیادہ سے زیادہ تیری لونڈی کے برابر ہو گی۔ جوان بولا چچی سن! میں مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہوں اور ابواللیث والی کی بیٹی پر عاشق۔ دربان کی بیوی نے کہا بھائی! اللہ اللہ کر یہ باتیں جانے دے اگر کسی نے سن لیا تو ہم سب مارے جائیں گے' اس سے بڑھ کر ظالم دنیا میں نہیں۔ کس کی مجال ہے کہ مرد کا نام اس کے آگے لے سکے۔ اس قدر اسے مردوں سے نفرت ہے۔ بیٹا! اس کا دھیان دل سے نکال ڈال کسی اور سے دل لگا لے۔ یہ سن کر جوان کو زیادہ رقت آگئی دربان نے کہا میری جان کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ اسے میں تیرے اوپر قربان کر سکتا ہوں اور تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا یہ کہہ کر دونوں چلے گئے۔

صبح ہوئی تو جوان حمام گیا اور شاہانہ لباس پہنا' اتنے میں دربان اور اس کی بیوی نے آ کر کہا' اے میرے آقا! یہاں ایک کبڑا درزی ہے جو جمیلہ کے کپڑے سیتا ہے' جا

کر اسے اپنا ماجرا سنا ممکن ہے کہ وہ کوئی تدبیر نکال دے' جس سے تیری مراد بر آئے۔
جوان فوراً اٹھ کر کبڑے درزی کی دکان پر پہنچا دیکھا کہ اس کے پاس دس گورے غلام ہیں۔ چاند کی طرح خوبصورت جوان نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا خوش ہو کر اسے بٹھایا اور اس کا حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب کبڑے کی نظر اس پر پڑی تو اس کے ہوش بھی جاتے رہے۔ جوان نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میری جیب سی دے' درزی نے ریشم کا ڈورا لے کر سی دی۔ جوان نے اپنی جیب عمداً پھاڑ ڈالی تھی' درزی نے جیب سی دی نوجوان نے پانچ دینار نکال کر اسے دے دیئے اور چلا گیا درزی اپنے دل میں کہنے لگا میں نے اس لڑکے کے لیے کون سا ایسا بڑا کام کیا کہ اس نے پانچ دینار دیئے اور رات بھر اسے جوان کا خیال رہا۔ دوسرے دن صبح کو وہ پھر کبڑے درزی کی دکان پر گیا اور سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ جوان نے کبڑے سے کہا چچا! میری جیب دوبارہ سی دے کیونکہ وہ پھر پھٹ گئی ہے۔ درزی نے کہا' بیٹا سر آنکھوں سے۔ اور اس کی جیب سی دی۔ جوان نے اسے دس دینار دیئے اس نے لے لیے اور اس کا حسن اور سخاوت دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ اس کے بعد درزی نے کہا اے جوان۔ تیری اس بخشش کا کوئی نہ کوئی سبب ہے یہ محض جیب سینے کی مزدوری نہیں' بتا کیا بات ہے؟ اگر تو یہاں کسی پر عاشق ہے تو خدا کی قسم ان میں سے کوئی تجھ سے زیادہ حسین نہیں۔ وہ سب تیرے قدموں کی خاک کے برابر ہیں' اور تیری لونڈیاں۔ یہ بات نہیں تو پھر کیا ہے بتا۔ جوان نے کہا چچا! یہ جگہ باتیں کرنے کی نہیں۔ میری داستان عجیب و غریب ہے۔ درزی بولا اگر یہ بات ہے تو تنہائی میں چل۔ یہ کہہ کر درزی اسے دکان کے پیچھے ایک کمرے میں لے گیا اور اس نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ درزی ششدر ہو کر کہنے لگا اے جوان! خدا سے ڈر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈال جس کا تو ذکر کرتا ہے وہ بڑی ظالم ہے اور مردوں سے نفرت کرتی ہے۔ اپنی زبان روک کے رکھ ورنہ اس میں تیری جان چلی جائے گی۔ جوان رونے لگا اور درزی

کا دامن پکڑ کر کہا چچا! رحم کر ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا' میں اپنا اور اپنے باپ دادا کا وطن چھوڑ کر یہاں پردیس میں آیا ہوں اور اس کے لیے بے چین ہوں۔ درزی کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آ گیا۔ بولا بیٹا۔ میرے پاس صرف ایک جان ہے جو میں تجھ پر قربان کر سکتا ہوں' تیری حالت دیکھ کر میرے دل پر چھریاں چلتی ہیں۔ اچھا کل میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکالوں گا جس سے تیری مراد بر آئے۔ جوان نے اسے دعا دی اور سرائے میں واپس جا کر جو کچھ کبڑے نے کہا تھا دربان سے بیان کیا۔ دربان بولا کہ اس نے تیرے ساتھ بڑی بھلائی کی۔

دوسرے دن صبح کو جوان نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور دینار کا ایک توڑا لے کر کبڑے کے پاس پہنچا اسے سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا چچا! اپنا وعدہ پورا کر۔ اس نے کہا جا کر تین موٹی تازی مرغیاں' ڈیڑھ چھٹانک قند' دو نفیس کوزے شراب کے ایک جام لے۔ انہیں ایک تھیلے میں رکھ کر فجر کی نماز کے بعد ایک کشتی میں بیٹھ جا اور ملاح سے کہہ کہ وہ تجھے بصرے کے نیچے لے چلے۔ اگر وہ کہے کہ میں ایک فرسخ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو کہیو جیسی تیری مرضی۔ وہ وہاں تک پہنچ جائے تو اسے مال کا لالچ دیجیو تا کہ وہ منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اس جگہ پہلا باغ جو تجھے دکھائی دے گا وہ جمیلہ کا باغ ہے۔ وہاں تجھے میری ہی طرح ایک کبڑا شخص دکھائی دے گا اس کے آگے اپنا دکھڑا روئیو اور اس سے مدد مانگیو ممکن ہے کہ وہ تیرے حال پر ترس کھا کر تجھے اس کا دیدار دکھا دے' خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر میرے پاس نہیں اگر اس نے تیرے حال پر ترس نہ کھایا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔ جوان بولا میں خدا سے دعا مانگتا ہوں جو وہ چاہے گا ہو گا سوائے اس کے کسی میں کوئی طاقت نہیں۔ جوان نے فوراً اپنے کمرے میں جا کر تمام چیزیں جو درزی نے بتائی تھی تھیلے میں رکھیں اور صبح ہوتے ہی دجلے کے کنارے جا پہنچا۔ دیکھا کہ ایک ملاح پڑا سو رہا ہے' اسے جگا کر جوان نے دس دینار دیئے اور کہا مجھے بصرے کے نیچے پہنچا دے۔ وہ بولا اے میرے آقا! اس شرط پر کہ میں ایک فرسخ سے آگے

نہیں بڑھوں گا اگر میں بالشت بھر بھی آگے بڑھا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔
جوان بولا جیسی تیری مرضی۔ غرض کہ ملاح اسے کشتی میں بٹھا کر چل دیا اور جوں ہی وہ باغ کے قریب پہنچے۔ ملاح نے کہا بیٹا! اگر ہم یہاں سے آگے بڑھیں گے تو ہم دونوں ہلاک ہو جائیں گے' جوان نے مزید دس دینار نکال کر اسے دیئے اور کہا' انہیں اپنے اوپر خرچ کر۔ ملاح مارے شرم کے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- نو سو چھپن ویں رات

نو سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ملاح شرم کے مارے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور آگے بڑھا۔ باغ کے قریب پہنچ کر جوان مارے خوشی کے کشتی پر سے کود پڑا اور ملاح اسے چھوڑ کر بھاگا۔ جوان نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ باغ کا دروازہ کھلا ہوا ہے' دروازے پر ایک ہاتھی دانت کا تخت بچھا ہوا ہے اس پر ایک خوب صورت کبڑا سنہرے کپڑے پہنے بیٹھا ہے اس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک گرز ہے جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ جوان دوڑا اور اس کا ہاتھ لے کر چومنے لگا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے اس جگہ کس نے پہنچایا؟ ابراہیم نے کہا چچا! میں ایک نا سمجھ اور پردیسی لڑکا ہوں' یہ کہہ کر وہ رونے لگا' بوڑھے کا دل پسیج گیا اسے تخت پر بٹھا لیا اس کے آنسو پونچھے اور کہا غم نہ کر اگر تیرے اوپر قرضہ ہے تو خدا تیرا قرضہ ادا کر دے گا اور اگر تجھے کسی کا ڈر ہے تو خدا اسے دور کرے گا۔ جوان نے کہا چچا! نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ میرے اوپر کسی کا قرضہ' خدا کی مدد سے میرے پاس بہت کچھ ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا! پھر تجھ پر کیا مصیبت آئی کہ اپنی جان اور خوبصورتی کو خطرے میں ڈال کر یہاں مرنے آیا ہے؟ اس پر جوان نے اپنا سارا کچا چٹھا کہہ سنایا۔

بوڑھے یہ سن کر اپنا سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا کبڑے درزی نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے؟ اس نے کہا ہاں! بوڑھا بولا وہ میرا بھائی ہے اور بڑا مبارک شخص ہے بیٹا! اگر تیری محبت میرے دل میں نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو تو میرا بھائی سرائے کا دربان اور اس کی بیوی سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ سن! اس باغ کا جواب ساری دنیا میں نہیں اس کا نام موتی باغ ہے' میری زندگی بھر اس میں سوائے والی اس کی

بیٹی جمیلہ کے اور میرے کوئی داخل نہیں ہوا ہے۔ ہر چالیسویں دن وہ بجرے میں بیٹھ کر یہاں آتی ہے اور اپنی کنیزوں کے ساتھ اطلس کی پوشاک پہن کر وہ داخل ہوتی ہے جس کا دامن دس کنیزیں سونے کے کانٹوں سے پکڑ کر اٹھاتی ہیں۔ میں نے اس کا جسم کا کوئی حصہ نہیں دیکھا۔ میری بس ایک جان ہے جو تیرے اوپر فدا کر سکتا ہوں۔



جوان نے اس کا ہاتھ چوما۔ اس نے کہا میرے پاس ٹھہر میں تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا پھر وہ جوان کا ہاتھ پکڑ کر باغ کے اندر لے گیا' اسے دیکھ کر ابراہیم نے خیال کیا کہ بس جنت یہی ہے۔ اس کے بعد بوڑھا اسے بارہ دری میں لے گیا اور کہا کہ جمیلہ اسی میں آ کر ٹھہرتی ہے۔ جوان نے دیکھا کہ وہ بہترین تفریح کی جگہ ہے وہاں بے شمار سونے اور لاجورد کی تصویریں ہیں۔ بارہ دری کے چار دروازے ہیں اور ان کے زینے پانچ پانچ پیڑھیوں کے ہیں' اس کے بیچ میں ایک حوض ہے جس میں اترنے کے لیے سونے کا زینہ ہے جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ حوض کے بیچ میں سونے کا فوارہ ہے اور میں چھوٹی بڑی مورتیں ہیں' جن کے منہ سے پانی نکلتا ہے۔ جب پانی نکلتا ہے اور چڑیاں چہچہاتی ہیں تو سننے والے کو خیال ہوتا ہے کہ میں جنت میں ہوں۔ بارہ دری کے چاروں طرف ایک نہر ہے جس کے ڈول چاندی کے ہیں اور پر زربفت چڑھا ہوا ہے۔ نہر کے بائیں طرف ایک جھروکا ہے جہاں سے ایک ہرا گنبد دکھائی دیتا ہے جس میں طرح طرح کے جنگلی جانور' ہرن اور خرگوش ہیں اس کے داہنی طرف ایک جھروکا ہے جس میں سے ایک میدان دکھائی دیتا ہے جہاں طرح طرح کی چڑیاں ہے جو اپنی اپنی بولیاں بولتی ہیں۔

جوان اس باغ کو دیکھ کر خوش ہو گیا' باغ کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ باغبان اس کے پہلو میں ہو بیٹھا اور کہنے لگا میرا باغ تجھے کیسا پسند ہے؟ اس نے کہا یہ دنیا کی جنت ہے۔ باغبان ہنسنے لگا اور جا کر ایک سینی لے آیا جس میں مرغیاں' بٹیریں' دوسرے عمدہ عمدہ کھانے اور شکر کی مٹھائیاں تھیں۔ انہیں جوان کے آگے رکھ کر کہا' پیٹ بھر کا کھا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور وہ مجھے دیکھ کر خوش

ہوا اور کہنے لگا واللہ امیروں اور امیر زادوں کی یہی شان ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا اے ابراہیم! اس تھیلے میں کیا ہے؟ میں نے تھیلے کو اس کے سامنے انڈیل دیا اس نے کہا جب جمیلہ کے پاس جائیو تو اسے لیتا جائیو کیونکہ جب وہ آئے تو میں تجھے کوئی کھانے کی چیز نہ پہنچا سکوں گا اس کے بعد وہ اٹھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جگہ لے گیا جو اس خوبصورت بارہ دری کے سامنے تھی اور وہاں درختوں کے بیچ میں ایک مچان بنا کر مجھ سے کہا اس پر چڑھ کر بیٹھ جا۔ جب وہ آئے گی تو تو اسے دیکھے گا اور وہ تجھے دیکھ نہ سکے گی۔ یہ بڑی سے بڑی تدبیر ہے۔ جو میں کر سکتا ہوں باقی بھروسہ خدا پر ہے۔ جب وہ گائے تو اس کے گیت کا مزہ لیجیو اور جب وہ چلی جائے تو تو بھی چلتا بنیو۔ جوان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ چومے لیکن اس نے روک دیا۔ اس کے بعد جوان نے اپنا تھیلا مچان کے اوپر رکھ دیا۔ باغبان نے کہا ابراہیم! باغ کی خوب سیر کر اور پھل کھا کیونکہ تیری دوست کے آنے کا دن کل ہے جب سویرا ہوا اور دن نکلا ابراہیم نے فجر کی نماز پڑھی' اتنے میں باغبان آیا اس کا چہرہ فق تھا۔ کہنے لگا بیٹا! مچان پر چڑھ جا کنیزیں بارہ دری میں فرش بچھانے آ گئی ہیں اور وہ بھی عنقریب آتی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو ستاون ویں رات

نو سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ باغبان نے کہا کہ عنقریب وہ بھی آتی ہو گی۔ خبردار! نہ تھوکیو نہ چھینکو اور نہ ناک صاف کیجیو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔ جوان مچان پر چڑھ بیٹھا اور باغبان یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ بیٹا! خدا تجھے سلامت رکھے۔ جوان بیٹھا ہوا تھا کہ پانچ کنیزیں آئیں بارہ دری کے اندر جا کر انہوں نے کپڑے اتارے بارہ دری کو دھویا' گلاب چھڑکا' عود اور عنبر سلگایا' زربفت کا فرش بچھایا اور اس کے بعد پچاس کنیزیں باجے لیے آئیں اور ان کے درمیان ایک سرخ زربفت کے شامیانے کے نیچے خود جمیلہ تھی۔ کنیزیں سونے کے کانٹوں سے شامیانے کے پردے اٹھائے ہوئے تھیں۔ جمیلہ بارہ دری کے اندر چلی گئی جوان اس کی جھلک بھی نہ دیکھ سکا اپنے دل میں کہنے لگا واللہ میری ساری محنت اکارت گئی خیر میں بھی ڈٹا رہوں گا۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے' کھانے پینے کے بعد کنیزوں نے اس کے لیے کرسی بچھائی وہ بیٹھ گئی اور کنیزوں نے گانا بجانا شروع کیا۔ اتنے میں بڑھیا ماما تالیاں بجاتی اور ناچتی باہر نکل آئی۔ کنیزوں نے اسے پکڑ پھر اندر کھینچ لیا۔ اب پردہ اٹھا اور جمیلہ ہنستی ہوئی نکلی۔ ابراہیم نے دیکھا کہ وہ لباس اور زیوروں سے لدی ہوئی ہے اس کے سر پر ایک تاج ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں' گلے میں موتیوں کا ہار اور کمرے سے زبرجد کے ٹکڑوں کی پٹی بندھی ہوئی ہے جس کی جھالر میں یاقوت اور موتی پروئے ہوئے ہیں۔ کنیزوں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی وہ برابر مسکراتی رہی۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ اسے دیکھتے ہی مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اس کا حسن و جمال دیکھ کر میرے ہوش و حواس جاتے رہے اور میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں رو رہا تھا اور میں نے بڑھیا کو کنیزوں سے کہتے سنا کہ تم میں سے

دس اٹھ کر گائیں بجائیں۔ انہیں دیکھ کر ابراہیم اپنے دل میں کہنے لگا کاش جمیلہ اٹھ کر ناچتی۔ جب دسوں کنیزیں ناچ چکیں تو انہوں نے کہا اے ہماری آقا! اب ہماری خواہش



ہے کہ تو بھی ناچ تاکہ ہمارا سرور مکمل ہو جائے۔ آج بے حد پیارا دن ہے۔ ابراہیم بن خصیب اپنے دل میں کہنے لگا بے شک آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ خدا نے میری دعا سن لی۔ اتنے میں جمیلہ نے اپنے کپڑے اتار ڈالے' محض ایک قمیض میں رہ گئی جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور جس میں ہیرے جواہرات پروئے ہوئے تھے۔ اس کا سینہ انار کی طرح ابھرا ہوا تھا جب اس نے اپنا چہرہ کھولا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا چودھویں رات کا چاند نکل آیا وہ ایسے عجیب و غریب انداز سے ناچی کہ انسان جام بلبلوں کے رقص کو بھول جائے اور اسے سر پر سے پگڑیوں کا جھکنا یاد آئے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ اپنی کنیزوں سے کہنے لگی' تم گاتی رہو میں ابھی آتی ہوں اور وہ ڈیڑھ بالشت کی چھری لے کر میری طرف بڑھی۔ جونہی وہ میرے پاس پہنچی میرے ہوش جاتے رہے لیکن مجھے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے چھری گر پڑی اور اس کی زبان سے نکلا پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے! اس کے بعد بولی اے جوان! ڈر نہیں تجھے امان ہے۔ یہ سن کر میرے آنسو بہنے لگے اور وہ انہیں ہاتھ سے پونچھنے لگی۔

پھر اس نے کہا اے جوان! تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کا دامن پکڑ لیا۔ وہ بولی گھبرا نہیں' سوائے تیرے کسی مرد کے دیدار سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوئیں۔ بتا تو ہے کون؟ ابراہیم نے اپنی ساری روداد بیان کی۔ لڑکی کو بڑا تعجب ہوا کہنے لگی اے میرے آقا! خدا کی قسم بتا کیا تو ہی ابراہیم بن خصیب ہے؟ میں نے کہا ہاں! وہ چمٹ گئی یہ کہتے ہوئے اے میرے آقا! تو ہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے میں نے مردوں کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے

سنا تھا کہ مصر میں ایک لڑکا ہے جس سے زیادہ خوبصورت دنیا بھر میں نہ ہو گا اور میں تجھ پر نادیدہ دل و جان سے عاشق ہو گئی۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تیرا مکھڑا مجھے دکھایا۔ واللہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں باغبان' درزی سرائے کے دربان اور اس کی بیوی کی گردنیں اڑا دیتی۔ اچھا اب بتا کہ بغیر کنیزوں کو خبر کیئے تیرے لیے کھانا کیسے منگواؤں؟ میں نے جواب دیا میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہیں جنہیں ہم کھا پی سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے تھیلا الٹ دیا وہ ایک مرغی لے کر مجھے نوالے دینے لگی اور میں اسے نوالے دینے لگا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر میں نے شراب نکالی اور ہم دونوں نے پی۔ صبح سے ظہر تک کنیزیں گاتی رہیں اور وہ میرے پاس بیٹھی رہی۔ بعدازاں وہ اٹھی اور مجھ سے کہا فوراً اپنے لیے ایک کشتی منگا اور فلاں جگہ میرا انتظار کر۔ اب میں تیری جدائی گوارا نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا اے میری آقا! میرے پاس اپنی کشتی ہے اس کے ملاح میرے مزدور ہیں اور وہ میرے منتظر ہوں گے۔ اس نے کہا بس پھر اور کیا چاہیے! یہ کہہ کر وہ اپنی کنیزوں کے پاس گئی۔

○○○

# • نو سو اٹھاون ویں رات



نو سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جمیلہ نے اپنی کنیزوں کے پاس جا کر کہا چلو محل میں چلیں۔ وہ بولیں' ابھی سے؟ ہم تو یہاں تین تین دن ٹھہرا کرتے تھے۔ اس نے کہا میری طبیعت بھاری معلوم ہوتی ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ بیمار پڑ جاؤں۔ انہوں نے اپنے کپڑوں پہن لیے اور کنارے پر جا کر بجرے میں بیٹھ گئیں۔ اب باغبان ابراہیم کے پاس گیا' اسے کیا معلوم تھا کہ کیا ماجرا پیش آیا ہے کہنے لگا اے ابراہیم! کیا تجھے اس کا دیدار نصیب نہیں ہوا وہ تو یہاں تین دن اور ٹھہرے گی' کہیں اس نے تجھے دیکھ تو نہیں لیا؟ ابراہیم بولا اس نے مجھے دیکھا نہ میں نے اس سے بلکہ وہ تو بارہ دری سے نکلی بھی نہیں۔ باغبان بولا بیٹا! تو سچ کہتا ہے ورنہ ہم دونوں مارے جاتے۔ اچھا میرے ساتھ ٹھہرا رہ' وہ دوسرے ہفتے پھر آئے گی اور تو اسے خوب جی بھر کر دیکھ لیجیو۔ ابراہیم بولا میرے پاس گھر میں مال ہے اور مجھے اس کا ڈر لگا ہوا ہے' دوسرے میں اپنے لوگوں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں کہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں کھو گیا۔ اس نے کہا بیٹا! تیری جدائی مجھ پر شاق گزرتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے گلے لگایا اور رخصت کیا۔ ابراہیم نے سرائے جا کر دربان سے اپنا سارا مال لیا' دربان بولا خیریت تو ہے؟ ابراہیم نے کہا میرا مطلب پورا نہ ہوا اب میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ دربان رونے لگا اسے رخصت کیا اور اس کا سامان خود لے کر کشتی میں رکھا۔

کشتی میں بیٹھ کر ابراہیم اس جگہ پہنچا جہاں جمیلہ نے کہا تھا کہ میرا انتظار کیجیو۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو وہ اس بھیس میں آئی کہ لباس جنگی سپاہی کا تھا' داڑھی گول اور کمرے سے پٹی بندھی ہوئی تھی' ایک ہاتھ میں تیر کمان اور دوسرے میں ننگی تلوار۔ آتے ہی اس نے کہا کیا تو ہی مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہے؟ ابراہیم بولا ہاں! میں

ہی ہوں۔ اس نے کہا تیری کیوں شامت آئی ہے کہ امیر زادوں کو بگاڑنے آیا ہے؟ چل والی تجھے بلاتا ہے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں غش کھا کر گر پڑا اور ملاح مارے ڈر کے مرنے کے قریب ہو گئے۔ میری یہ حالت دیکھ کر اس نے داڑھی اتار' تلوار پھینک دی' پٹی کھول ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ وہ جمیلہ ہے اور کہنے لگی خدا کی قسم



تو نے میرا دل پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد میں نے ملاحوں سے کہا جلدی سے چل کھڑے ہو۔ انھوں بادبان کھولے اور تیز تیز روانہ ہو گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہم بغداد پہنچ گئے دیکھا کہ کنارے پر ایک کشتی کھڑی ہے اس کے ملاح ہمارے ملاحوں کو دیکھ کر کہنے لگے مبارک ہو کہ تم صحیح سلامت لوٹ آئے۔ ملاح وہ کشتی بڑھا کر ہماری کشتی کے پاس لے آئے۔ ہم نے دیکھا کہ اس میں ابوالقاسم صندلانی بیٹھا ہوا ہے۔ ہمیں دیکھ کراس نے کہا بس یہی میرا مقصد تھا۔ جاؤ خدا کو سونپا۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ اس کے بعداس نے کہا شکر ہے خدا کا تو صحیح سلامت آ گیا۔ کیا تیرا مقصد پورا ہو گیا؟ میں نے کہا ہاں! اس نے وہ شمع جو اس کے پاس تھی ہمارے آگے کی اسے دیکھتے ہی جمیلہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ صندلانی نے اسے دیکھ کر کہا جاؤ خدا کو سونپا' میں والی کے ایک کام سے بصرے جا رہا ہوں لو یہ میری طرف سے ہدیہ۔
اور اس نے ایک پٹاری حلوے کی نکالی اور ہماری کشتی میں پھینک دی۔ اس حلوے میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے کہا اے میری آنکھ کے تارے! کھا۔ وہ رونے لگی اس نے کہا اے ابراہیم! تو جانتا ہے کہ یہ کون ہے؟ وہ بولا ہاں' یہ فلاں شخص ہے۔
لڑکی نے کہا یہ میرا چچیرا بھائی ہے' ایک بار اس نے میرے ساتھ شادی کا پیغام بھیجا تھا میں نے قبول نہیں کیا۔ اب وہ بصرے جا رہا ہے ضرور میرے باپ کو خبر کرے گا۔ میں نے کہا اے میرے آقا! اس کے بصرے پہنچنے سے پہلے ہم موصل پہنچ چکے ہوں گے لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ غیب میں ان کے لیے کیا پوشیدہ ہے۔
میں نے حلوا کھایا ابھی وہ پیٹ میں بھی نہ اترا ہو گا کہ میرا سر جا کر زمین سے جا

ٹکرایا۔ صبح ہوئی تو مجھے چھینک آئی اور بھنگ میری ناک سے نکل پڑی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ میں ننگا ایک کھنڈر میں پڑا ہوں' اپنا منہ پیٹنے لگا اور دل میں کہا کہ یہ صندلانی کا فریبہ ہے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جاؤں' سوائے پاجامے کے میرے بدن ایک دھجی نہ تھی۔ میں اٹھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا کیا دیکھتا ہوں کہ والی میری طرف چلا آ رہا ہے اس کے ساتھ اور لوگ ہیں۔ تلواریں اور ڈھالیں لیے ہوئے۔ ایک حمام کا کھنڈر دیکھ میں وہاں چھپ گیا۔ اتنے میں میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا میں نے اسے ٹٹولا تو میرے ہاتھ خون میں لتھڑ گئے۔ میں نہیں پاجامے سے پونچھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو وہ ایک مقتول پر جا پڑا اس کا سر میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اسے پھینک دیا لاحول..... پڑھنے لگا اور حمام کے ایک کونے میں جا کر چھپ رہا۔ اس اثناء میں والی حمام کے دروازے پر آ کر ٹھہر گیا اور کہنے لگا اس کے اندر جا کر تلاش کرو اور دس آدمی مشعلیں لے کر اندر آئے۔ ڈر کے مارے میں ایک دیوار کے پیچھے جا چھپا دیکھا کہ مقتول ایک لڑکی ہے۔ چودھویں رات کی طرح خوب صورت اس کا سر ایک طرف پڑا ہے اور دھڑ دوسری طرف۔ وہ قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ اسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگا والی نے اندر آ کر کہا ہر کونے میں ڈھونڈو۔ اب وہ اس جگہ آ گئے جہاں میں تھا اور ایک شخص کی نظر مجھ پر پڑ گئی اس کے ہاتھ میں ڈیڑھ بالشت کا ایک خنجر تھا۔ جب وہ میرے پاس پہنچا تو کہنے لگا پاک ہے وہ ذات جس نے اس خوبصورت مکھڑے کو پیدا کیا۔ اے لڑکے! تو کہاں سے آیا ہے؟ اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اے لڑکے! تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے نہیں قتل کیا ہے۔ مجھے تو اس کے قاتل کی خبر تک نہیں۔ میں تو یہاں تمہارے ڈر کے مارے آ چھپا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اسے سارا قصہ سنا دیا اور کہا خدا کے لیے میرے اوپر ظلم نہ کر' میں خود اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس نے مجھے لے جا کر والی کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں پر خون کے نشان ہیں تو کہنے لگا اس کے لیے

اب کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں اس کی گردن اڑا دو۔

○○○

- نو سو انسٹھ ویں رات

نو سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ والی کہنے لگا اس کی گردن اڑا دو۔ یہ سن کر میں رونے لگا' میرے آنسو بہنے لگے اور ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ میری یہ حالت جو دیکھی تو جلاد کا دل پسیج گیا اس نے کہا خدا کی قسم یہ قاتل کا چہرہ نہیں ہے۔ والی بولا اڑا دو اس کی گردن۔ مجھے قتل کی چٹائی پر بٹھایا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی' جلاد نے تلوار لے کر والی سے اجازت مانگی اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے میں ہائے پردیس چلانے لگا اتنے میں چند سوار آ پہنچے اور ان میں سے ایک کہنے لگا اسے جانے' اے جلاد! اپنا ہاتھ روک لے۔ اپنا ہاتھ روک لے۔ اس کا ایک عجیب و غریب سبب تھا وہ یہ کہ مصر کے عامل خصیب نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنے حاجب کو بھیجا تھا اس کے ساتھ تحفے تحائف کر کے لکھا تھا کہ میرا بیٹا ایک سال سے غائب ہے میں نے سنا ہے وہ بغداد میں ہے اس لیے میں خلیفہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مہربانی فرما کر اسے تلاش کرے اور حاجب کے ساتھ میرے پاس بھیج دے۔ خط پڑھ کر خلیفہ نے والی سے کہا اسے تلاش کر۔ والی اور خلیفہ اس کی تلاش میں تھے کہ انہیں خبر ملی وہ بصرے میں ہے اور خلیفہ نے ایک خط لکھ کر مصری حاجب کے ہاتھ بصرے روانہ کیا۔ حاجب کو اپنے آقا کے بیٹے کا اتنا خیال تھا کہ وہ فوراً چل کھڑا ہوا اس نے دیکھا کہ وہ والی کے پاس مقتولوں کی چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ حاجب کو دیکھتے ہی والی گھوڑے سے اتر پڑا حاجب نے پوچھا یہ کون لڑکا ہے؟ حاجب کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ وہ عامل کا بیٹا ہے اس نے کہا کہ یہ تو قاتل کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا اور حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں۔ جب لڑکا حاجب کے سامنے آیا تو وہ پہچان نہ سکا' مصیبت نے اس کی خوبصورتی بدل دی۔ حاجب نے کہا اے لڑکے! اپنا حال بیان کر اور یہ مقتول لڑکی تیرے قریب کیسی

ہے؟
لیکن ابراہیم حاجب کو دیکھ کر پہچان گیا اور کہنے لگا بھلے مانس! تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ کیا میں تیرے آقا کا بیٹا ابراہیم نہیں ہوں؟ غالباً تو میرے ہی کھوج میں آیا ہے۔ حاجب نے اسے غور سے دیکھ کر پہچان لیا اور اس کے قدموں پر گر پڑا۔ والی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور حاجب اس سے کہنے لگا ظالم' ستیاناس ہو تیرا' کیا تو مصر کے عامل میرے آقا خصیب کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ والی نے حاجب کا دامن چوم کر کہا اے میرے مولا! میں اسے کیونکر پہچان سکتا جبکہ وہ اس حالت میں تھا اور لڑکی قتل کی ہوئی اس کے پاس پڑی تھی۔ حاجب بولا ستیاناس ہو تیرا! اس لڑکے کی عمر پندرہ برس کی ہے اور ابھی تک اس نے ایک چڑیا کو بھی نہیں مارا پھر وہ انسانوں کو کیونکر قتل کر سکتا ہے؟ تو نے اس سے سارا ماجرا پوچھا بھی یا نہیں؟ والی اور حاجب دونوں نے سپاہیوں سے کہا قاتل کو ڈھونڈو اور وہ دوبارہ حمام کے اندر گئے' قاتل ان کی نظر پڑ گیا وہ اسے پکڑ کر والی کے پاس آئے۔ والی اسے خلیفہ کے پاس لے گیا اور اس سے ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ لڑکی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے اور کہا خصیب کے بیٹے کو حاضر کرو۔

ابراہیم خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو وہ مسکرایا اور کہنے لگا اپنا قصہ بیان کر۔ ابراہیم نے شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ خلیفہ کو بڑا افسوس ہوا اور اس نے مسرور کو بلا کر کہا فوراً ابوالقاسم صندلانی کے گھر پر دھاوا بول دے۔ اسے اور لڑکی کو لے آ۔ مسرور نے جا کر دیکھا کہ لڑکی اپنے بالوں میں بندھی پڑی ہے اسے کھول کر صندلانی کے ساتھ خلیفہ کے پاس لے آیا۔ رشید لڑکا کا حسن دیکھ کر دنگ ہو گیا اور حکم دیا کہ صندلانی کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو جن سے اس نے اس لڑکی کو مارا ہے اور پھر اسے سولی پر چڑھا دو اس کی تمام نقدی اور جائیداد ابراہیم کو دے دو۔ اتنے میں جمیلہ کا باپ ابواللیث جو بصرے کا عامل تھا آ پہنچا تا کہ وہ خلیفہ سے خصیب کے بیٹے کی شکایت کرے کہ اس کی بیٹی کو بھگا لے گیا ہے۔ رشید بولا اسی کی وجہ سے تو وہ تکلیف

اور قتل سے بچ گئی۔ پھر اس نے ابراہیم کو بلوایا اور ابواللیث سے کہا کیا تو راضی ہے کہ یہ لڑکا جو مصر کے عامل کا بیٹا ہے تیری بیٹی کا شوہر بن جائے؟ اس نے جواب دیا خدا کا اور تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کر دونوں کا نکاح کرا دیا اور ابراہیم بن خصیب کو صندلانی کا سارا مال دے کر اس کے وطن بھجوا دیا۔ دونوں بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں۔



## ○ معتضد باللہ اور ابوالحسن خراسانی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------- معتضد باللہ بڑا عالی ہمت اور شریف النفس انسان تھا' محض بغداد میں اس کے چھ سو وزیر تھے اور لوگوں کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ ایک روز وہ اور ابن حمدون رعایا کی سیر کرنے نکلے تاکہ دیکھیں کہ کیا نئی باتیں پیش آتی ہیں لیکن گرمی اتنی تیز پڑ رہی تھی کہ وہ سڑک کو چھوڑ کر ایک گلی میں پھر گئے' انہوں نے دیکھا کہ گلی کے صدر میں خوبصورت اور بلند ایک حویلی ہے جس سے حویلی کے مالک کی تعریف ٹپکتی ہے۔ دونوں دروازوں پر ستانے کی غرض سے ٹھہر گئے اتنے میں اندر سے دو نوکر نکلے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے ایک دوسرے سے کہنے لگا کاش ایک اور مہمان آ گیا ہوتا کیونکہ ہمارا آقا بغیر دو مہمانوں کے کھانا نہیں کھاتا اور اس وقت تک مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر خلیفہ کو تعجب ہوا وہ کہنے لگا ثابت ہوتا ہے کہ مکان والا بڑا سخی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اندر چل کر اس کی مروت کا تجربہ کریں' ممکن ہے کہ اس وجہ سے وہ ہمارے انعام کا مستحق ہو جائے۔ اب اس نے غلام سے کہا اپنے آقا سے جا کر کہہ کہ چند پردیسی اندر آنا چاہتے ہیں۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ جب وہ اپنی رعیت کی سیر کرنے جاتا تو تاجروں کا بھیس بدل لیتا۔
نوکر نے اندر جا کر خبر دی اس کا آقا خوش ہو کر خود باہر نکل آیا تھا دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ نیشاپوری قمیض پہنے ہوئے اس کی قباء سنہری ہے' وہ عطر میں بسا ہوا ہے اور اس کی انگلی میں یاقوت کی ایک انگوٹھی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ بولا آقاؤں! خوش آمدید! تم نے قدم رنجہ فرما کر مجھ پر بڑا احسان کیا' مکان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اپنا گھر بھول گئے کیونکہ وہ جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

# • نو ساٹھ ویں رات

نو سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ اندر جا کر اپنے گھر بار کو بھول گیا کیونکہ وہاں ایک باغ تھا جس میں ہر قسم کے درخت تھے۔ اور تمام کمروں میں قیمتی فرش بچھے ہوئے۔ معتضد بیٹھ کر مکان اور فرش کو غور سے دیکھنے لگا۔ ابن حمدون کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا خلیفہ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا خدا خیر کرے آج وہ ناراض معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں لوگ ایک سونے کا تشت لائے ہم نے ہاتھ دھوئے پھر انہوں نے ایک ریشمی چادر بچھا کر اس پر خیز ران کا دسترخوان لگایا۔ جب رکابیوں پر سے سر پوش اٹھائے گئے تو کھانے اس طرح رکھے ہوئے تھے جیسے بہار کے پھول بہترین زمانے میں۔ اب مکان کے مالک نے کہا اے آقاؤ! بسم اللہ! بھوک میرے چٹکیاں لے رہی ہے' مجھ پر مہربانی کر کے کھانا شروع کرو۔ جیسے بزرگ لوگ کیا کرتے ہیں۔ مکان کا مالک مرغیوں کے ٹکڑے کر کے ہمارے آگے سرکاتے ہوئے مذاق کرتا' اشعار پڑھتا' کہانیاں سناتا اور مجلس کی شان کے لائق لطیفے بیان کرتا جاتا۔ ابن حمدون کا بیان ہے کہ ہم کھا پی کر ایک دوسرے کمرے میں گئے جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو گئی جہاں نفیس خوش بوئیں مہک رہی تھیں وہاں اس نے ہمارے آگے عمدہ عمدہ پھل اور مٹھائیاں رکھیں لیکن باوجود ان تمام باتوں کے خلیفہ کی تیوری برابر چڑھی رہی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ ہنسی مذاق کو بہت پسند کرتا ہے اور یہ بھی کہ اس میں نہ حسد کا مادہ ہے نہ ظلم کا۔ اس کے بعد چاندی اور بلور کے برتنوں میں شراب لائی گئی' مکان کے مالک نے خیزران کی چھڑی ایک کمرے کے دروازے پر ماری' دروازہ کھلا اس میں سے تین باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی لڑکیاں نکلیں' ان کا چہرہ ایسا تھا جیسے چوتھے پہر کا سورج۔ ایک ستار بجانے والی دوسری رباب بجانے والی اور تیسری

ناچنے والی۔

ابن حمدون کا بیان ہے کہ اس نے ہمارے اور تینوں لڑکیوں کے بیچ میں ایک زربفت کا پردہ ڈال دیا جس کی جھالر ریشم کی تھی اور حلقے سونے کے۔ خلیفہ ان میں سے کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوا اور نہ مکان والے کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا مہمان کون ہے۔ بالآخر خلیفہ نے اس سے پوچھا کیا تو امراء میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں سوداگر ہوں' لوگ مجھے ابو الحسن علی بن احمد خراسانی کہتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا اور تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ بولا خدا کی قسم میں تم دونوں بزرگوں میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ ابن حمدون نے کہا یہ امیر المومنین معتضد باللہ متوکل علی اللہ کا پوتا ہے۔ اتنا سنتے ہی وہ شخص اٹھا' خلیفہ کے آگے زمین چومی' مارے ڈر کے کانپنے لگا اور کہا امیر المومنین! تجھے میں تیرے پاک بزرگ کا واسطہ دیتا ہوں اگر مجھ سے کوئی تقصیر یا بے ادبی سرزد ہوئی ہو تو معاف کیجیو۔ خلیفہ نے کہا جو بھلائی تو نے ہمارے ساتھ کی ہے اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی لیکن جو بات مجھے ناپسند ہے اس کے متعلق اگر تو نے سچ سچ کہہ دیا اور میری سمجھ میں آ گیاتو تیری خیریت ہے اور اگر تو نے ٹھیک بات نہ کہی تو میں ظاہری حالت پر فیصلہ کر کے اتنی سخت سزا دوں گا کہ کسی کو بھی نہ دی ہو گی۔ اس نے کہا خدا نہ کرے کہ میں تجھ سے جھوٹ بولوں لیکن اے امیر المومنین! بتا تو سہی کہ میری کونسی بات تجھے ناپسند ہے؟ خلیفہ بولا جب سے میں تیرے ہاں آیا ہوں میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہر برتن' فرش اور زیب و زینت کی تمام چیزوں یہاں تک کہ تیرے کپڑوں پر بھی میرے دادا متوکل علی اللہ کا نام ہے۔ اس نے کہا درست ہے اے امیر المومنین! خدا تیری مدد کرے! سچائی تیرا لباس ہے' صدق تیری چادر اور کسی کی یہ ہمت نہیں کہ تیرے آگے سچ کے علاوہ کچھ کہہ سکے۔ خلیفہ نے کہا بیٹھ جا جب وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ بولا ب کہہ۔

اس نے کہا امیر المومنین! سن بغداد میں نہ مجھ سے زیادہ مال دار کوئی شخص تھا نہ میرے

باپ سے۔ اب اس کا سبب سن جس کی وجہ سے تو مجھ سے ناراض ہے۔ میرے باپ کا کاروبار صراف‘ عطار اور بزاز بازاروں میں تھا‘ ان تمام جگہوں میں اس کی دکانیں تھیں جہاں اس کے وکیل اور سامان رہا کرتا۔ صراف بازار والی دکان کے اندر ایک کمرہ تھا جس میں وہ لوگوں سے تنہائی میں ملا کرتا اور دکان خرید و فروخت کے لیے تھی۔ اس کے مال و دولت کی نہ حد تھی نہ شمار اور میں اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ مجھے بہت چاہتا‘ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے بلا کر وصیت کی کہ ماں کی خبر گیری رکھیو اور خدا سے ڈرتا رہیو۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ! خدا امیر المومنین کو قائم رکھے۔ اب میں کھانے پینے اور مزے اڑانے لگا‘ یار دوستوں کی صحبتوں میں پڑ گیا۔ ماں مجھے برابر منع کرتی رہی لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی یہاں تک کہ سارا مال ختم ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایک ایک کر کے جائیدادیں بیچنی شروع کر دیں اور سوائے اس گھر کے جس میں میں رہتا تھا کچھ باقی نہ رہا۔ اے امیر المومنین! وہ بڑا خوبصورت مکان تھا‘ میں نے اپنی ماں سے کہا اسے میں بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! اگر تو اسے بھی بیچ ڈالے گا تو لوگوں میں بدنامی ہو گی اور تیرے رہنے کے لیے کوئی گھر باقی نہ رہے گا۔ میں نے کہا وہ پانچ ہزاد دینار میں بکے گا میں ایک دوسرا مکان ایک ہزاد دینار میں خرید کر باقی سے تجارت کروں گا۔ ماں نے ایک صندوق کھول کر اس میں سے ایک چینی کا پیالہ نکالا جس میں پانچ ہزار دینار تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا گھر سونے سے بھرا ہوا ہے۔ ماں نے کہا بیٹا! یہ گمان نہ کیجیو کہ یہ مال تیرے باپ کا ہے۔ خدا کی قسم بیٹا! یہ میرے باپ کا مال ہے اور میں نے اسے اس لیے اٹھا رکھا تھا کہ برے وقت کام آئے۔ جب تک تیرا باپ زندہ تھا مجھے اس مال کی ضرورت نہیں پڑی اس وقت میں مال دار تھی۔

اے امیر المومنین! میں نے دام اس سے لے لیے اور پہلے کی طرح گلچھرے اڑانے لگا وہ پانچ ہزار دینار بھی خرچ ہو گئے۔ میں نے دوبارہ ماں سے کہا کہ میں اس گھر

کو بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! میں نے منع کیا تھا کہ نہ بیچ کیونکہ میں جانتی تھی کہ اس کی تجھے ضرورت ہے۔ اب تو دوبارہ اسے کیسے بیچ سکتا ہے؟ میں نے کہا زیادہ باتیں نہ بنا۔ میں اسے بیچ کر رہوں گا۔اس نے کہا کہ میں پندرہ ہزار دینار میں خریدتی ہوں بہ شرطے کہ میں خود تیرا انتظام کروں۔ میں نے اس شرط پر اس کے ہاتھ مکان بیچ دیا۔ اس نے باپ کے وکیلوں کو بلا کر ہر ایک کو ایک ایک ہزار دینار دیئے' سارا مال اپنے قبضے میں رکھا' خود لین دین کرنے لگی اور مجھے کچھ دام دے کر کہا اس سے تجارت کر اور اپنے باپ کی دکان پر جا کر بیٹھ۔ امیر المومنین! جیسا میری ماں نے کہا تھا میں نے کیا' اور صراف بازار میں جا کر دکان کھول دی' خوب کمائی ہونے لگی۔ میری یہ حالت دیکھ کر ماں نے تمام ہیرے' جواہرات' موتی اور سونا دکھا دیا جو اس نے جمع کر رکھا تھا۔ اب میری تمام جائیدادیں واپس آ گئیں۔ جو میں نے اڑا دی تھیں اور میں پہلے کی طرح مال دار ہو گیا۔ امیر المومنین!ایک دن جب کہ میں دکان پر بیٹھا تھا ایک لڑکی ائی جس سے زیادہ حسین کسی کی نظر سے نہ گزری ہو گی اور کہنے لگی ابو الحسن علی بن احمد خراسانی کی دکان یہی ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا میں ہوں۔ لیکن اے امیر المومنین! اس کا حسن دیکھ کر میری عقل دنگ تھی' وہ بیٹھ گئی اور مجھ سے کہا اپنے غلام سے کہہ مجھے تین سو دینار تول دے۔ میں نے تول دیئے وہ انہیں لے کر چل دی اور میں ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔ غلام نے مجھ سے پوچھا تو اسے پہچانتا ہے؟ میں بولا نہیں۔ اس نے کہا پھر تو نے مجھ سے کیوں کہا کہ اسے تول دے؟ میں نے جواب دیا اس کے حسن و جمال سے میں اتنا بد حواس ہو گیا تھا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں نے کیا کیا۔ بغیر مجھ سے کچھ کہے۔ غلام اس کے پیچھے ہو لیا' تھوڑی دیر کے بعد لوٹا تو اس کے آنسو نکل رہے تھے اور منہ پر تھپڑ کا نشان تھا۔ میں نے پوچھا خیریت توہے؟ اس نے کہا میں لڑکی کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا کہ دیکھوں وہ کہاں جاتی ہے لیکن جوں ہی اسے یہ معلوم ہوا اس نے پھر کر اس زور سے میرے طمانچہ مارا کہ قریب تھا میری آنکھ نکل پڑے۔ اے

امیر المومنین! اس کے بعد ایک مہینے تک میں اس کی راہ دیکھتا رہا' وہ نہ دکھائی دی۔ چاند رات کے دن وہ پھر آئی اور سلام کیا' مارے خوشی کے میں باغ باغ ہو گیا۔ اس نے میری خیریت پوچھی کہنے لگی شاید تو نے اپنے دل میں کہا ہو گا کہ یہ کون دغاباز عورت تھی جو میرے دام لے کر چلتی بنی۔ میں نے جواب دیا اے میری آقا! میرا مال اور میری جان دونوں تیرے ہیں۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دی اور ستانے کی غرض سے بیٹھ گئی اس کا لباس اور گہنا اس کے چہرے اور سینے پر کھلنے لگا اس نے کہا میرے لیے تین سو دینار اور تول دے' مجھے ضرورت ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس سے پوچھوں آخر کس بات پر میں تجھے دام دوں لیکن اس کی محبت کی وجہ سے میری زبان بند ہو گئی۔ میں نے چپکے سے پانچ سو دینار تول کر اسے دے دیئے اور وہ لے کر چل دی۔ اب میں خود اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا میں نے دیکھا کہ جوہری بازار پہنچ کر اس نے ایک شخص سے ایک ہار خریدا اور پلٹ کر مجھ سے کہا پانچ سو دینار مجھے تول دے جب ہار والے کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے اٹھ کر میری تعظیم کی اور میں نے اس سے کہا اسے ہار دے دے' دام میں دوں گا۔ اس نے ہار دے دیا اور لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو اکسٹھ ویں رات

نو سو اکسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی۔ ابو الحسن خراسانی کہتا ہے کہ میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا دیکھا



کہ وہ دجلے پہنچ کر ایک کشتی پر جا بیٹھی۔ میں نے زمین کی طرف اشارہ کیا گویا میں اس کے آگے زمین چومتا ہوں لیکن وہ ہنستی ہوئی چل دی۔ میں اسے برابر دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک محل میں داخل ہو گئی' غور سے دیکھنے پر مجھے یہ پتہ چلا کہ وہ خلیفہ متوکل کا محل ہے۔ اے امیر المومنین! اب میں وہاں سے لوٹا اور اپنے دل میں کہنے لگا وہ میرا مال بھی لے گئی اور عقل بھی اور اب میری جان بھی اس کی محبت میں چلی جائے گی۔ گھر جا کر میں نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا۔اس نے کہا بیٹا! خبردار! اب اس سے کوئی واسطہ نہ رکھیو ورنہ تو تباہ ہو جائے گا۔ جب میں دکان پر پہنچا تو میرا عطار بازار والا وکیل آیا جو بہت بوڑھا تھا اور کہنے لگا اے میرے آقا! تیری حالت متغیر کیوں ہے؟ میں نے سارا ماجرا بیان کیا وہ کہنے لگا بیٹا! یہ کنیز خلیفہ کی چہیتی کنیز ہے اب تک وہ جو تیرا مال گیا اس کا دھیان دل سے نکال ڈال اور اگر وہ پھر آئے تو خبردار! اسے منہ نہ لگائیو اور مجھے اس کی خبر کیجیو تا کہ میں کوئی تدبیر نکالوں جس سے تیری جان بچے۔ جب چاند رات ہوئی تو وہ پھر آئی میں اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا' اس نے پوچھا تو نے میرا پیچھا کیوں کیا تھا؟ میں نے کہا عشق کی زیادتی کی وجہ سے۔ یہ کہہ کر میں اس کے سامنے رونے لگا اس پر اسے اتنا ترس آیا کہ وہ بھی رو پڑی اور کہنے لگی جتنی محبت تیرے دل میں میری طرف سے ہے اس سے زیادہ میرے دل میں تیری طرف سے ہے۔ لیکن کیا کرنا چاہیے؟ میرے اختیار میں اس سے زیادہ نہیں تجھے مہینے میں ایک بار آ کر دیکھ جایا کروں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک پرچہ مجھے دیا کہ اسے فلاں جگہ فلاں شخص کے پاس لے جا' وہ میرا وکیل ہے اور جو کچھ

اس میں لکھا ہے اس سے لے لے۔ میں بولا مجھے کسی مال کی حاجت نہیں بلکہ میرا جان و مال تجھ پر قربان ہے۔ اس نے کہا میں جلد کوئی نہ کوئی اس کی تدبیر نکالوں گی کہ تیری پہنچ مجھ تک ہو جائے خواہ اس میں مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔



یہ کہہ کر وہ مجھ سے رخصت ہوئی۔ میں نے بوڑھے عطر فروش کو یہ قصہ بھی جا سنایا۔ وہ مجھے متوکل کے محل تک لے گیا میں نے دیکھا کہ یہ وہی محل جہاں لڑکی گئی تھیں۔ بوڑھا پریشان تھا کہ کیا تدبیر نکالے اتنے میں اس کی نظر ایک درزی پر پڑی جس کی دکان محل کے جھروکے کے سامنے تھی اور جس میں کئی شاگرد کام کر رہے تھے۔ بوڑھے نے کہا بس اسی سے تیرا مقصد پورا ہو گا لیکن اپنا گریبان پھاڑ ڈال اور جا کر اس سے کہہ کہ اس سے کہہ' سی دے۔ جب وہ سی دے تو اسے دس دینار دیجیو۔ میں درزی کے پاس دو رومی زربفت کے ٹکڑے لے گیا اور کہا ان کی چار صدریاں سی دے' دو لمبی اور دو چھوٹی آستینوں والی۔ جب اس نے صدریاں سی کر تیار کر دیں تو میں نے اس کی مزدوری سے کئی گنے زیادہ دام دیئے اور اس سے کہا یہ صدریاں اپنے لیے رہنے دے۔ اب میں اس کی دکان پر دیر تک بیٹھا رہنے لگا۔ اس کے بعد اس سے اور بہت سے کپڑے سلوائے اور کہا کہ انھیں دکان کے آگے لٹکا دے تاکہ لوگ انھیں دیکھ کر خریدیں۔ جو کوئی خلیفہ کے محل میں سے آتا اور کسی کپڑے کو پسند کرتا میں اسے بے دام دے دیتا یہاں تک کہ دربان کو بھی کئی کپڑے دے دیئے۔ ایک دن درزی کہنے لگا بیٹا! مہربانی کر کے یہ تو بتا کہ تیرا قصہ کیا ہے' تو نے سو کے قریب کپڑے مجھ سے سلوائے ہیں جن میں ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی ہے اور اکثر ان میں سے تو نے لوگوں کو مفت دے دیئے۔ یہ تاجروں کا کام نہیں وہ تو ایک ایک درہم گن کر رکھتے ہیں۔ تیری پونجی کتنی ہے کہ تو اس قدر بخششیں کرتا اور سال میں تیری کتنی آمدنی ہے؟ سچ سچ کہہ دے تاکہ میں تیری مطلب برآری میں کوشش کروں۔ اس کے بعد وہ بولا تجھے خدا کی قسم سچ بتا کسی پر عاشق تو نہیں؟ میں نے کہا

ہاں! اس نے پوچھا کس پر؟ میں نے کہا خلیفہ کے محل کی ایک کنیز پر۔ وہ بولا ستیاناس کرے خدا ان کا! کتنے لوگوں کو انہوں نے پریشان کر رکھا ہے تو اس کا نام جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا اس کا حلیہ بیان کر۔ جب میں نے اس کا حلیہ بیان کیا تو وہ کہنے لگا ستیاناس ہو اس کا! وہ خلیفہ متوکل کی چہیتی ستار بجانے والی کنیز ہے لیکن اس کا ایک غلام ہے' میں تیرے اور اس کے درمیان دوستی کرا دوں گا ممکن ہے اس کے ذریعے سے تیری رسائی ہو جائے۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہی غلام آ پہنچا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چودہویں رات کا چاند نکل آیا۔ اس وقت میرے سامنے رنگ برنگ زربفت کے کپڑے تھے جو درزی نے میرے لیے سیئے تھے' غلام انہیں غور سے دیکھنے لگا پھر آگے بڑھ کر میرے پاس آیا۔ میں نے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا تاجر۔ اس نے کہا کیا یہ کپڑے بیچتا ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں! اس نے پانچ کپڑے پسند کر کے پوچھا ان پانچ کے کیا دام ہیں؟ میں نے کہا مفت نذر ہیں تا کہ تیرے اور میرے درمیان دوستی ہو جائے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گیا پھر میں گھر جا کر اس کے لیے ایک اور لباس لے آیا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے جس کی قیمت تین ہزار دینار تھی اور اس کے پاس لے گیا' اور کہا تاجروں میں تو کس نام سے مشہور ہے؟ میں نے کہا ایک تاجر کے نام سے۔ اس نے کہا' تو نے مجھے شک میں ڈال رکھا ہے۔ میں نے کہا' یہ کیسے؟ وہ بولا' تو نے مجھے اتنی بیش بہا چیزیں دیں کہ میرے دل پر قبضہ کر لیا اور مجھے یقین ہے کہ تو ابو الحسن خراسانی صراف ہے۔ اے امیر المومنین! یہ سن کر میں رونے لگا۔ اس نے کہا کیوں روتا ہے؟ واللہ جس کی خاطر تو رو رہا ہے اس کے دل میں تیری طرف سے اتنی محبت ہے کہ تیرے دل میں بھی اس کی طرف سے نہ ہو گی اور محل کی کنیزوں میں تم دونوں کا ماجرا پھیل گیا ہے۔ اس نے دوسرے دن کا وعدہ کیا اور میں گھر چلا گیا۔ دوسرے دن صبح سویرے میں اس کے کمرے میں گیا اس نے کہا کل جب وہ خلیفہ کی خدمت سے لوٹی تو میں نے اس سے تیرا سارا قصہ بیان کیا اور وہ تجھ سے

ملنا چاہتی ہے۔ شام تک یہاں ٹھہرا رہ جب شام ہوئی تو غلام ایک قمیص لایا جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور خلیفہ کے پہننے کی ایک پوشاک۔ مجھے یہ دونوں چیزیں



پہنا کر اس نے خوشبوؤں کی دھونی دی اور میں ہو بہ ہو خلیفہ کی طرح ہو گیا اس کے بعد وہ مجھے ایک جگہ لے گیا جہاں دو رویہ کمرے تھے اور کہنے لگا یہ خاص کنیزوں کے کمرے ہیں جب تو یہاں سے گزرے تو ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھ دیجیو خلیفہ ہر رات ایسا ہی کرتا ہے۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو باسٹھ ویں رات



نو سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ غلام نے کہا کہ پھلیاں رکھتے رکھتے تو کمروں کی ایک اور قطار پر پہنچے گا جو تیرے داہنی طرف ہو گی۔ وہاں تجھے ایک کمرہ ملے گا جس کا دروازہ مرمر کا ہو گا' اسے اپنے ہاتھ سے چھوئیو اور اندر داخل ہو جائیو وہیں تیری محبوبہ تجھے مل جائے گی۔اب رہا وہاں سے باہر آنا تو خدا یہ بھی میرے لیے آسان کر دے گا خواہ تجھے صندوق ہی میں بند کر کے کیوں نہ لانا پڑے۔ یہ کہہ کر وہ تو چل دیا میں دروازے گنتے اور ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھنے لگا جب میں کمروں کے بیچ میں پہنچا تو مجھے شور و غل سنائی دیا اور شمعوں کی روشنی بڑھتے بڑھتے میرے پاس تک پہنچ گئی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ خلیفہ ہے اور اس کے اردگرد شمعیں لیے ہوئے کنیزیں۔ میں نے ایک کنیز کو دوسری سے کہتے سنا بہن! کیا ہمارے دو خلیفہ ہیں؟ ایک خلیفہ تو ابھی میرے کمرے کے پاس سے گزرا تھا' مجھے عطر کی خوشبو آئی تھی اس نے میرے دروازے پر دستور کے موافق پھلی بھی رکھی اب مجھے پھر خلیفہ کی شمعوں کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری کنیز نے کہا یہ عجیب و غریب بات ہے کیونکہ یہ کسی کی ہمت نہیں کہ وہ خلیفہ کے کپڑے پہنے جب روشنی میرے قریب پہنچی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' اتنے میں ایک غلام نے پکار کر کہا کنیزو! اس طرف آؤ' وہ سب ایک کمرے میں داخل ہو گئیں اور وہاں سے نکل کر میری محبوبہ کے کمرے کے پاس پہنچیں۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کس کا کمرہ ہے؟ انہوں نے کہا شجرہ الدر کا۔ خلیفہ بولا اسے بلاؤ اور اس نے نکل کر خلیفہ کے قدم لیے۔

خلیفہ نے شجرہ الدر سے پوچھا آج رات پیے گی؟ اس نے جواب دیا اگر تیرے قدموں میں ہوں گی اور تیرا دیدار ہوتا رہے گا تو پیوں گی ورنہ آج شراب کی خواہش نہیں۔

خلیفہ نے غلام کو حکم دیا خزانچی سے کہہ کہ اسے فلاں ہار دے دے اور ساتھیوں سے کہا اس کے کمرے میں چلو۔ شجرہ الدر اندر گئی اور خلیفہ بھی اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ان کے آگے آگے ایک لڑکی تھی جس کے چہرے کی روشنی اس شمع پر غالب تھی جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب وہ میرے قریب آئی تو اس نے پوچھا' یہ کون ہے؟ اس کے بعد وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی اور کہا تو کون ہے؟ اس نے اس کے آگے زمین چومی اور کہنے لگا اے میری آقا! تجھے میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں میرا خون نہ خشک کر بلکہ میرے اوپر رحم کھا۔ یہ کہہ کر مارے ڈر کے میں رونے لگا' وہ بولی بے شک تو چور ہے۔ میں نے کہا اگر تو سچ سچ بتا دے تو میں تجھے پناہ دے دوں گی۔ میں نے کہا میں ایک ناسمجھ اور بے وقوف عاشق ہوں' عشق اور نا سمجھی نے مجھے اس بھنور میں لا پھنسایا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ جا کر زنانے کپڑے لے آئی اور مجھے پہنا کر اپنے کمرے میں لے گئی' ایک تخت پر مجھے بٹھا کر کہا ڈر نہیں کیا تو خراسانی صراف ابو الحسن نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں! بولی تیرے سچ بولنے پر خدا نے تیرا خون معاف کر دیا ورنہ تو مارا جاتا خاص کر اس وجہ سے کہ تو خلیفہ کے کپڑے پہنے ہوئے اور اس کا عطر لگائے ہوئے ہے اگر تو واقعی ابو الحسن ہے تو بے خوف ہو جا کیونکہ تو شجرہ الدر کا محبوب ہے اور وہ میری بہن ہے۔ ہمیشہ تیرا ذکر کیا کرتی ہے اس نے تیرا سارا قصہ مجھ سے بیان کیا ہے۔ جتنا تو اسے چاہتا ہے اس سے زیادہ وہ تجھے چاہتی ہے لیکن تو یہاں آیا کیسے؟ اس کے کہنے پر یا بغیر اس کے کہے تو نے اپنی جان ہلاکت میں ڈالی؟ اس سے ملنے میں تیرا کیا مقصد ہے؟

میں نے جواب دیا اے میری آقا! واللہ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا ہوں' میرا مقصد سوا اس کے کچھ نہیں کہ اسے دیکھوں اور اس کی باتیں سنوں۔ اس کے علاوہ کبھی میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی برا خیال نہیں آیا ہے۔ اس نے کہا اسی نیک نیتی کی وجہ سے خدا نے تجھے بچا لیا اور میرے دل میں تیری طرف

سے رحم ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی باندی سے کہا شجرہ الدر کے پاس جا کر کہہ' تیری بہن تجھے سلام کہتی ہے اور بلاتی ہے۔ اس کا دل گھبرا رہا ہے۔ باندی جا کر یہ جواب لائی کہ خدا تیرا سایہ میرے اوپر قائم رکھے اور میں تجھ پر قربان جاؤں اگر تو کسی اور وقت مجھے بلاتی تو میں دریغ نہ کرتی لیکن اس وقت خلیفہ کے سر کے درد کی وجہ سے میں مجبور ہوں اور تو جانتی ہے کہ وہ میری کتنی عزت کرتا ہے۔ اس نے باندی سے کہا کہ پھر جا کر اس سے کہہ کہ تجھے ضرور آنا ہو گا کیونکہ میں تجھ سے ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہوں۔ باندی جا کر اسے لے آئی۔ بہن نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا اسے گلے لگایا اور کہا اے ابو الحسن! نکل کر اس کے ہاتھ چوم۔ میں کمرے کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں تھا وہاں سے نکل آیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی' مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا اپنا ماجرا سنا۔ میں نے سارا ماجرا سنایا تو کہنے لگی مجھے افسوس ہے کہ تجھے ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائی پڑیں خیر شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت بچ گیا اور تیری سلامتی کی انتہا ہے کہ میرے اور میری بہن کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بہن سے کہا ہم نے عہد کیا ہے کہ حرام کاری نہ کریں گے لیکن چونکہ اس نے میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے اور مصیبتیں جھیلی ہیں میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو تریسٹھ ویں رات

نو سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی نے اپنی بہن سے کہا میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی۔ بہن نے جواب دیا اسی نیت کی وجہ سے خدا نے اسے نجات دی۔ لڑکی نے کہا تو دیکھ لے گی کہ میں حلال طریقے سے اس سے ملوں گی اور اس مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی جان لڑا دوں گی۔



ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ بڑا شور و غل اٹھا ہم نے دیکھا کہ خلیفہ شجرہ الدر کے کمرے میں آ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے مجھے تہہ خانے میں بند کر دیا' اوپر سے تختہ لگا دیا اور جا کر خلیفہ کا خیر مقدم کیا۔ خلیفہ آ کر بیٹھ گیا' وہ کھڑی ہو کر اس کی خدمت کرنے لگی اور حکم دیا کہ شراب لائی جائے۔ خلیفہ ایک کنیز کو بہت چاہتا تھا جس کا نام بنجہ تھا اور معتز باللہ کی ماں تھی لیکن اس کنیز نے خلیفہ کو چھوڑ رکھا تھا اور خلیفہ نے اسے۔ وہ اپنے حسن و جمال کے گھمنڈ میں متوکل سے صلح نہ کرتی اور متوکل اپنی خلافت اور بادشاہت کے زعم میں اس سے صلح نہ کرتا اور اس کے آگے نہ جھکتا۔ حالانکہ اس کی محبت اس کے دل میں شعلے مار رہی تھی تاہم اور کنیزوں سے اپنا غم غلط کرتا اور ان کے کمروں میں جاتا۔ اسے شجرہ الدر کا گانا بہت پسند تھا۔ خلیفہ نے اس سے گانے کی درخواست کی۔ شجرہ الدر نے ستار لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور میں تو اے امیر المومنین! تہہ خانے کے اندر اتنے مزے میں آ گیا کہ اگر خدا مجھ پر مہربان نہ ہوتا تو چیخ مار کر بدنام ہو گیا ہوتا۔ خلیفہ نے اس سے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ بولی مجھے آزاد کر دے اور ثواب لے۔ اس نے کہا میں تجھے خدا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ لڑکی نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی اور خلیفہ بنجہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ایک کنیز نے آگے بڑھ کر بنجہ کو خبر دی

کہ خلیفہ آ رہا ہے۔ اس نے خلیفہ کا خیر مقدم کیا اس کے آگے زمین چومی اور اس کے قدموں کو بوسہ دیا' اس طرح دونوں میں پھر ملاپ ہو گیا۔



یہ تو خلیفہ کا قصہ ہوا۔ اب شجرہ الدر کا ماجرا سنو۔ وہ خوش خوش میرے پاس دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی میں آزاد ہو گئی ہوں' یہ تیرے قدموں کی برکت ہے اگر خدا نے میری تدبیر کارگر کر دی تو میں حلال طور پر تیرے ساتھ ہو جاؤں گی۔ میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا کہ نتیجہ اچھا نکلا اور اب میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تجھے یہاں سے صحیح و سالم نکال بھی دے۔ اتنے میں لڑکی کی بہن جس کا نام فاتر تھا آ پہنچی اور کہنے لگی بہن! اب کیا تدبیر ہو کہ وہ محل سے صحیح و سالم نکل جائے؟ اس کے قدموں کی برکت سے تو آزاد ہو گئی۔ اس نے کہا سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ میں اسے زنانہ کپڑے پہنا دوں۔ اے امیر المومنین! جب میں زنانہ کپڑے پہن کر نکلا تو ابھی محل کے صحن تک پہنچا ہوں گا کہ دیکھا امیر المومنین بیٹھا ہوا ہے اور غلام اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی وہ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا اور اپنے نوکروں سے کہا اس لڑکی کو لے آؤ جو جا رہی ہے۔ جب انہوں نے میری نقاب اٹھائی تو مجھے پہچان لیا اور مجھ سے پوچھا' یہ کیا بات ہے؟ میں نے سارا کچا چٹھا سچ سچ بیان کر دیا اور کوئی بات اس سے نہ چھپائی۔ میرا بیان سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اٹھ کر فوراً شجرہ الدر کے کمرے میں گیا اور کہا تو میرے اوپر ایک سوداگر زادے کو کیونکر ترجیح دیتی ہے؟ اس نے زمین چوم کر سارا قصہ شروع سے آخر تک سنا دیا۔ اس کی گفتگو سن کر خلیفہ کا دل پسیج گیا' اسے رحم آ گیا وہ سمجھ گیا کہ عشق نے اسے مجبور کر دیا ہے اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا غلام اس کے پاس آیا اور کہنے لگا خوش ہو کر تیرے دوست نے خلیفہ سے حرف بہ حرف وہی بیان کیا ہے جو تو نے۔

وہاں سے واپس آ کر خلیفہ نے مجھے بتایا اور کہا کہ تاجر ہو کر خلیفہ کے محل میں کیوں آیا؟ میں نے کہا اے امیر المومنین اپنی جہالت' عشق اور تیرے عفو و کرم کی وجہ سے

میری ہمت پڑی۔ یہ کہہ کر میں رو پڑا اور اس کے آگے زمین چومی اس نے کہا میں نے تم دونوں کو معاف کیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا' میں بیٹھ گیا



اور اس نے قاضی احمد بن ابی داؤد کو بلا کر ہم دنوں کا نکاح پڑھوا دیا اور کہا لڑکی کا سارا سامان گھر پہنچا دیا جائے اور اس کا زنانہ میرے ساتھ اسی کے کمرے میں ہوا' تین دن کے بعد میں وہاں سے نکلا اور اے امیر المومنین! جو کچھ تو نے دیکھا اور تجھے برا لگا سب اسی کا جہیز ہے۔ اس کے بعد وہ ایک دن مجھ سے کہنے لگی تو جانتا ہے کہ متوکل بڑا شریف آدمی ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی نہ کسی روز اسے ہماری یاد آ جائے یا کوئی حاسد اسے ہماری یاد دلا دے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ ایک تدبیر کر کے اس سے بھی نجات پاؤں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا میں چاہتی ہوں کہ اس سے حج کرنے اور گانے سے تائب ہونے کی درخواست کروں۔ میں نے کہا تیری رائے بہت مناسب ہے ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ کا پیادہ اسے بلانے آیا کیونکہ وہ اس کا گانا بہت پسند کرتا تھا اور اس نے جا کر خلیفہ کی خدمت کی۔ خلیفہ نے اس سے کہا آنا جانا بند نہ کیجیو وہ بولی سر آنکھوں سے۔ ایک روز جب وہ خلیفہ کے ہاں سے لوٹی تو اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور وہ رو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگا۔ سمجھا کہ اس نے ہماری گرفتاری کا حکم دیا ہو گا۔ میں نے پوچھا کہ کیا متوکل ہم پر ناراض ہو گیا ہے؟ اس نے کہا متوکل ہے کہاں؟ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ میں نے کہا آخر کیسے؟ بتا تو سہی۔ وہ بولی وہ پردے کے پیچھے بیٹھا شراب پی رہا تھا اس کے ساتھ فتح بن خاقان اور صدقہ بن صدقہ تھے۔ اتنے میں اس کے بیٹے منتصر اور ترکوں کی ایک جماعت نے اس پر حملہ کر دیا اسے مار ڈالا۔ خوشی غم سے بدل گئی اور لطف رونے پیٹنے سے۔ یہ سنتے ہی میں لڑکی کو لے وہاں سے بھاگا۔ خدا نے ہمیں صحیح و سلامت بصرے پہنچا دیا وہاں پہنچ کر ہمیں خبر ملی کہ منتصر اور مستعین میں لڑائی ہو رہی ہے۔ میں نے اپنا سارا مال و متاع بصرے منتقل کر دیا۔ اے امیر المومنین! یہ ہے میری کہانی اس سے ایک لفظ زیادہ

نہ کم اور جو کچھ تو میرے پاس دیکھ رہا ہے اور جن پر تیرے دادا متوکل کا نام ہے وہ اسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ خوش ہو گیا اس کے بعد میں لڑکی اور اس کے بچوں کو خلیفہ کے سامنے لایا وہ ان کی خوبصورتی دیکھ کر حیران ہو گیا اور انہوں نے اس کے آگے زمین چومی۔ اب خلیفہ نے دوات قلم منگوا کر مجھے ایک پروانہ لکھ دیا کہ بیس سال ہماری جائیدادوں سے لگان نہ لیا جائے۔ خلیفہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے ابو الحسن کو اپنا مصاحب بنا لیا یہاں تک کہ موت نے انہیں الگ الگ کر دیا اور محلوں میں رہنے کے بعد وہ قبروں میں رہنے لگے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکم چلاتی اور گناہوں کو معاف کرتی ہے۔

## ○ قمرالزمان اور جوہری کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------- پرانے زمانے میں ایک تاجر تھا جس کا نام عبدالرحمان تھا‘ خدا نے اسے ایک بیٹی دی تھی اور ایک بیٹا۔ بیٹی کا نام اس نے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کوکب الصباح رکھا اور بیٹے کا اس کی خوبصورتی کے سبب قمر الزمان۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ ایسے حسین و جمیل ہیں تو اسے ڈر ہوا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے یا حاسدوں کی زبان اور مکاروں کی مکاری یا بد چلنوں کے حیلے سے انہیں نقصان پہنچ جائے اس لیے اس نے انہیں چودہ سال تک ایک محل میں بند رکھا اور سوائے ان کے ماں باپ اور خادمہ کے جو ان کی خدمت کیا کرتی تھی کسی کی نظر ان پر نہ پڑی۔ باپ نے بیٹے کو اور ماں نے بیٹی کو قرآن پڑھایا۔ یہاں تک کہ دونوں حافظ ہو گئے۔ اسی طرح سے انہوں نے خوش نویسی‘ حساب اور فنون و آداب اپنے والدین ہی سے سیکھے۔ کسی دوسرے معلم کی مدد نہ لی۔ لڑکا بالغ ہوا تو تاجر سے اس کی بیوی نے کہا آخر قمرالزمان کو کب تک لوگوں کی نظروں سے بچائے گا؟ وہ لڑکی ہے یا لڑکا؟

وہ بولا لڑکا۔ بیوی نے کہا اگر وہ لڑکا ہے تو اسے بازار لے جا کر دکان پر کیوں نہیں بٹھاتا تاکہ وہ لوگوں سے واقفیت پیدا کرے اور لوگ اس سے ملیں تو اسے خرید و فروخت سکھا، اگر تیرے ساتھ کوئی بات پیش آ جائے تو لوگوں کو معلوم ہو کہ بیٹا ہے، وہ تیرے ترکے کو اپنے قبضے میں لے سکے گا اگر اسی بے خبری میں تو مر گیا اور اس نے کہا میں تاجر عبدالرحمان کا بیٹا ہوں تو اس کی بات کا کوئی یقین نہ کرے گا۔ سب کہیں گے ہم نے تجھے کبھی نہیں دیکھا، ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا کوئی بیٹا تھا اس طرح سے تیرا مال حکام لے لیں گے اور تیرا بیٹا محروم ہو جائے گا۔ بیٹی کے متعلق بھی میں یہی چاہتی ہوں کہ لوگوں میں اس کا چرچا کروں تاکہ کوئی برابر والا اس کے نکاح کا پیغام بھیجے ہم اس کی شادی کریں اور خوشیاں منائیں۔ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو چونسٹھ ویں رات

نو سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب تاجر نے کہا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے تو اس کی بیوی بولی جسے خدا بچانا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔ آج ہی سے اسے دکان لے جا۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو نہایت نفیس کپڑے پہنائے اور وہ دیکھنے والوں کے لیے ایک فتنہ اور عاشقوں کے دل کے لیے حسرت بن گیا۔ الغرض باپ اسے لے کر بازار گیا جو کوئی اسے دیکھتا دل تھام کر رہ جاتا بڑھ کر اس کا ہاتھ چومتا اور اسے سلام کرتا باپ لوگوں کو برا بھلا کہتا کہ تم نے کیوں تماشہ لگا رکھا ہے؟ بعض کہتے کہ فلاں جگہ سورج نکلا ہے اور بازار میں چمک رہا ہے بعض کہتے فلاں طرف چودھویں رات کا چاند طلوع ہو رہا ہے بعض کہتے ہیں لوگوں کے لیے عید کا چاند نکل آیا ہے۔ یہ باتیں سن کر باپ کو بڑی شرمندگی ہوئی لیکن وہ کس کس کی زبان روکتا! اب وہ ماں کو برا بھلا کہنے لگا کیونکہ اس کی وجہ سے بیٹا باہر نکلا تھا۔ بالآخر لوگوں کی بھیڑ میں سے نکلتا ہوا دکان پر پہنچا' خود بیٹھا لڑکے کو بٹھایا' سامنے ہجوم لگا ہوا تھا جو کوئی ادھر سے گزرتا اس خوبصورت مکھڑے کو دیکھنے کے لیے دکان پر ٹھہر جاتا اس کے اردگرد اور عورتوں کا جھرمٹ لگ گیا۔



عبدالرحمان نے دیکھا کہ مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ ٹکٹکی باندھے اس کے بیٹے کو دیکھ رہے ہیں تو وہ بہت پشیمان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟

اتنے میں بازار کی طرف سے ایک سیاح درویش آتا نظر آیا۔ اس کا لباس پارساؤں کا سا تھا' وہ لڑکے کے پاس آ کر اشعار پڑھنے اور بڑے بڑے آنسو بہانے لگا' وہ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گھومتا اور اپنا داہنا ہاتھ داڑھی پر پھیرتا۔ اس نے آگے بڑھ کر لڑکے کو ایک ریحان کی چھڑی دی باپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو کچھ دام نکلے

نکال کر درویش کو دے دیئے اور کہا چلتا ہو۔
درویش نے درہم لے لیے اور دکان کی چوکی پر لڑکے کے سامنے بیٹھ گیا' اسے دیکھ دیکھ کر رونے' آہیں بھرنے لگا اور اس کے آنسو پانی کی طرح بہنے لگے۔ لوگ اسے دیکھتے اس پر فقرے کستے' کوئی کہتا درویش سارے بدکار ہوتے ہیں' کوئی کہتا کہ درویش کے دل میں لڑکے کی محبت کی آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر تاجر اٹھا اور بیٹے سے کہا چل دکان میں قفل لگا کر گھر چلیں۔ آج خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ خدا تیری ماں سے سمجھے! یہ سارا اسی کا کیا دھرا ہے۔ جب وہ گھر کی طرف چلا تو درویش اور دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ لڑکا مکان کے اندر چلا گیا تو تاجر نے درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو کیا چاہتا ہے اور کیوں رو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا اے میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ آج رات تیرا مہمان رہوں اور مہمان خدا کا مہمان ہوتا ہے۔ تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا' اندر آ۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- ## نو سو پینسٹھ ویں رات

نو سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا اندر آ۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ درویش لڑکے پر عاشق نکلا اور اس کے ساتھ بدکاری کرنی چاہی تو میں آج ہی رات کو اسے قتل کر کے چپکے سے دفن کر دوں گا اور اگر اس کی نیت بری نہ ہوئی تو مہمان اپنی قسمت کا کھاتا ہے۔ اب اس نے درویش اور قمرالزمان کو ایک ہی کمرے میں اتارا اور قمرالزمان کے کان میں کہہ دیا کہ بیٹا! جب میں چلا جاؤں تو تو درویش کے پہلو میں بیٹھ کر اس سے ہنسی مذاق کیجیو اگر وہ تجھ سے بدکاری کی خواہش کرے گا تو خاطر جمع رکھ میں محراب سے اتر کر اسے مار ڈالوں گا۔ لڑکا درویش کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو وہ درویش کے پہلو میں جا بیٹھا' درویش اسے دیکھتا آہ کھینچتا اور روتا۔ لڑکا اس سے بات کرتا تو وہ نرمی سے جواب دیتا' کانپتا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر ٹھنڈے سانس بھرنے لگتا۔ جب رات کا کھانا آیا تو درویش کھاتا جاتا اور لڑکے کو برابر دیکھتا اور روتا جاتا۔ چوتھائی رات گزر چکی تو لڑکے کے باپ نے آ کر کہا بیٹا! اپنے چچا درویش کی خدمت کیجیو اور اس کی مخالفت نہ کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ جانا چاہتا ہی تھا کہ درویش نے کہا اے میرے آقا! اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لیتا جایا تو بھی یہیں ہمارے ساتھ سو۔ وہ بولا نہیں یہ میرا بیٹا تیرے پاس سوئے گا تاکہ اگر تجھے رات میں کوئی ضرورت پڑے تو وہ اسے پورا کر دے اور تیری خدمت کرے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا' دوسرے کمرے میں جا بیٹھا اور محراب میں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

یہ تو تاجر کا قصہ ہوا۔ اب اس کے بیٹے کا ماجرا سنو۔ وہ درویش کے پاس جا کر نخرے کرنے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے لگا۔ درویش کو غصہ آ گیا کہنے لگا بیٹا! یہ کیا بات ہے؟ خدا مجھے مردود شیطان سے بچائے۔ خداوندا! ایسی بری بات تجھے ہر گز

پسند نہیں۔ بیٹا! میرے پاس سے چلا جا اب درویش لڑکے سے دور جا کر بیٹھ گیا لیکن لڑکا پھر اس کے پیچھے پیچھے پہنچا' اس سے لپٹ گیا اور کہنے گا درویش! تو اپنے آپ کو میرے وصال کی لذت سے کیوں محروم رکھتا ہے حالانکہ میں دل سے تجھے چاہتا ہوں؟ اس پر درویش اور زیادہ ناراض ہوا اور بولا اگر تو نے مجھے زیادہ چھیڑا تو ابھی میں تیرے باپ کو آواز دے کر تیری شکایت کرتا ہوں۔ لڑکے نے کہا میرا باپ جانتا ہے کہ مجھے یہ عادت ہے اس لیے وہ مجھے منع نہیں کر سکتا۔ آخر مجھے سمجھا تو دے کہ تو کیوں مجھ سے کھنچتا ہے' کیا میں تجھے پسند نہیں؟ درویش نے کہا بیٹا! میں یہ حرکت نہیں کروں گا خواہ تلوار سے میری بوٹیاں کیوں نہ کر دی جائیں۔ اس کے بعد درویش رونے لگا اور لڑکے سے کہا دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں' میں یہاں نہیں سوؤں گا۔ لڑکا اٹھ کر اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا دیکھ میرا چمک دار چہرہ' لال رخسار' نرم نرم پہلو پتلے پتلے ہونٹ۔ یہ کہہ کر لڑکے نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں جنھیں دیکھ کر شراب اور شراب پلانے والا دونوں شرمندہ ہو جائیں اور اسے ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگا کہ جادو اور جادوگر دونوں عاجز آ جائیں۔ دیکھ میرا سینہ وہ لڑکیوں کے سینے سے بھی زیادہ خوب صورت ہے چکھ میرا لعاب' وہ مصری سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔ زہد و عبادت کو الگ رکھ' میرے وصال کی لذت لوٹ' میرے حسن کے مزے اڑا اور ڈر نہیں تیرا بال بیکا نہیں ہو گا۔ بے وقوفی جانے دے' وہ بری عادت ہے۔ لڑکا یہ کہتا جاتا اور اپنی پوشیدہ خوب صورتیاں اسے دکھا دکھا کر اس کی عقل کی باگ موڑتا جاتا لیکن درویش کہتا خدا کی پناہ۔ یہ حرام کاری ہے' ایسی باتیں میں خواب میں بھی نہیں کر سکتا۔

جب لڑکے نے اور زیادہ ضد کی تو درویش قبلہ رو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا' دو رکعتیں

پڑھ چکا اور سلام پھیرا تو لڑکے نے چاہا کہ پھر اس کے پاس پہنچے تو اس نے دوبارہ نیت باندھ لی اور پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ یہی اس نے تیسری چوتھی اور پانچویں بار

کیا۔ لڑکا بولا یہ کیسی نماز ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ رات بھر محراب میں کھڑا رہ کر بادلوں پر اڑنے لگے اور ہمارا مزا کرکرا کر دے۔ اب لڑکا اس سے لپٹ کر اس کا ماتھا چومنے لگا لیکن اس نے کہا بیٹا! شیطان کو مار کر دور بھگا دے اور خدا کا حکم مان۔ لڑکے نے کہا اگر تو وہ کام نہیں کرتا جو میں چاہتا ہوں تو ابھی باپ کو پکار کر کہتا ہوں کہ درویش مجھ سے بد فعلی کرنا چاہتا ہے اور وہ آ کر تیری ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالے گا۔ لڑکے کا باپ یہ ساری باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا اور اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ اسے یقین آ گیا کہ درویش کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں۔ لڑکا برابر درویش کے پیچھے پڑا رہا' جب نماز کی نیت باندھتا وہ توڑ دیتا بالاخر درویش لڑکے پر اتنا ناراض ہوا کہ اسے برا بھلا کہنے لگا اور مارا یہاں تک کہ وہ رونے لگا اور باپ نے آ کر اس کے آنسو پونچھے' اسے دلاسا دیا اور درویش سے کہا اگر تیرا یہ حال ہے تو تو میرے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر کیوں روتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا ہے؟ میں نے تیرا امتحان لینے کے لیے یہ سب کیا تھا اب مجھے یقین آ گیا کہ تو بڑا پارسا ہے لیکن خدا کے لیے اپنے رونے کی وجہ بتا۔ درویش نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ پرانے زخموں کو تازہ نہ کر۔ اس نے کہا تجھے ضرور بتانا ہو گا۔ درویش بولا' سن میں درویش ہوں' ملک ملک پھرتا اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھتا ہوں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں بصرے پہنچا یہ جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو چھیاسٹھ ویں رات



نو سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- درویش نے کہا جب میں بصرے میں داخل ہوا تو جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا میں نے دیکھا کہ تمام دکانیں کھلی ہوئی ہیں' طرح طرح کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئی ہیں لیکن کوئی جان دار وہاں نہیں' نہ مرد نہ عورت نہ لڑکی نہ لڑکا یہاں تک کہ گلی کوچوں میں نہ کتے ہیں نہ بلیاں' نہ کوئی آواز سنائی دیتی نہ کوئی شکل دکھائی دیتی ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا' میں کہنے لگا یا اللہ! یہ لوگ اپنے کتے اور بلیاں لے کر کہاں چل دیئے؟ چونکہ میں بھوکا تھا' میں نے ایک باورچی کے تنور پر سے ایک گرم روٹی لی اور ایک زیتون فروش کی دکان پر جا کر روٹی کو زیتون کے تیل اور شہد سے چپڑا اور کھا گیا۔ اس کے بعد میری نظر ایک قہوہ خانے پر پڑی اس کے اندر جا کر میں نے خوب قہوہ پیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر والوں کو موت آ گئی ہے اور وہ ابھی مر گئے ہیں یا ان پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے اور وہ دوکانوں کو کھلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ مجھے نوبت بجنے کی آواز سنائی دی' میں مارے ڈر کے ذرا دیر کے لیے چھپ گیا ایک سوراخ میں سے دیکھا کہ چاند کی سی لڑکیاں دو دو کر کے چہرے کھلے چلی آ رہی ہیں۔ کل اسی لڑکیاں تھیں۔ ان کے بیچ میں ایک لڑکی ایک گھوڑے پر سوار تھی' سونے' چاندی اور جواہرات سے اتنی لدی ہوئی تھی کہ اس کے قدم مشکل سے اٹھتے تھے۔ یہ لڑکی بھی بے نقاب تھی' اس کے گلے میں ہیروں کا ہار تھا' سینے پر سونے کی ہنسلیاں اور کلائیوں میں کنگن جو تاروں کی طرح چمک رہے تھے' پاؤں میں سونے کے جھانجھن جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کنیزیں تھیں۔ ٹھیک سامنے ایک کنیز تلوار لگائے ہوئے جس کا قبضہ زمرد کا تھا اور جھالر دنے کی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

جب لڑکی اس جگہ پہنچی جو میرے سامنے تھی اس نے گھوڑے کی لگام روک لی اور کہنے لگی اے لڑکیو! مجھے اس دکان میں سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ جا کر ڈھونڈو کہیں ایسا تو نہیں کوئی اس میں چھپا ہوا ہمارا تماشا دیکھ رہا ہو اور ہم کھلے منہ ہیں۔ وہ اندر جا کر ایک مرد کو پکڑ لائیں' لڑکی نے تلواروں والی کنیز سے کہا اس کی گردن اڑا دے۔ اس نے اس کی گردن اڑا دی اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں۔ یہ دیکھ کر میں سہم گیا لیکن میرا دل لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ پہنچے اور اپنی اپنی دکانوں پر جا بیٹھے۔ مقتول کے گرد تماش بینوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ اب میں دکان میں سے نکل کر لوگوں سے چپکے چپکے پوچھنے لگا کہ وہ لڑکی کون تھی؟ کسی نے نہ بتایا اس کے بعد میں بصرے سے چلا آیا اس کی محبت اب تک دل سے نہیں نکلی۔ جب میں نے تیرے بیٹے کو دیکھا جو اس لڑکی سے بے حد مشابے ہے تو اس کی یاد تازہ ہو گئی' محبت کی آگ لپیٹیں مارنے لگی اور میں اس اس کے عشق میں تڑپنے لگا۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ پھر اس نے کہا اے میرے آقا! خدا کے لیے دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور درویش چلا گیا۔

یہ تو درویش کا قصہ ہوا۔ اب قمرالزمان کا ماجرا سنو! اس لڑکی کا ذکر سنتے ہی اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی وہ اس کی محبت میں بے چین ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے باپ سے کہا کہ ہر تاجر زادہ ملکوں ملکوں سفر کو جاتا' باپ کے مال سے تجارت کرتا اور کماتا ہے۔ مجھے تو کیوں نہیں بھیجتا؟ میں بھی دوسرے ملکوں میں جا کر قسمت آزمائی کروں۔ باپ بولا بیٹا! تاجر اکثر غریب ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے بیٹوں کو سفر پر بھیجتے ہیں تاکہ وہ کمائی کر کے لائیں لیکن میرے پاس بہت کچھ مال دولت ہے اور زیادہ کمانے کا لالچ نہیں پھر میں تجھے کیوں پردیس بھیجوں؟ علاوہ اس کے میں تیری جدائی ایک گھڑی کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتا کیونکہ تو بے حد حسین و جمیل ہے

اور مجھے تیرے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ بیٹے نے کہا سوائے اس کے چارہ نہیں کہ تو مجھے سامان دے کر سفر پر بھیج ورنہ میں ایک دن تیری آنکھ بچا کر بھاگ جاؤں گا خواہ میرے پاس کچھ مال اور تجارت کا سامان ہو یا نہ ہو۔ باپ نے دیکھا کہ لڑکا مانتا ہی نہیں تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا بیٹا سفر کرنے پر تلا کھڑا ہے حالانکہ پردیس مصیبت ہے۔ بیوی بولی اس میں تیرا کیا نقصان ہے؟ تاجر زادوں کا یہی دستور رہا ہے اور وہ ایک دوسرے پر اس بات میں فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اتنے سفر کئے' اتنا کمایا اور مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اس سے نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر تو اپنا مال دے کر اسے بھیجنا پسند نہیں کرتا تو میں اپنا مال دے کر بھیج دوں گی ورنہ تو ایک دن دیکھے گا کہ ہمارا بیٹا غائب ہو گیا۔ ہم اسے ڈھونڈ رہے ہیں' وہ نہیں ملتا اور ہمیں لوگوں میں ندامت ہو رہی ہے۔ تاجر نے اپنی بیوی کا کہنا مان لیا اور نوے ہزار دینار کا سامان اس کے لیے تیار کر دیا۔ ماں نے اسے ایک تھیلی دی جس میں چالیس ہیرے کے نگ تھے جو اتنے قیمتی تھے کہ ان میں سب سے سستا پانچ سو دینار کا تھا اور اس سے کہا ان ہیروں کو حفاظت سے رکھیو' یہ تیرے کام آئیں گے۔ قمر الزمان سب چیزیں لے کر بصرے کو روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نوسڑسٹھویں رات

نو سو سڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- قمر الزمان یہ تمام چیزیں لے کر بصرے کو روانہ ہو گیا اور جواہرات کو کمر بند میں رکھ کر کمر سے باندھ لیا۔ جب بصرہ ایک منزل رہ گیا تو بدوؤں نے اس پر حملہ کیا اس کے کپڑے اتار لیے' نوکروں چاکروں کو قتل کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو خون میں لتھیڑ کر مردوں کے بیچ میں لیٹ گیا۔ بدوؤں نے مقتول سمجھ کر اسے چھوڑ دیا اور سارا سامان لے کر چل دیئے۔ وہ چلے گئے تو قمرالزمان اٹھا اور بصرے کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس سوائے جواہرات کے اور کچھ نہ تھا۔ اتفاق کی بات وہ بھی جمعے ہی کے دن بصرے میں داخل ہوا اور جیسا کہ درویش نے بیان کیا تھا شہر کو آدمیوں سے خالی' پایا دکانیں کھلی ہوئی تھیں' سارا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئیں مگر انسان حیوان کوئی نظر نہ آیا۔ اتنے میں نوبت بجنے کی آواز آئی۔ وہ ایک دکان میں جا کر چھپ گیا' لڑکیاں پہنچیں تو ان کا تماشا دیکھنے لگا' جوں ہی نظر اس لڑکی پر پڑی ہوش جاتے رہے' کھڑا رہنا دو بھر ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ گئے۔ بازاروں میں چہل پہل ہو گئی اس نے ایک جوہری کے پاس جا کر ایک ہیرا بیچا جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور چل دیا۔ صبح ہوئی تو اس نے کپڑے بدل' حمام گیا وہاں سے نکلا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند نکل آیا۔ اس کے بعد اس نے چار ہیرے اور چار ہزار دینار کو بیچے اور زرق برق کپڑے پہن کر بصرے کے گلی کوچوں کی سیر کرنے لگا۔

ایک بازار میں اسے ایک نائی کی دکان دکھائی دی وہاں جا کر اس نے بال بنوائے اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا اور کہا چچا! میں پردیسی ہوں کل جب میں یہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سارا شہر خالی پڑا ہے نہ آدم ہے نہ آدم زاد۔ اسی اثناء میں بہت سی لڑکیاں

دیکھیں ان کے بیچ میں ایک لڑکی تھی جس کا شاید وہ جلوس تھا۔ نائی نے کہا تو نے کسی اور اسے تو یہ بات نہیں کہی ہے۔ وہ بولا نہیں۔ نائی نے کہا' خبردار! کسی سے یہ بات نہ کہیو کیونکہ ہر آدمی راز نہیں رکھ سکتا۔ بیٹا! جو کچھ تو نے دیکھا ہے کسی نے نہیں دیکھا ہے اور نہ ایسا کسی اور شہر میں ہوتا ہے۔ ہر جمعے کے دن لوگ کتے بلیوں کو باندھ کر خود مسجدوں میں جا کے اور دروازے بند کر دیتے ہیں' کسی کی مجال نہیں کہ گلی کوچوں میں نکلے یا کسی سوراخ سے جھانکے۔ بیٹا! اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں لیکن میں آج اپنی بیوی سے پوچھوں گا کیونکہ وہ دائی ہے۔ بڑے بڑے گھرانوں میں آتی جاتی رہتی ہے اور شہر کی خبریں اسے معلوم رہتی ہیں۔ خدا نے چاہا تو جب کل تو میرے پاس آئے گا تو میں اس سے پوچھ کر تجھے بتا دوں گا۔ لڑکے نے مٹھی بھر سونا نکال کر اسے دے دیا اور کہا یہ اپنی بیوی کو دے دیجیو۔ اب وہ میری ماں ہو گئی ہے اس کے بعد اس نے اور ایک مٹھی بھر سونا نکالا اور یہ کہہ کر اسے دے دیا کہ یہ تیرے لیے ہے۔ نائی نے کہا بیٹا! تو یہیں بیٹھا رہ۔ میں ابھی جا کر اپنی بیوی سے پوچھے آتا ہوں۔ گھر پہنچ کر اس نے لڑکے کا قصہ بیان کیا کہ شہر کی ٹھیک خبر بتا دے تا کہ میں جوان سے جا کر کہہ دوں۔ میرے خیال میں وہ عاشق ہے اور بڑا شریف اور سخی ہے اگر ہم اسے بتا دیں گے تو ہمیں بہت مال مل جائے گا۔ بیوی بولی اسے جا کر بلا لا اور کہہ دے کہ تیری حاجت پوری ہو گئی۔ جب نائی دکان پر پہنچا تو قمرالزمان بیٹھاہوا اس کی راہ دیکھ رہا تھا کہنے لگا اپنی ماں میری بیوی کے پاس چل تیرا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ نائی کے گھر پہنچا تو نائن نے جوان کو مرحبا کہا اور بٹھایا۔

جوان نے سو دینار نکال کر اسے دیئے اور پوچھا مائی! اس لڑکی کا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا بیٹا! سن ایک بار ہند کے بادشاہ نے بصرے کے حاکم کے پاس ایک ہیرا بھیجا اس نے جوہریوں کو بلا کر کہا کہ جس نے اس میں چھید کر دیا جو مانگے گا دوں گا اور اگر وہ ٹوٹ جائے گا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جوہری بولے جہاں پناہ! ہیرا جلد ٹوٹ

جاتا ہے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ہیرے میں چھید کیا جائے اور وہ ثابت رہے لہٰذا ہم پر ایسا کام نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہے۔ حاکم نے پوچھا تمہارا چودھری کون ہے؟ انہوں نے کہا استاد عبید۔ حاکم نے اسے بلا کر حکم دیا کہ اس ہیرے میں چھید کر دے اس نے چھید کر دیا۔ حاکم نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کل تک مجھے مہلت دے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کی رائے لینا چاہتا تھا اور اس کی بیوی وہی لڑکی تھی جسے تو نے جلوس کے ساتھ دیکھا۔ جوہری کو اس سے بہت محبت تھی اور محبت کی وجہ سے وہ بے اس کے مشورے کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ جوہری نے اس کے پاس جا کر کہا میں نے حاکم کے لیے ایک ہیرے میں چھید کیا ہے اور اس نے کہا ہے مانگ کیا مانگتا ہے۔ بتا کہ میں اس سے کیا مانگوں؟ وہ بولی مال و دولت کی تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو حاکم سے یہ مانگ کہ وہ بصرے کی گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دے کہ ہر جمعے کی نماز سے دو گھنٹے پہلے سے لوگ چھوٹے ہوں یا بڑے مسجد چلے جایا یا گھر میں بند ہو جایا کریں لیکن دکانیں کھلی رہیں۔ میں اپنی کنیزوں کو لے کو اس وقت شہر میں سے گزرا کروں گی اور اگر مجھے کوئی راہ میں مل گیا تو اسے قتل کر دوں گی۔ اس نے حاکم کے پاس جا کر یہی مانگا اور حاکم نے بصرے میں ڈھنڈورا پٹوا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو اڑسٹھ ویں رات

نو سواڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حاکم نے یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا تو لوگوں نے اس کے پاس آ کر کہا کہ کتے بلیاں ہمارا سامان آ کر خراب کر ڈالیں گے۔ حاکم نے حکم دیا کہ جب تک لوگ جمعے کی نماز پڑھ کر نہ نکلیں انہیں بند رکھا جائے۔ چنانچہ وہ لڑکی ہر جمعے کو نماز سے دو گھنٹے پہلے نکلا کرتی اور اپنی کنیزوں کے ساتھ جلوس میں بصرے کے گلی کوچوں سے گزرتی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ محراب یا جھروکے میں سے اسے جھانکے۔ بس یہ بات ہے اب تجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ لڑکی کون ہے لیکن بیٹا! تو محض اس کا حال جاننا چاہتا ہے یا تجھے اس سے ملنے کی آرزو ہے؟ اس نے کہا مائی! میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولی بیٹا! بتا تیرے پاس کیا کیا قیمتی چیزیں ہیں؟ لڑکے نے بتایا کہ میرے پاس چار قسم کے ہیرے ہیں' پانچ سو دینار والے' سات سو والے' اٹھ سو والے اور ہزار والے۔ اس نے کہا کیا تو ان میں سے چار کو علیحدہ کر سکتا ہے؟ لڑکے نے کہا بلکہ سب اس نے کہا بیٹا! جا کر ایک ہیرا لے آ جس کی قیمت پانچ سو دنیار ہے اور جوہریوں کے چودھری استاد عبید کی دکان کا پتا پوچھ کر اس کے پاس جا تو دیکھے گا کہ وہ زرق برق کپڑے پہنے بیٹھا ہے اور شاگرد اس کے ہاتھ کے نیچے کام کر رہے ہیں۔ اسے سلام کر کے دکان پر بیٹھ جائیو اور ہیرا نکال کر کہیو استاد! سونے کی انگوٹھی بنا کر اس ہیرے کو اس میں جڑ دے۔ انگوٹھی ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی بناوٹ بہترین ہو۔ یہ کہہ کر بیس دینار استاد کو دیجیو ایک ایک دینار ہر کاریگر کو اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بھی ایک دنیار دے دے دیجیو اور ہر طرح سے اپنی شرافت کا اظہار کیجیو تا کہ اس کے دل میں تیری محبت بیٹھ جائے پھر اپنے گھر جا کر سو رہیو۔ سویرا ہو تو سو دینار لا کر اپنے چچا کو دے دیجیو کیونکہ وہ غریب ہے اس نے

کہا ایسا ہی ہو گا۔
قمرالزمان نے اپنے وکیل کے پاس جا کر اس سے پانچ سو دینار والا ایک ہیرا لیا اور جوہری بازار جا کر جوہریوں کے مکھیا استاد عبید کا پتا پوچھا اس کی دکان پر پہنچ کر دیکھا کہ وہ بڑا شان دار شخص ہے اور نفیس پوشاک پہنے بیٹھا ہے' اس کے نیچے چار کاریگر کام کر رہے ہیں۔ جوان نے اسے وہ نگ دے کر کہا استاد! ایک سونے کی انگوٹھی بنا کر اس میں یہ نگ جڑ دے لیکن وہ ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی ساخت نہایت نفیس ہو اس کے بعد اس نے بیس دینار اسے دے کر کہا یہ اس کے نقشے کے دام ہیں اور مزدوری ابھی باقی ہے پھر اس نے کاریگر کا ایک ایک دینار دیا جس سے وہ بھی خوش ہو گئے اور استاد عبید بھی۔ اب وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا کوئی فقیر آتا تو وہ اسے ایک درہم دیتا' لوگ اس کی سخاوت پر تعجب کرتے۔ استاد عبید کے گھر میں بھی وہی سامان تھا جو دکان میں۔ جب وہ کوئی عجیب و غریب چیز بناتا تو گھر جا کر بناتا تاکہ کاریگر سیکھ نہ لیں۔ گھر میں وہ اپنی بیوی کے سامنے بٹھا کر بناتا اسے دیکھتا جاتا اور ایسی کاریگری سے بناتا کہ وہ چیز سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے قابل نہ ہوتی چنانچہ وہ گھر میں بیٹھ کر نہایت عجیب طریقے سے انگوٹھی بنانے لگا۔
اس کی بیوی نگینہ دیکھا تو پوچھا اس کا تو کیا بنائے گا؟ اس نے کہا کہ انگوٹھی بنا کر اس میں یہ نگ جڑوں گا' اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے۔ بیوی نے پوچھا کس کے لیے؟ وہ بولا ایک حسین تاجر زادے کے لیے۔ وہ کبھی اس کے حسن کی تعریف کرتا اور کبھی اس کی سخاوت کی یہاں تک کہ عورت سنتے سنتے اس پر عاشق ہو گئی۔اس شخص سے زیادہ احمق کون ہے جو اپنی بیوی کے سامنے دوسرے مرد کی خوبصورتی اور سخاوت کا ذکر کرے۔ اچھا تو جب اس کے دل میں جوان کی محبت نے گھر کر لیا تو اس نے کہا اس میں مجھ سا بھی کچھ حسن ہے؟ شوہر نے کہا تیرا ہر حسن اس میں ہے اور وہ ہو بہو تجھ سا ہے بلکہ اس کا حسن بھی وہی ہے جو تیرا اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ میں تیرا دل دکھا دوں گا تو میں کہتا کہ وہ تجھ سے ہزار گنا زیادہ حسین ہے۔

بیوی چپ ہو گئی لیکن اس کے دل میں محبت کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ یہی باتیں کرتے کرتے استاد نے انگوٹھی بنا کر تیار کر دی۔ بیوی نے اسے پہنا تو وہ اس کی انگلی میں ٹھیک آئی۔ کہنے لگی اے میرے آقا! مجھے یہ انگوٹھی بہت اچھی لگتی ہے میں اسے انگلی سے اتارنا نہیں چاہتی۔ اس نے کہا ٹھہر جا میں اس کے مالک سے کہوں گا کہ وہ اسے میرے ہاتھ بیچ ڈالے اور غالباً وہ مان لے گا کیونکہ وہ بڑا سخی ہے ورنہ اگر اس کے پاس دوسرا نگینہ ہو گا تو میں اسے خرید کر تیرے لیے دوسری انگوٹھی بنا دوں گا جو اسی جیسی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • نو سو انترویں رات



نو سو انترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوہری نے اپنی بیوی سے کہا میں تیرے لیے ایسی ہی دوسری انگوٹھی بنا دوں گا۔ ادھر جب قمرالزمان صبح کو اٹھا تو سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس گیا جو نائی کی بیوی تھی اور کہا یہ دینار لے اس نے کہا اپنے چچا کو دے دے اور بتا کہ جو میں نے کہا تھا تو نے کیا بھی؟ اس نے کہا ہاں کیا۔ بڑھیا بولی اب جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی کے سرے میں پہن کر فوراً اتار ڈالیو اور کہیو استاد! یہ تو ٹھیک نہیں آتی تنگ ہے وہ کہے گا اے تاجر! میں اسے توڑ کر بڑی بنا دوں گا تو کہیو توڑ کر پھر بنانے کی ضرورت نہیں اسے اپنی کنیز کو دے دے اس کے بعد دوسرا نگ نکالیو جس کی قیمت سات سو دینار اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور اسے تیس دینار اور ہر کاریگر کو دو دو دینار دیجیو پھر کل سویرے دو سو دینار لے کر یہاں آئیو اور میں تجھے آخری ترکیب بتا دوں گی۔

جوان جوہری کے پاس گیا اس نے اس کا خیر مقدم کر کے دکان میں بٹھایا اور انگوٹھی دی۔ جوان نے اسے انگلی میں ڈال کر فوراً اتار دیا اور کہا یہ تنگ ہے' باقی تمام باتیں بھی وہی کیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں اور اسے سات سو دینار کا ہیرا دے کر کہا اسے بنا دے۔ وہ چلا گیا تو جوہری اس کی سخاوت پر عش عش کرنے لگا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا اس جوان سے زیادہ سخی میں نے نہیں دیکھا تیری قسمت جاگ اٹھی اس نے انگوٹھی مجھے مفت دے دی ہے۔ یہ لڑکا مجھے تاجر زادہ نہیں بلکہ شاہزادہ معلوم ہوتا ہے وہ اس کی جتنی تعریف کرتا جاتا لڑکی کا عشق اتنا ہی بڑھتا جاتا۔ لڑکی نے انگوٹھی لے کر پہن لی اور جوہری نے دوسری انگوٹھی بنائی جو اس سے ذرا ڈھیلی تھی اسے دیکھ کر بیوی نے کہا اے میرے آقا! دیکھ دونوں انگوٹھیاں میری انگلی میں کیسی بھلی معلوم

ہوتی ہیں، کاش دونوں میری ہوتیں۔ جوہری بولا صبر کر، ممکن ہے کہ میں یہ دوسری انگوٹھی اس سے خرید لوں۔اس کے بعد وہ جا کر سو رہا۔



اب قمرالزمان کا ماجرا سنو! وہ صبح اٹھ کر نائی کی بیوی کے پاس گیا اور اسے دو سو دینار دے دیئے۔ وہ بولی اٹھ جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی میں پہن کر فوراً اتار ڈالیو اور کہیو استاد! تو نے ٹھیک نہیں بنائی۔ یہ ڈھیلی ہے۔ جب کبھی تجھ جیسے استاد کے پاس مجھ جیسا گاہک آئے تو پہلے ناپ لے لینی چاہیے۔ یہ کہہ کر تو دوسرا ہیرا نکالیو جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور یہ انگوٹھی اپنی کسی کنیز کو دے ڈال اس کے بعد تو تین سو دینار لا کر اپنے چچا کو دے دیجیو کیونکہ وہ غریب ہے ان سے اس کا کام چلے گا۔ لڑکے نے کہا سر آنکھوں سے اور جوہری کے پاس جا کر اس سے انگوٹھی لی، انگلی میں ڈا کر فوراً اتار ڈالی اور وہی باتیں کیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں پھر ایک ہزاد دینار والا نگ نکال کر اسے دیا جوہری نے ناپ لی اور کہا میں تجھ سے کتنی اجرت لے چکا ہوں تو ہمارے اوپر بڑا احسان کر رہا ہے اس نے کہا مضائقہ نہیں اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ جوہری اپنے گھر گیا تو جوان کی خوبصورتی اور سخاوت کی پھر تعریف کرنے لگا۔ بیوی نے کہا اے بد مذاق! اگر اس نے تجھے دو قیمتی انگوٹھیاں دی ہیں تو تجھے چاہیے کہ اس کی دعوت کر اور اس سے دوستی بڑھا۔ تیری محبت کو دیکھ کر وہ تیرے گھر آئے گا اور ممکن ہے کہ ہمیں اس سے کوئی بڑا فائدہ پہنچے اگر تو اس کی دعوت نہیں کرتا تو میں خود اپنی طرف سے اسے بلا کر کھانا کھلاؤں گی۔ آج بے اسے لیے گھر نہ آئیو اور اگر وہ انکار کرے تو اسے طلاق کی قسم دیجیو اور اصرار کیجیو ادھر تو وہ انگوٹھی بنا کر دکان پر گیا ادھر قمرالزمان تین سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس پہنچا بڑھیا نے کہا جب وہ تیری آج دعوت کرے اور تو اس کے گھر سوئے تو جو ماجرا ہو مجھ سے آ کر بیان کیجیو اور چار سو دینار اپنے ساتھ لیتا آئیو۔ جوں ہی وہ جوہری کے پاس پہنچا تو اس نے اسے

انگوٹھی دی وہ ٹھیک اتری۔ جوان نے کہا اے استادوں کے سر تاج! اب تو نے انگوٹھی تو ٹھیک بنائی ہے لیکن نگینہ مجھے پسند نہیں آتا۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

## • نو سو سترویں رات



نو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- قمرالزمان نے جوہری سے کہا انگوٹھی تو تو نے ٹھیک بنائی ہے لیکن نگینہ مجھے پسند نہیں آتا' میرے پاس اس سے اچھا نگینہ ہے یہ انگوٹھی کسی اپنی کنیز کے حوالے کر۔ یہ کہہ کر اس نے ایک دوسرا ہیرا نکالا سو دینار اسے دیئے اور کہا یہ تو مزدوری ہوئی لیکن جو تکلیف میں نے تجھے دی ہے اسے معاف کیجیو! جوہری بولا جو تکلیف تو نے مجھے دی ہے اس کا معاوضہ تو تو نے ادا کر دیا ہے اس کے علاوہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ میرے دل میں تیری محبت جاگزیں ہو گئی اور تیری جدائی مجھ پر شاق ہے۔ خدا کے لیے آج رات کو میری دعوت قبول کر کے میرا دل رکھ لے۔ اس نے کہا مضائقہ نہیں میں سرائے جا کر اپنے نوکروں سے کہہ آؤں میں آج رات باہر رہوں گا تاکہ وہ میری راہ نہ دیکھیں۔ جوہری بھی اس کے ساتھ ہو لیا تاکہ اسے لے کر آئے ورنہ اسے اپنی بیوی کے ناراض ہونے کا ڈر تھا۔ جب دونوں گھر پہنچے تو لڑکی اسے دیکھتے ہی اس کی محبت کا شکار ہو گئی۔ دونوں نے کھانا کھایا' پیا' نماز کا وقت آیا تو نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک کنیز دونوں کے لیے دو پیالے لائی جن میں کھانے پینے کی چیز تھی اس کے پیتے ہی انہیں نیند آ گئی۔ اب لڑکی ان کے پاس آئی دیکھا کہ دونوں سو رہے ہیں۔ قمرالزمان کے چہرے پر ٹکٹکی لگا دی اور کہنے لگی جو حسینوں کو چاہتے ہیں' سوتے نہیں۔ اور اسے چت لٹا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی' اتنے بوسے لیے کہ اس کے رخسار لال ہو گئے۔ اس کے ہونٹ اتنے چوسے کہ ان میں سے خون نکلنے لگا۔ باوجود ان تمام باتوں کے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اتنی دیر تک بوس و کنار کرتی اور ٹانگوں میں ٹانگیں ڈالے رہی کہ صبح نمودار ہونے لگی اس جوان کی جیب میں چار پانسے ڈال کر چل دی۔ اس نے اپنی کنیز کو نسوار لے کر بھیجا اس نے اسے دونوں کی نتھنوں میں ڈال دی انہیں چھینک آئی اور

وہ دونوں جاگ اٹھے۔ کنیز نے کہا اے میرے آقا! نماز کا وقت آ گیا ہے اٹھ کر نماز پڑھو۔

کنیز جا کر تشت اور لوٹا لے آئی۔ قمرالزمان نے استاد سے کہا ہم ضرورت سے زیادہ سو چکے ہیں۔ اس نے جواب دیا اس کمرے میں ہمیشہ گہری نیند آتی ہے جب کبھی میں یہاں سوتا ہوں تو یہی پیش آتا ہے۔ جوان بولا تو سچ کہتا ہے جب وضو کرتے کرتے اس نے منہ پر پانی ڈالا تو اس کے رخسار اور ہونٹ جلنے لگے۔ وہ کہنے لگا اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے رخسار اور ہونٹ جل رہے ہیں؟ جوہری نے کہا مچھروں نے کاٹا ہو گا۔ جوان بولا کیا تجھے بھی کاٹا ہو گا؟ اس نے کہا نہیں لیکن جب کوئی بے داڑھی مونچھ والا شخص یہاں سوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کے کاٹنے کی شکایت کرتا ہے۔ داڑھی مونچھ والے کو مچھر نہیں کاٹتے اسی وجہ سے انھوں نے مجھے نہیں کاٹا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مچھر داڑھی مونچھ والوں کو پسند نہیں کرتے۔ لڑکا بولا تو سچ کہتا ہے پھر کنیز ناشتہ لائی اور دونوں ناشتہ کر کے چلے گئے۔ لڑکا بڑھیا کے پاس پہنچا تو اس نے کہا تیرے چہرے سے خوشی ٹپکتی ہے۔ بتا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کچھ نہیں دیکھا۔ ہم دونوں نے ایک کمرے میں کھانا کھایا عشاء کی نماز پڑھی سو گئے اور صبح تک ہماری آنکھ نہیں کھلی۔

بڑھیا ہنسنے لگی اور کہا تیرے رخساروں اور ہونٹوں پر یہ نشان کیسے ہیں؟ وہ بولا مچھروں کی کارستانی کے۔ بڑھیا بولی تو سچ کہتا ہے لیکن مکان والے کو بھی مچھروں نے کاٹا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ استاد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس کمرے کے مچھر داڑھی مونچھ والوں کو نہیں کاٹتے۔ محض بے داڑھی مونچھ والوں کو کاٹتے ہیں۔

جب کبھی کوئی بے داڑھی مونچھ والا اس کا مہمان ہوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کی شکایت کرتا ہے اور اگر داڑھی مونچھ والا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش نہیں آتی۔ بڑھیا بولی بالکل سچ لیکن اس کے علاوہ تو نے اور کوئی چیز بھی دیکھی؟ وہ بولا ہاں! میری جیب میں چار پانسے پڑے ملے۔ بڑھیا نے کہا دکھا۔ لڑکے نے انہیں دکھایا

تو بڑھیا بولی یہ پانسے تیری محبوبہ نے تیری جیب میں ڈال دیئے ہیں۔ لڑکا بولا یہ کیسے؟ بڑھیا نے کہا وہ اشارتاً تجھے بتانا چاہتی ہے کہ اگر تو عاشق ہوتا تو نہ سوتا' عاشق سویا نہیں کرتے تو ابھی بچہ ہے اور اسی قابل ہے کہ ان پانسوں سے کھیلے۔ تجھے حسینوں کو چاہنے سے مطلب! وہ رات کو تیرے پاس آئی تھی اور تجھے سوتا دیکھ کر تیرے اتنے بوسے لیے کہ تیرے رخسار زخمی ہو گئے لیکن ابھی اس کا ارمان پورا نہیں ہوا۔ وہ آج تیرے پاس اپنے شوہر کو بھیج کر پھر کھانے پر بلائے گی۔ لہٰذا جلد نہ سو جائیو اور پانچ سو دینار لے کر کل آئیو اور جو کچھ پیش آئے بیان کیجیو۔ ادھر جوہری کی بیوی نے شوہر سے پوچھا کہ مہمان چلا گیا؟ اس نے کہا ہاں! لیکن رات مچھروں نے اسے بہت کاٹا اور میں اس کے آگے بڑا پشیمان ہوا۔ بیوی بولی ہمارے کمرے کے مچھروں کی یہی عادت ہے کہ وہ بے داڑھی مونچھ والوں ہی کو کاٹتے ہیں خیر آج اسے پھر کھانے پر بلا۔

جوہری جا کر اسے بلا لایا۔ انہوں نے کھایا پیا اور عشاء کی نماز پڑھی پھر کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو اکھترویں رات

نو سو اکھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا وہ پی کر سو گئے لڑکی نے آ کر کہا ستیاناس ہو تیرا! تو عاشق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور سو جاتا ہے۔ عاشق بھی کہیں سویا کرتے ہیں؟ اب وہ پھر اس کے سینے پر چڑھ کر اس کے بوسے لینے' ہونٹ چوسنے اور ناز نخرے کرنے لگی اور صبح کے وقت اس کی جیب میں ایک چھری ڈال کر چل دی۔ اس کے بعد کنیز کو بھیج کر انہیں بیدار کرایا۔ لڑکا اٹھا تو اس کے رخسار آگ کی طرح جل رہے اور اس کے ہونٹ سرخ انگارہ تھے۔ جوہری نے پوچھا شاید تجھے آج بھی مچھروں نے کاٹا ہے؟ اس نے کہا نہیں' کیونکہ وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا اور شکایت چھوڑ دی تھی۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو چھری پڑی ہوئی ملی' مگر وہ چپ رہا۔ گھر جا کر پانچ سو دینار لیے' بڑھیا کے پاس پہنچا۔ اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا میں سونا نہیں چاہتا تھا لیکن آنکھیں بند ہو گئیں' جاگا تو میری جیب میں ایک چھری تھی۔ بڑھیا بولی' آج رات خدا خیر کرے! اس کا اشارہ یہ ہے کہ اگر تو پھر سو گیا تو میں تیری گردن کاٹ ڈالوں گی۔ لڑکے نے پوچھا' اب کیا کرنا چاہیے؟ بڑھیا بولی سونے سے پہلے تو کیا کھاتا اور کیا پیتا ہے؟ لڑکے نے کہا جو اور لوگ کھاتے ہیں' اس کے بعد ایک کنیز عشاء کے بعد آ کر ہمیں ایک ایک پیالہ دے جاتی اور اسے پی کر ایسا سو جاتا ہوں کہ صبح تک آنکھ نہیں کھلتی۔ بڑھیا بولی بس ساری آفت پیالے ہی کی لائی ہوئی ہے۔ آج تو پیالہ اس وقت تک نہ پیجیو جب تک اس کا شوہر پی کر نہ سو جائے اور کنیز سے کہیو کہ مجھے پانی پلا دے' وہ پانی لینے جائے تو پیالے کو تکیے کے پیچھے الٹ دیجیو اور جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیو۔ تھوڑی دیر کے بعد تجھ پر سارا حال ظاہر ہو جائے گا لیکن خبردار! میرے کہنے پر چلیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے اور سرائے کی طرف چل دیا۔

یہ تو اس کا حال ہوا'اب جوہری کی بیوی کا ماجرا سنو۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا' مہمان کی دعوت تین دن ہوتی ہے۔ وہ جا کر لڑکے کو بلا لایا۔ جب کھا پی کر نماز سے فارغ ہو چکے تو کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا۔ جوہری اسے پی کر سو گیا اور لڑکے نے کنیز سے کہا میں پیاسا ہوں' ایک کوزہ پانی لے آ۔ وہ پانی لینے گئی تو اس نے پیالے کو تکیے کے پیچھے انڈیل دیا اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کنیز لوٹی اور اسے سوتا ہوا دیکھا تو جا کر اپنی آقا سے کہا وہ پیالہ پی کر سو گیا۔ لڑکی نے اپنے دل میں کہا اس کے جینے سے مرنا بہتر ہے ایک تیز چھری لے کر اس کے پاس گئی اور تین بار کہا' اے پاگل! تو نے میرا اشارہ نہیں سمجھا' اب میں تیرا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی۔ قمر الزمان نے اسے چھری لیے آتا دیکھ کر آنکھیں کھول دیں اور ہنستا ہوا اٹھ بیٹھا۔ لڑکی بولی تو نے اپنی عقل سے تو میرا اشارہ نہیں سمجھا کسی کٹنی نے تجھے ہوشیار کر دیا۔ بتا تجھے کس نے بتایا؟ اس نے کہا' ایک بڑھیا نے اور اس کے ساتھ یہ یہ باتیں پیش آ چکی ہیں۔ لڑکی بولی' کل یہاں سے نکل کر بڑھیا کے پاس جائیو اور کہیو تیری چالوں کی پہنچ اس سے آگے بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہے ہے تو اس سے کہیو مجھے لڑکی سے اعلانیہ ملا دے' اگر وہ کہے نہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جائیو۔ کل رات میرا شوہر پھر تجھے کھانے پر بلائے گا تو مجھ سے سارا ماجرا بیان کیجیو اور میں تجھے آخری تدبیر بتاؤں گی۔ لڑکے نے کہا' بہت خوب اور دونوں رات بھر مزے اڑاتے رہے۔

جب صبح ہوئی تو اس نے لڑکے سے کہا' تجھ سے میری طبیعت ایک رات یا ایک دن یا ایک مہینے میں بھر نہیں سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی عمر تیرے ساتھ گزار دوں۔ لیکن ذارا صبر کر' دیکھ میں اپنے شوہر کے ساتھ ایک ایسی چال چلتی ہوں جس سے بڑے بڑے سمجھدار لوگ حیران ہو جائیں۔ میں اسے شک میں ڈال کر اس سے طلاق لے لوں گی اور تجھ سے شادی کر کے تیرے گھر چلوں گی۔ بلکہ اسے دھوکا دے کر اس کا سارا مال تیرے پاس لے آؤں گی۔ اسے تباہ اور ملیا میٹ کر دوں گی۔ لیکن جیسا

میں کہوں ویسا ہی کیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے' تیرے خلاف میں کچھ نہیں کروں گا۔ لڑکی نے کہا جا اپنی سرائے اور جب میرا شوہر تجھے کھانے پر بلانے آئے تو اس سے کہیو بھائی! انسان جلد تنگ آ جاتا ہے اور جب بہت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں سخی ہو یا بخیل اکتا جاتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا کہ میں ہر روز جا کر تیرے ہاں سوؤں۔ اگر تو مجھ سے نہ بھی ناراض ہو تو تیری اہلیہ ہو جائے گی کیونکہ میری وجہ سے تو اس کے پاس نہیں جاتا اگر تو مجھ سے زیادہ میل جول رکھنا چاہتا ہے تو اپنے گھر کے پاس میرے لیے بھی ایک گھر لے دے تاکہ سونے کے وقت تک کبھی میں تیرے ہاں رہوں' کبھی تو میرے ہاں رہے اور سونے کا وقت آئے تو تو اپنی بیوی کے پاس چلا جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تو ہر روز اپنی بیوی سے جدا رہے۔ تو یہ کہے گا تو وہ میرے پاس آ کر میری رائے لے گا میں اسے یہ مشورہ دوں گی کہ ہمارا پڑوسی اگر اٹھ جائے کیونکہ وہ ہمارا مکان ہے اور وہ آ رہے تو بہت اچھا ہے۔ پھر جب تو اس مکان میں آ جائے گا تو خدا اور باتیں بھی آسان کر دے گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد کنیز نے آ کر انہیں جگایا۔ جوہری کی آنکھ کھلی تو اس نے پوچھا اے تاجر! آج مچھروں نے تجھے ستایا نہیں؟ اس نے کہا' نہیں۔ جوہری بولا شاید اب تجھے ان کی عادت ہو گئی ہے۔ دونوں نے ناشتہ کیا اور وہ قہوہ پی کر اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔ قمر الزمان نے بڑھیا کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

## • نو سو بہترویں رات

نو سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ قمر الزمان نے بڑھیا کے پاس جا کر کہا کہ اس نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے اس سے یہ کیا تو اور کوئی تدبیر کر سکتی ہے جس سے ہم دنوں علانیہ ملیں؟ اس نے جواب دیا بیٹا' اب اس کے آگے میرے پاس کوئی تدبیر نہیں۔ جوان وہاں سے رخصت ہو کر سرائے گیا اور دوسرے دن شام کے وقت جوہری اسے بلانے آیا تو اس نے کہا میں تیرے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جوہری بولا یہ کیوں؟ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور تیری جدائی گوارا نہیں' خدا کے لیے میرے ساتھ چل۔ لڑکے نے کہا اگر تو چاہتا ہے کہ میں اور تو ہمیشہ ساتھ رہیں تو مجھے ایک مکان اپنے مکان کے قریب لے دے' اس وقت چاہے تو میرے ہاں رات گزاریو چاہے میں تیرے ہاں رات گزاروں تاکہ جب سونے کا وقت آئے تو ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر پر چلا جائے۔ جوہری بولا میرے گھر کے پاس میرا ایک اور گھر ہے' آج تو میرے ساتھ چل' کل اس گھر کو میں تیرے لیے خالی کرا دوں گا۔ لڑکا اس کے ساتھ چل دیا دونوں نے کھانا کھایا نماز پڑھی اور جوہری نے وہ پیالہ پیا جس میں کچھ ملا ہوا تھا اور سو گیا۔ قمر الزمان کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی' اس نے پیا لیکن سویا نہیں' لڑکی آ کر اس سے رات بھر باتیں کرتی رہی اور اس کا شوہر مردے کی طرح پڑا رہا۔ جب وہ جاگا تو اس نے کرائے دار کو بلا کر کہا میرا گھر خالی کر دے' مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس نے خالی کر دیا اور قمر الزمان اس میں رہنے لگا۔ پہلی رات جوہری اس کے گھر گیا اور جب سونے کا وقت آیا تو اپنے گھر چلا گیا۔ دوسرے دن لڑکی نے معمار کو بلا کر کہا میرے گھر سے دوسرے گھر تک سرنگ بنا دے۔ قمر الزمان کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور لڑکی دو تھیلیاں مال کی لے کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ قمر الزمان نے پوچھا کدھر سے آ گئی؟ اس نے سرنگ کی طرف اشارہ کیا پھر صبح تک اس کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق کرتی رہی اور کہا کہ

اب جا کر میں اسے جگاتی ہوں تاکہ وہ دکان پر جائے تو میری راہ دیکھیو میں ابھی لوٹ کر آتی ہوں۔ لڑکی نے جا کر اپنے شوہر کو جگایا' اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور دکان پر چلا گیا۔ اب لڑکی چار اور تھیلیاں لے کر اس کے پاس آئی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر رخصت ہو گئی اور قمر الزمان بازار چلا گیا۔ جب وہ مغرب کی وقت لوٹا تو اس نے دیکھا کہ دس تھیلیاں اور جواہرات وغیرہ کی اس کے ہاں رکھی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد جوہری گھر آیا اور قمر الزمان کو اپنے گھر میں لے گیا۔ کنیز نے آ کر دونوں کو پیالے دیئے' جوہری پی کر سو گیا قمر الزمان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا کیونکہ اس کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی۔ لڑکی آ کر اس سے ہنسی مذاق کرنے لگی اور بہت کچھ سامان سرنگ کے راستے اس کے گھر منتقل کر دیا۔ تیسرے دن لڑکی نے ایک خنجر نکال کر اسے دیا جو اس کے شوہر نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور جس کی قیمت اس کے خیال میں پانچ سو دینار تھی۔ چونکہ لوگ اسے جوہری سے اکثر مانگتے رہتے تھے اس نے اسے ایک صندوق میں بند کر رکھا تھا اور کسی کے ہاتھ اسے بیچنے پر راضی نہ ہوتا۔ یہ خنجر اسے دے کر لڑکی نے کہا اسے کمر سے لگا کر میرے شوہر کے پاس جا اور اس سے کہیو کہ استاد یہ خنجر' میں نے اسے آج خریدا ہے بتا کہ میں نے مہنگا خریدا ہے یا سستا؟ وہ اسے پہچان لے گا لیکن شرم کے مارے یہ نہیں کہے گا کہ یہ خنجر میرا ہے۔ اگر وہ پوچھے کہ کہاں سے خریدا اور کتنے دام دیئے؟ تو کہیو میں نے دیکھا کہ دو بدکار آپس میں ملے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تو کہاں تھا؟ وہ بولا کہ اپنی آشنا کے پاس اور جب کبھی میں اس کے پاس جاتا ہوں تو وہ مجھے درہم دیا کرتی ہے لیکن آج اس نے کہا میرے پاس اس وقت درہم نہیں ہیں لہٰذا یہ خنجر لے جا' یہ میرے شوہر کا ہے۔ میں اس سے لے آیا اور چاہتا ہوں کہ اسے بیچوں۔ مجھے یہ خنجر پسند آیا میں نے تین سو دینار میں اسے خرید لیا' بتا سستا خریدا یا مہنگا؟ اس کے تھوڑی دیر بعد اس کے پاس سے چلا آئیو اور سرنگ کے قریب آ کر خنجر مجھے واپس دیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے۔ لڑکا خنجر لے کر جوہری کے پاس پہنچا اور کہا

اسے دیکھ۔ جوہری نے اپنا خنجر پہچان لیا لیکن مارے شرم کے کچھ نہ بولا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



○○○

- ## نو سو تہترویں رات

نو سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوہری نے خنجر ہاتھ میں لے کر پوچھا تو نے یہ کہاں سے خریدا؟ اس نے وہی جواب دیا جو لڑکی نے اسے سکھا پڑھا دیا تھا۔ جوہری بولا ان داموں یہ سستا ہے' اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے۔ جوہری کا دل اندر سے تڑپ رہا تھا' اس نے اپنا کام بند کر دیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اگر لڑکا اس سے پچاس لفظ کہتا تو وہ جواب میں محض ایک لفظ بولتا۔ جوہری کی یہ حالت دیکھ کر لڑکا اٹھا اور جلدی سے گھر چلا گیا۔ لڑکی نے پوچھا جو میں نے تجھ سے کہا تھا تو نے کیا؟ اس نے جواب دیا؟ لڑکا بولا اس نے کہا' یہ ان داموں سستا ہے' اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے' لیکن اس کا رنگ فق ہو گیا اور میں اٹھ کر چلا آیا۔ لڑکی نے اس سے خنجر لے کر وہیں رکھ دیا جہاں وہ پہلے تھا اور بیٹھ گئی۔

یہ تو لڑکی کا ماجرا ہوا' اب اس کے شوہر کا حال سنو۔ قمر الزمان کے چلے جانے کے بعد اسے بڑی پریشانی اور گھبراہٹ ہوئی وہ اپنے دل میں کہنے لگا چل کر خنجر تلاش کرنا چاہیے تا کہ شک دور ہو جائے۔ وہ گھر گیا اور اژدھے کی طرح ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا! خیریت تو ہے؟ اس نے پوچھا خنجر کہاں ہے؟ بیوی بولی صندوق میں' اور پھر سینہ کوٹنے اور کہنے لگی ہائے میرے اللہ' کہیں تو کسی سے لڑا تو نہیں کہ خنجر لے کر اسے مارنے جائے گا؟ اس نے کہا خنجر لا کر مجھے دکھا۔ بیوی نے کہا' پہلے تو قسم کھا کہ اس سے کسی کو مارے گا تو نہیں۔ اس نے قسم کھائی بیوی خنجر نکال کر اس کے پاس لے آئی۔ وہ خنجر کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور کہتا یہ عجیب بات ہے! بیوی نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ وہ بولا میں نے اپنے دوست کے پاس ایسا ہی خنجر دیکھا ہے لیکن اب اسے دیکھ کر میرا شبہ جاتا رہا۔ بیوی بولی شاید تو نے میری طرف سے بدگمانی کی مجھے بدکار سمجھا اور یہ کہ میں نے اسے خنجر دیا

ہے؟ جوہری بولا ہاں مجھے شک ہوا تھا مگر خنجر دیکھنے کے بعد اطمینان ہو گیا ہے۔ بیوی نے کہا مردود' اب تجھ میں کوئی بھلائی باقی نہیں۔ جوہری معذرت کرنے لگا یہاں تک کہ وہ مان گئی اور جوہری اٹھ کر دکان پر چلا گیا۔ دوسرے دن اس نے قمر الزمان کو اپنے شوہر کی گھڑی دے کر اس کے پاس بھیجا جسے اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا جو لاجواب تھی اور کہا اس سے کہیو جس شخص کو میں نے کل دیکھا تھا' آج بھی دیکھا اس کے ہاتھ میں یہ گھڑی تھی' کہنے لگا یہ گھڑی خریدتا ہے؟ میں نے کہا' اسے کہاں سے لایا؟ اس نے کہا اپنی آشنا کے پاس سے' میں نے اسے پچاسی دینار میں خرید لیا۔ بتا یہ سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد تو جلدی سے واپس آ کر مجھے گھڑی دے دیجیو۔ قمر الزمان نے جوہری کے پاس آ کر یہی باتیں کہیں' اس نے کہا یہ گھڑی سات سو دینار کی ہے اور پھر شک میں پڑ گیا' ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور کہا میری گھڑی کہاں ہے؟ اس نے گھڑی نکال کر دکھا دی جوہری لاحول.... پڑھنے لگا اور بیوی سے کہا پہلے میں نے اپنے دوست تاجر کے پاس اپنا خنجر دیکھا اور پھر گھڑی' دونوں میری ہی بنائی ہوئی چیزیں ہیں ان کا جواب بھرے بھر میں کسی کے پاس نہیں کیا بتاؤں اس نے یہ یہ باتیں کیں جن سے مجھے رنج پہنچا میری عقل دنگ ہو گئی اور خدا جانے میرے اوپر کیا گزری۔ بیوی نے کہا تیری تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ میں اس تاجر کی دوست اور آشنا ہوں تو نے مجھے خائن ٹھہرایا اور مجھ سے پوچھنے آیا۔ اگر تو نے میرے پاس اپنی گھڑی اور خنجر دیکھ نہ لیا ہوتا تو تجھے میری خیانت کا یقین آ جاتا۔ تیری اس بدگمانی کی وجہ سے اب میں نہ تیری روٹی کھاؤں گی نہ تیرا پانی پیوں گی اور تیری صحبت کو حرام سمجھوں گی۔ شوہر اسے منانے لگا اور پھر من گئی اور شوہر پشیمان ہو کر دکان چلا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- نو سو چوہترویں رات

نو سو چوہترویں رات اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جوہری پشیمان ہو کر دکان چلا گیا' کبھی شک کرتا کبھی یقین۔ شام کے وقت وہ اکیلا قمر الزمان کے بغیر گھر آیا۔



لڑکی نے پوچھا' قمر الزمان کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا' اپنے گھر میں۔ لڑکی بولی' کیا تم دونوں کی دوستی ٹھنڈی پڑ گئی؟ شوہر نے کہا' واللہ ان باتوں سے میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں۔ لڑکی بولی جا اور میری خاطر سے اسے لے آ۔ جوہری اٹھ کر اس کے گھر گیا اپنا سامان وہاں پھیلا پڑا دیکھا اس کے دل میں اگ بھڑکنے لگی آہیں بھرنے لگا۔ قمر الزمان نے پوچھا تو کس سوچ میں پڑا ہے؟ لیکن مارے شرم کے اس نے کچھ نہ کہا اور اس سے اپنے گھر چلنے کو کہا۔ اس نے جواب دیا' میں تیرے گھر نہیں جاؤں گا' مجھے یہیں رہنے دے۔ جوہری نے اسے قسم دی اور اپنے گھر لے گیا۔ دونوں نے کھانا کھایا اور تھوڑی دیر تک جاگتے رہے۔ اگر قمر الزمان اس سے سو لفظ کہتا تو وہ ایک لفظ میں جواب دیتا۔ اس کے بعد کنیز پیالے لائی جوہری پی کر سو گیا اور لڑکا جاگتا رہا۔ لڑکی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی دیکھا تو نے اس سینگ دار کو کہ وہ پڑا سو رہا ہے اسے عورتوں کے چھل فریب کی بالکل خبر نہیں۔ میں اس کے ساتھ اب ایسی چال چلوں گی کہ وہ مجھے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے۔ کل میں کنیز کے بھیس بدل کر تیرے ساتھ دکان چلوں گی تو کہیو کہ استاد! آج میں یسیرجیہ کی سرائے گیا تھا وہاں اس کنیز کو ایک ہزار دینار میں مول لیا ہے' دیکھ کہ ان داموں سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد میرا چہرہ اور سینہ کھول کر اسے دکھا دیجیو' پھر مجھے اپنے گھر واپس لے آئیو میں سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی جاؤں گی اور اس آخری چال کا نتیجہ دیکھوں گی۔

دونوں نے رات بڑے مزے میں گزاری صبح ہوتے لڑکی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کنیز

نے آ کر اپنے آقا اور قمر الزمان کو جگایا۔ دونوں نے اٹھ کر وضو کیا' فجر کی نماز پڑھی ناشتہ اڑایا' قہوہ پیا' جوہری دکان چلا گیا اور قمر الزمان اپنے گھر۔ اتنے میں لڑکی کنیز کا بھیس بدل سرنگ میں سے نکل کر اس کے پاس آئی۔ وہ پہلے تھی بھی کنیز ہی اور قمر الزمان کے ساتھ دکان چلی۔ وہاں پہنچ کر قمر الزمان نے جوہری کو سلام کیا اور بیٹھ کر کہنے لگا استاد! آج میں سیر کی غرض سے بیسرجیہ کی سرائے گیا تھا۔ ایک دلال کے ساتھ اس کنیز کو دیکھا مجھے پسند آئی اور میں نے ایک ہزار دینار میں مول لے لیا۔ میں چاہتا ہوں تو اسے دیکھ کر بتائے کہ یہ سودا سستا ہے یا مہنگا۔ اتنا کہہ کر اس نے اس کا چہرہ کھول دیا جوہری نے دیکھا کہ وہ اس کی بیوی ہے' خوب بنی ٹھنی سرمہ اور مہندی لگائے جس طرح کہ وہ اس کے آگے گھر میں بنی ٹھنی رہتی ہے۔ اس کے چہرے لباس اور گہنے سے جو اس نے خود بنایا تھا وہ اسے بالکل پہچان گیا اس نظر ان انگوٹھیوں' پر بھی پڑی جو اس نے حال میں قمر الزمان کے لیے بنائی تھیں اور اسے ہر طرح سے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ اس نے پوچھا کنیز' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا' حلیمہ۔ یہی اس کی بیوی کا نام تھا۔ اب اس نے جوان سے پوچھا' تو نے اسے کتنے میں خریدا ہے؟ لڑکا بولا ایک ہزار دینار میں۔ جوہری نے کہا ان داموں میں مفت ہے کیونکہ محض اس کی انگوٹھیوں' لباس اور دوسرے گہنے کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ جوان بولا تو نے میرا سودا پسند کیا۔ خدا تجھے نیکی دے' اب میں اپنے گھر جاتا ہوں اور لڑکی کو ساتھ لے اپنے گھر چلا گیا اور لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

یہ تو لڑکی کے ساتھ پیش آیا' ادھر جوہری کے دل میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس نے اپنے دل میں کہا میں ابھی جا کر اپنی بیوی کو دیکھتا ہوں۔ اگر وہ گھر میں ہے تو یہ کنیز اس کے ہم شکل ہے اور اگر وہ گھر میں نہیں تو وہ ضرور میری بیوی ہے۔ وہ اٹھ کر گھر گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہی لباس اور گہنا پہنے بیٹھی ہوئی ہے ہاتھ پر ہاتھ مار کر لاحول.... پڑھنے لگا۔ بیوی بولی تجھے جنون تو نہیں ہو گیا ہے؟ اس نے کہا

ہمارا دوست تاجر ایک کنیز خرید کر لایا تھا اس کا قد بھی تجھ سا تھا' بلندی بھی تجھ جیسی' نام بھی تیرا ہی اور لباس بھی یہی تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر گمان کیا کہ تو ہی ہے۔ کاش میں اس تاجر سے نہ ملا ہوتا کیونکہ اس نے میری خوشی مٹی میں ملا دی ہے اور میرے دل میں شک پیدا کر دیا ہے! بیوی بولی میرا چہرہ خوب غور سے دیکھ' ممکن ہے میں ہی اس کے ساتھ ہوں اور وہ میرا آشنا ہو۔ جوہری بولا تو یہ کیا کہتی ہے؟ میرے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ تو ایسی حرکت کرے۔ اس کے بعد بیوی نے کہا میں یہیں بیٹھی رہتی ہوں تو جا کر دروازہ کھڑکھڑا اور کسی چال سے فوراً اندر چلا جا۔ اگر تو نے اس کے پاس کسی کنیز کو دیکھا تو وہ میرے مشابہ ہو گی اور کسی کنیز کو نہ دیکھا تو وہ کنیز میں ہی ہوں اور تیرا شبہ بجا ہو گا۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے اور وہاں سے چل دیا۔ ادھر اس کی بیوی سرنگ میں سے ہو کر قمر الزمان کے پاس پہنچی اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا فوراً دروازہ کھول کر اسے میری صورت دکھا دے۔ اس نے دروازہ کھول کر جوہری کو اندر بلا لیا۔ جوہری نے دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ بیوی نے اٹھ کر اس کے اور قمر الزمان کے ہاتھ چومے۔ جوہری دیر تک اسے دیکھتا رہا اور اس سے باتیں کرتا رہا دیکھا کہ اس کنیز اور اس کی بیوی میں کوئی فرق نہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا' خدا جو چاہے پیدا کرے۔ اب اس کی حیرانی پریشانی اور بڑھ گئی وہ فوراً اپنے گھر واپس گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے کیونکہ وہ سرنگ میں سے ہو کر اس سے پہلے گھر پہنچ گئی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ◯ ○

## • نو سو چھپتروین رات

نو سو چھپترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے شوہر سے پہلے گھر پہنچ گئی اور جب وہ آیا تو کہنے لگی تو نے کیا دیکھا؟



شوہر نے کہا وہ اپنے آقا کے پاس تھی اور تیرے ہم شکل بیوی بولی جا اپنی دکان' میری طرف سے تو کافی بدگمانی کر چکا۔ شوہر بولا' قصور معاف کر۔ بیوی نے کہا خدا تجھے معاف کرے! اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو دائیں بائیں لپٹایا اور دکان چلا گیا۔

بیوی چار تھیلیاں لے کر سرنگ کے راستے سے قمر الزمان کے پاس پہنچی اور کہا جلدی سے سفر کی تیاری اور مال لے چلنے کا انتظام کر۔ قمر الزمان نے بازار جا کر خچر خریدے' ایک تخت رواں تیار کرایا غلام اور ہیجڑے مول لیے اور سب کو شہر کے باہر پہنچا کر لڑکی کے پاس آیا اور کہا میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔ لڑکی بولی' میں بھی اس کا سارا مال متاع لے کر تیرے پاس آ گئی ہوں اس کے پاس ایک تنکا تک نہیں چھوڑا ہے۔

اے میرے پیارے! یہ سب تیری محبت کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے شوہر کو ہزار بار تجھ پر قربان کرتی ہوں۔ لیکن تجھے چاہیے کہ جا کر اس سے رخصت ہو اور کہہ کہ میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں' جو کچھ کرایہ میری طرف نکلتا ہو اس کا حساب کر لے تاکہ میں ادا کر دوں۔ جو کچھ وہ جواب دے مجھ سے آ کر کہیو' میں تو عاجز آ گئی ہوں اور لاکھ کوشش کی کہ وہ مجھے طلاق دے دے لیکن وہ اور زیادہ مجھ سے مانوس ہوتا جاتا ہے اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ میں تیرے وطن چلی چلوں۔

قمر الزمان نے کہا کاش یہ خواب صحیح نکلے اس نے دکان پر جا کر کہا' استاد! میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں اور تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں' کرائے کا حساب کر لے تاکہ میں بے باق کر دوں۔ جوہری نے کہا تو یہ کیا باتیں کرتا ہے؟ احسان تو تیرا میرے اوپر ہے' میں گھر کا کرایہ ہرگز نہ لوں گا۔ لیکن تو نے سفر کا نام لے

کر مجھے اداس کر دیا اگر میرے اوپر یہ حرام نہ ہوتا تو میں تجھے تیرے وطن جانے سے روک لیتا۔ یہ کہہ کر وہ گلے ملے اور دونوں بے حد روئے اور جوہری دکان بند کر کے اسے رخصت کرنے چلا۔ جب وہ قمر الزمان کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ بیوی وہاں موجود ہے پھر اپنے گھر گیا تو اسے وہاں پایا۔



تین دن تک یہی حالت رہی' اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ جوہری کا سارا مال اور فرش فروش تو میں نے یہاں منتقل کر دیا ہے محض وہ کنیز باقی رہ گئی ہے جو تمہارے لیے رات کو شراب لاتی ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتی وہ میری رشتے دار ہے میں اسے چاہتی ہوں اور وہ میری راز دار بھی ہے۔ میں اس پر ناراض ہوں گی' اسے ماروں گی اور جب میرا شوہر آئے گا تو اس سے کہوں گی کہ میں اس کنیز کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہنا چاہتی' اسے لے جا کر بیچ ڈال وہ اسے بیچنے لے جائے تو تو اسے خرید لیجیو تاکہ ہم اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ اب اس نے کنیز کو مارا شوہر آیا تو اسے روتا دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا میری آقا نے مارا ہے۔ جوہری نے بیوی سے پوچھا کہ اس مردود کنیز نے کیا خطا کی کہ تو نے اسے مارا؟ میں اس کنیز کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی' اسے لے جا کر بیچ ڈال ورنہ مجھے طلاق دے دے۔ جوہری نے کہا میں ہرگز تیری مخالفت نہ کروں گا اسے ابھی بیچ آتا ہوں۔ وہ اسے بیچنے چلا تو راہ میں قمر الزمان ملا۔ اس اثنا میں لڑکی سرنگ میں سے ہو کر قمر الزمان کے پاس پہنچی اور قبل اس کے وہ جوہری کے پاس جائے اس نے لڑکی کو تخت رواں پر سوار کر دیا۔ جب وہ جوہری کے پاس پہنچا اور اس کے ساتھ اس نے کنیز کو دیکھا تو کہا یہ کیا؟ جوہری بولا یہ میری کنیز ہے جو ہمیں شراب پلایا کرتی تھی لیکن اس نے اپنی آقا کو ناراض کر دیا ہے اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے بیچ ڈالوں۔ جوان نے کہا میرے ہاتھ بیچ ڈالو' اس کی وجہ سے مجھے تیری یاد آتی رہے گی اور میری کنیز حلیمہ کی خدمت کرے۔ جوہری بولا بہت خوب لے جا۔ جوان نے کہا' کتنے میں؟ جوہری بولا تجھ سے کچھ نہ لوں گا تیرا میرے اوپر احسان

ہے۔ اس نے منظور کر لیا اور لڑکی سے کہا اپنے آقا کا ہاتھ چوم' لڑکی نے تخت رواں سے اتر کر اس کا ہاتھ چوما اور پھر سوار ہو گئی۔ جوہری اسے دیکھتا رہا۔ قمر الزمان نے کہا' استاد عبید' میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں' ہمارا حساب کتاب بے باق ہے۔ جوہری بولا' خدا بے باق کرے اور تجھے صحیح و سلامت گھر والوں سے ملائے؟ غرض کہ اس سے رخصت ہو کر وہ روتا ہوا دکان پہنچا اسے قمر الزمان سے چھٹنے کا افسوس تھا ساتھ ہی اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ چلا گیا اور بیوی کے بارے میں اس کا شک صحیح نہ نکلا۔ ادھر لڑکی نے قمر الزمان سے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- **نو سو چھترویں رات**

نو سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی نے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو۔ قمر الزمان اس راستے سے روانہ ہوا جدھر سے لوگ عموماً آتے جاتے نہ تھے' چلتے چلتے مصر کی سرحد پر پہنچا اور وہاں پیادے کے ہاتھ باپ کو خط بھیجا۔ باپ تاجروں کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیادہ پہنچا۔ اس نے پوچھا تم میں سے عبدالرحمان نامی تاجر کون ہے؟ لوگوں نے کہا' تیرا اس سے کیا کام ہے؟ وہ بولا کہ میں اس کے بیٹے کا خط لایا ہوں اور میں نے اسے عریش کے پاس چھوڑا ہے۔ یہ سن کر عبدالرحمان خوش ہو گیا۔ دوسرے تاجر نے بھی خوش ہو کر اسے مبارک دی اس نے خط لے کر پڑھا------

"قمر الزمان کی طرف تاجر عبدالرحمان کے نام' تجھ پر اور تمام تاجروں پر سلام پہنچے۔ خدا کا شکر کہ میں بھی بخیریت ہوں۔ میں نے خرید و فروخت کی' کمایا اور صحیح و سلامت لوٹ کر آ رہا ہوں۔"

یہ پڑھتے ہی وہ خوشیاں منانے لگے۔ دعوتیں اور گانا بجانا ہونے لگا۔ جب اس کا بیٹا صالحیہ پہنچا تو باپ اور تمام تاجر اس کے استقبال کے لیے گئے اور اس سے ملے۔ باپ اس کے گلے لپٹ گیا اسے سینے سے لگا لیا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو کہا بیٹا' مبارک ہو آج کا دن خدا نے ہمیں تجھ سے ملایا! اب اور تاجروں نے بڑھ کر اسے سلام کیا دیکھا کہ اس کے ساتھ بہت سا سامان' نوکر چاکر ایک تخت رواں ہے انہیں ساتھ لے کر وہ اس کے گھر پہنچے۔ لڑکی تخت رواں میں سے اتری' باپ نے دیکھا کہ وہ انسان کیا فتنہ ہے۔ اسے ایک محل میں اتارا' گویا وہ خزانہ تھی جو طلسمات سے نکلی تھی۔ ماں بھی اسے دیکھ کر فریفتہ ہو گئی سمجھی کہ وہ کوئی شاہزادی ہے۔ خوش ہوئی اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا تیری بہو ہوں۔ ماں نے کہا تو پھر ہمیں اس خوشی میں جشن منانا چاہیے۔

یہ تو لڑکی کا قصہ ہوا' اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اس نے بیٹے کے پاس آ کر پوچھا یہ کنیز کون ہے اور تو نے اسے کتنے میں مول لیا؟ اس نے جواب دیا یہ کنیز نہیں' یہ وہی لڑکی ہے جس کی وجہ سے میں پردیس گیا اور جس کا ذکر درویش نے کیا تھا۔ درویش سے اس کا ذکر سنتے ہی میرے دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ میں نے اسی کی خاطر سفر کیا راستے میں بدوؤں نے میرا سامان لوٹ لیا اور میرے کپڑے اتار لیے۔ میں اکیلا بصرے پہنچا اور میرے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا۔ باپ نے پوچھا ان تمام باتوں کے بعد تو نے اس سے شادی کی یا نہیں؟ لڑکا بولا نہیں لیکن اس سے میں نے وعدہ کر لیا ہے۔ باپ نے کہا کیا اب تو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو اجازت دے گا تو کر لوں گا ورنہ نہیں۔ باپ بولا اگر تو اس سے شادی کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں میرا ساتھ نہیں۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ یہ حرکت کی ہے تو تیرے ساتھ بھی یہی حرکت کرے گی۔ یہ دغاباز ہے اور دغاباز پر کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا مان لیا تو میں اس سے خوب صورت لڑکی تلاش کروں گا جو پاک صاف ہو اور ایسا جشن مناؤں گا کہ کبھی نہ منایا گیا ہو۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے فلاں کی بیٹی سے شادی کی ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ کہیں کہ اس نے ایک کنیز سے شادی کی جس کا حسب نسب معلوم نہیں۔ قمر الزمان نے کہا اگر یہ بات ہے تو میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔

یہ سن کر باپ نے قمر الزمان کی پیشانی چومی اور کہا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ تیری جان کی قسم میں تیری شادی ایسی لڑکی سے کروں گا جس کا جواب نہ ہو گا۔ اب عبدالرحمان نے جوہری عبید کی بیوی اور اس کی کنیز کو ایک اونچے محل میں اتارا اور ان کے ساتھ ایک کالی کنیز کو رکھا جو انہیں کھانا پینا پہنچائے اور کہلا بھیجا کہ تو اور تیری کنیز یہیں بند رہے گی جب تک میں تمہیں کسی کے ہاتھ بیچ نہ ڈالوں' اگر تو نے یہ نہ مانا تو میں تجھے اور تیری کنیز دونوں کو قتل کر دوں گا کیونکہ تو نے خیانت کی ہے اور تجھ

میں کوئی بھلائی نہیں۔ اس نے جواب دیا جو تیرا جی چاہے کر میں اس کی مستحق ہوں۔ اس نے دروازے میں قفل ڈال دیا اور اپنی بیوی سے کہا سوائے کالی کنیز کے ان کے پاس کوئی نہ جائے اور وہ بھی محض محراب میں سے انہیں کھانا پینا دے آیا کرے۔ اب وہ وہاں رہنے لگی۔ دن رات روتی اور پشیمان ہوتی کہ میں نے اپنے شوہر کے ساتھ کیا کیا۔



یہ تو اس کا قصہ ہوا' اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے کٹنیوں کو ہر طرف روانہ کر دیا جب وہ کسی خوب صورت لڑکی کو دیکھتیں تو انہیں معلوم ہوتا کہ ایک اور لڑکی اس سے بھی زیادہ حسین ہے یہاں تک کہ وہ شیخ اسلام کے گھر پہنچیں دیکھا کہ اس کی بیٹی جوہری عبید کی بیوی سے ہزار درجے بہتر ہے آ کر عبدالرحمان کو خبر کی۔ عبدالرحمان اور دوسرے بڑے آدمی اس کے باپ کے پاس پیغام لے کر پہنچے۔ نکاح نامہ تیار ہو گیا اور دعوتیں شروع ہو گئیں۔ پہلے دن فقیہوں کو بلایا گیا اور میلاد شریف ہوا' دوسرے دن تمام تاجر مدعو کئے گئے۔ ہر روز گانے بجانے والے آتے گاتے بجاتے روزانہ ایک خاص طبقے کی دعوت ہوتی۔ چالیس دن تک یہی رنگ رہے عبدالرحمان اور اس کا بیٹا بیٹھ کر تماشا دیکھتے کہ اس جشن کا جواب نہیں۔ آخری دن دور اور نزدیک کے فقیروں اور مسکینوں کو دعوت دی گئی اور وہ آ کر دعوت میں شریک ہونے لگے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ عبید بھی فقیروں کے ساتھ داخل ہوا۔ اس کے چہرے سے سفر کے آثار نمودار تھے وہ ننگا اور تھکا ہارا تھا۔ قمر الزمان نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور باپ سے کہا اس فقیر کو ملاحظہ کیا جو ابھی دروازے سے داخل ہوا ہے؟ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے آیا ہے جن کی قیمت دو درہم ہو گی' اس کا چہرہ زرد اور اس پر گرد پڑی ہوئی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

## نو سو سترویں رات



نو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب عبدالرحمان کے بیٹے نے اس سے کہا اس فقیر کو دیکھا تو اس نے پوچھا بیٹا! یہ کون ہے؟ اس نے جوب دیا جو عورت ہمارے ہاں قید میں ہے اس کا شوہر' استاد عبید جوہری ہے۔ اس کے آنے کا سبب یہ تھا کہ جب وہ قمر الزمان سے رخصت ہو کر دکان پر گیا تو دن بھر وہاں کام کرتا رہا شام کو دکان میں قفل ڈال کر گھر گیا' دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ کھل گیا اندر جا کر دیکھا کہ نہ اس کی بیوی ہے نہ سامان اور گھر بری حالت میں پڑا ہوا ہے۔ گھر کو خالی دیکھ کر وہ ادھر ادھر پاگلوں کی طرح پھرنے لگا کوئی نظر نہ آیا کوٹھڑی کھولی تو اس کا سارا سامان غائب تھا۔ اب اس کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اس کی بیوی ہی یہ چالیں چلتی تھی یہاں تک کہ وہ اسے دھوکا دے کر چل دی۔ لیکن اس نے یہ راز کسی سے نہ کہا تا کہ دشمن اس کا مذاق نہ اڑائیں اور دوستوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس رسوائی کو آشکارا نہ کر بلکہ جو کچھ تو کر سکتا ہے کر۔

اس نے گھر میں قفل لگایا دکان جا کر اسے اپنے ایک کاریگر کے سپرد کی اور کہا میرے دوست تاجر نے مجھے دعوت دی ہے کہ میں اس کے ساتھ مصر چل کر سیر کروں اور اپنی بیوی کو بھی لے چلوں۔ اگر حاکم دریافت کرے تو کہیو کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے چیزوں کو بیچ کر اونٹ' خچر اور غلام و کنیزیں خریدیں ایک کنیز کو تخت رواں میں بٹھایا اور دس دن کے بعد دوست احباب سے رخصت ہو کر بصرے روانہ ہو گیا۔ لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے۔ وہ خوش ہو گئے کہ ہر جمعے کو مسجدوں اور گھروں میں بند رہنے سے انہیں چھٹکارا ملا۔ بعض تو یہ کہتے تھے کہ خدا پھر اسے بصرے نہ لائے ورنہ ہم پھر جمعے کو

مسجدوں اور گھروں میں بند رہا کریں گے! بعض کہتے کہ بصرے والوں کی بد دعا کی وجہ سے وہ سفر سے لوٹے گا ہی نہیں۔ بعض کہتے کہ اگر وہ لوٹا بھی تو خراب حال ہو کر لوٹے گا۔ جب جمعے کا دن آیا تو دستور کے مطابق شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ لوگ نماز سے دو گھنٹے پہلے مسجدوں میں چلے جائیں یا گھروں میں چھپ رہیں اور کتے بلیاں بھی بند کر دی جائیں۔ یہ سن کر لوگ حیران پریشان ہو گئے' حاکم کے پاس دربار میں جا کر کہا کہ جوہری تو اپنی بیوی کو لے کر حج کرنے گیا ہے' اب ہمیں کس لیے بند کیا جاتا ہے؟ حاکم بولا کیا وہ دغا باز چلا گیا ہے اور مجھے خبر تک نہیں؟ اگر وہ واپس آ گیا تب بھی تمہیں پھر تکلیف نہ دی جائے گی' جاؤ اپنی دکانوں پر اور خرید و فروخت کرو۔

یہ تو حاکم اور بصرے والوں کا ماجرا ہوا' اب جوہری عبید کا قصہ سنو۔ دس مرحلے طے کرنے کے بعد اس پر وہی گزری جو قمر الزمان پر بصرے میں داخل ہوتے وقت گزری تھی۔ بدوؤں نے اس پر حملہ کر کے اس کے کپڑے لتے اتار لیے جو کچھ اس کے پاس تھا چھین لیا اور وہ مردہ بن کر لیٹ گیا۔ جب بدو چلے گئے تو وہ اٹھ کر آگے چلا اور چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا جہاں لوگوں نے اسے کچھ پھٹے پرانے کپڑے دے دیئے تاکہ وہ اپنی شرمگاہ ڈھانک سکے۔ اب وہ وہاں سے شہر بہ شہر بھیک مانگتا مصر پہنچا اور مارے بھوک کے بازاروں میں بھیک مانگنے لگا۔ ایک مصری نے اس سے کہا اے فقیر! آج ایک جگہ جشن منایا جا رہا ہے' وہاں جا کر کھا پی' اس وقت فقیروں اور مسکینوں ہی کی باری ہے۔ جوہری بولا مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ مصری نے کہا' میرے ساتھ چل میں تجھے دکھا دوں گا۔ وہاں پہنچا تو قمر الزمان کی نظر اس پر پڑی وہ اسے پہچان گیا اور اس نے اپنے باپ سے کہا۔ باپ بولا بیٹا! اس وقت وہ بھوکا ہے پہلے اسے کھا پی لینے دے پھر ہم اسے بلائیں گے۔ وہ کھا پی کر باہر جانے لگا تو قمر الزمان کے باپ نے ایک شخص کو اس کے پیچھے دوڑایا اس نے جا کر کہا اے پردیسی! تاجر عبدالرحمان تجھے بلا رہا ہے۔ اس نے کہا یہ تاجر کون ہے؟ پیادے نے کہا جس کے ہاں جشن ہو

رہا ہے۔ جوہری لوٹ پڑا وہ سمجھا کہ تاجر مجھے انعام دے گا۔

جونہی جوہری عبدالرحمان کے پاس پہنچا اور قمر الزمان سے چار آنکھیں ہوئی تو وہ مارے شرم کے بد حواس ہو گیا۔ قمرالزماں اٹھ کر اس سے لپٹ گیا سلام کیا اور دونوں دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کے بعد اس نے جوہری کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ باپ نے کہا اے ناسمجھ! دوست اس طرح نہیں ملا کرتے' اسے حمام بھیج اور اس کی شان کے لائق اسے کپڑے پہنا' اس کے بعد بیٹھ کر باتیں کر۔ تاجر نے ایک نوکر کو آواز دی اور کہا اسے حمام لے جا' اس نے اس کے لیے ایک پوشاک بھیجی جس کی قیمت ایک ہزار دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گی' اسے پہن کر وہ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے تاجروں کا شاہ بندر۔ جب وہ حمام میں تھا تو لوگوں نے قمر الزمان سے پوچھا یہ کون ہے اور تو اسے کہاں سے جانتا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ میرا دوست ہے' اس نے مجھے اپنے گھر میں رکھا اور مجھ پر بڑے احسان کئے ہیں۔ وہ امیر کبیر ہے اس کا پیشہ جوہری کا ہے اور بصرے کا حاکم اس سے بڑی محبت کرتا ہے۔ مجھے اس کے آگے شرم آتی ہے کہ اس کے احسانوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ کچھ کر سکتا۔ انہوں نے کہا ہم سب اس کا واجبی احترام کریں گے لیکن ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ مصر کس لیے آیا اور اس کا یہ برا حال کیونکر ہوا؟ جوان بولا' انسان قضا و قدر کی رسی میں جکڑا ہوا ہے اور جب تک وہ اس دنیا میں رہتا ہے آفتیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

اب قمر الزمان نے اپنی کہانی شروع کی کہ جب میں بصرے پہنچا تو میری حالت اس سے بھی زیادہ بری تھی۔ وہ تو کم از کم پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے' میرے پاس تو اپنی شرمگاہ چھپانے کے لیے بھی کوئی کپڑا لتا نہ تھا۔ میرا ایک ہاتھ آگے تھا اور ایک پیچھے' سوا خدا اور اس شخص کے کسی نے میری مدد نہ کی۔ جب بدو' میرے کپڑے لتے اور سامان لے کر چل دیئے تو میں بالکل ننگا بصرے میں داخل ہوا' اسی شخص نے مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیئے اور گھر رہنے کو' اور جو کچھ بھی میں لے کر آیا ہوں وہ خدا اور اس کی بدولت ہے۔ جس وقت میں مال و دولت لے کر خوش خوش اپنے

وطن لوٹا ہوں تو وہ بڑی اچھی حالت میں تھا شاید اس کے بعد اس پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے کہ وہ اپنے ملک اور وطن چھوڑ کر یہاں سے آیا اور غالباً راہ میں اس پر بھی وہی گزری ہے جو مجھ پر گزری تھی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ استاد عبید آ گیا۔ سب نے اٹھ کر اسے سلام کیا اور صدر میں بٹھایا۔ قمر الزمان نے کہا دوست! آج کا دن مبارک ہے۔ مجھ پر رشک نہ کھا کیونکہ یہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا اگر بدوؤں نے تیرا مال چھین لیا ہے تو غم نہ کر، تیرے جسم سے بلا اتر گئی۔ میں بھی تیرے شہر میں ننگا پہنچا تھا اور تو نے مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیئے میری عزت کی اور مجھ پر بڑا احسان کیا، میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • نو سو اٹھترویں رات

نو سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- قمر الزمان نے کہا میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ' میرے پاس بیٹھنے کے بعد غم کس



بات کا خوش ہو۔ اسی طرح وہ اس کی دل دہی کرتا رہا اور اسے بات کرنے کا موقع نہ دیا کہ کہیں وہ اپنی بیوی کا ذکر نہ کر بیٹھے۔ جوہری سمجھ گیا وہ بھی کچھ نہ بولا۔ پھر قمر الزمان اور اس کا باپ جوہری کو لے کر اندر گئے اس سے تنہائی میں باتیں کیں اور کہا ہم نے عمداً تجھے باتیں کرنے سے روکا ورنہ تیری اور ہماری دونوں کی فضیحت ہو جاتی۔ اب ہم اکیلے ہیں' بتا کہ تجھ میں تیری بیوی اور میرے بیٹے میں کیا ماجرا پیش آیا؟ جوہری نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ جب وہ ختم کر چکا تو عبدالرحمان نے پوچھا اس میں خطا تیری بیوی کی ہے یا میرے بیٹے کی؟ جوہری بولا تیرا بیٹا بالکل قصور وار نہیں۔ مردوں کو تو ہمیشہ عورتوں کی طرف کشش ہوتی ہے لیکن عورتوں کا فرض ہے کہ وہ مردوں سے بچتی رہیں۔ لہٰذا خطا میری بیوی کی ہے کیونکہ اس نے مجھے دھوکا دیا اور میرے ساتھ یہ حرکت کی۔ تاجر اٹھ کر اپنے بیٹے کے پاس گیا اور کہا میں نے اس کی بیوی کے بارے میں معلوم کر لیا ہے کہ وہ دغاباز ہے لیکن میں جاننا چاہتا ہوں آیا جوہری میں عزت اور انسانیت ہے یا وہ بھی کٹنا ہے؟ بیٹے نے کہا تو یہ کیسے معلوم کرے گا؟

تاجر بولا میں اس سے کہوں گا کہ وہ اپنی بیوی سے صلح کر لے۔ اگر وہ صلح کرنے پر راضی ہو گیا تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کے بعد اس کی بیوی اور کنیز کو بھی قتل کر ڈالوں گا کیونکہ کٹنے اور زانیہ کے جینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر وہ اس سے الگ ہو جائے گا تو میں اس کی شادی تیری بہن سے کر دوں گا اور جتنا مال تجھے اس سے ملا ہے اس سے زیادہ اسے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ جوہری

کے پاس گیا اور کہا استاد! عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے بڑی دریا دلی کی ضرورت ہے اور جو ان سے محبت کرے اسے نہایت فراخ دلی سے کام لینا چاہیے وہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے مردوں کے ساتھ ناز نخرے کرتی اور انہیں ستاتی ہیں خاص کر جب انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے شوہر انہیں چاہتے ہیں جس مرد کا دل بڑا نہ ہو وہ اپنی بیوی کی بری بات دیکھ کر اس کی صحبت ترک کر دیتا ہے۔ عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ آسمان پر ہی کیوں نہ ہوں مردوں کی گردنیں ان کی طرف جھکتی ہیں۔ یہ تو تیری بیوی ہے اور تو نے اس کے ساتھ ایک مدت گزاری ہے' تجھے چاہیے کہ اسے معاف کر دے۔ عورتوں کی سمجھ اور دین ناقص ہوتے ہیں اگرچہ اس نے برا کیا ہے اب وہ توبہ کرتی ہے اور خدا نے چاہا تو وہ پھر ایسا نہ کرے گی۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ تو اس کے ساتھ صلح کر لے میں تیرے مال سے زیادہ تجھے دوں گا۔ اور اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہے گا تو بہ سر و چشم' یہاں تم لوگوں کے لیے ہر طرح سے خوشی ہی خوشی ہے۔ اور اگر تو اپنے گھر جانا چاہے تو جو تیری مرضی ہو لے جا تخت رواں حاضر ہے۔ اپنی بیوی اور کنیز کو اس میں بٹھا کر اپنے وطن چلا جا جوہری نے پوچھا۔ اے میرے آقا! میری بیوی کہاں ہے؟ اس نے کہا' فلاں محل میں۔ اس کے پاس جا کر اسے میری طرف سے تسلی دے اور سختی نہ کر۔ جب میرا بیٹا اسے لایا ہے تو وہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے روک دیا اسے ایک محل میں اتار کر اس میں قفل لگا دیا اور اپنے دل میں کہا کہ جب اس کا شوہر آئے گا تو میں اسے اس کے سپرد کر دوں گا کیونکہ وہ حسین ہے۔ اب رہا میرا بیٹا' اس کی شادی میں نے دوسری لڑکی سے کر دی ہے یہ اسی کا جشن ہے جو منایا جا رہا ہے اور آج رات وہ اس سے ہم بستر ہو گا۔ لے یہ اس محل کی کنجی ہے جس میں تیری بیوی ہے' اسے کھول کر اپنی بیوی اور کنیز سے مل اور خوش ہو۔ میں کھانا پینا بھیجتا ہوں' جب تک تو پیٹ بھر کر کھا نہ لیجیو وہاں سے نہ نکلیو۔ جوہری بولا خدا تجھے نیک بدلہ دے' اور کنجی لے کر خوش خوش چل دیا۔ تاجر سمجھا کہ اسے یہ باتیں

پسند آئیں' تلوار لے کر چپکے چپکے اس کے پیچھے ہو لیا اور کھڑا ہو کر سننے لگا کہ اس میں اور اس کی بیوی میں کیا باتیں پیش آتی ہیں۔



یہ تو عبدالرحمان کا قصہ ہے' اب جوہری کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا' سنو! جب وہ اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اس بات پر بلک بلک کر رو رہی ہے کہ قمر الزمان نے دوسری شادی کر لی اور کنیز اس سے کہہ رہی ہے کہ اے میری آقا! میں نے تجھے کتنا سمجھایا کہ اس جوان سے تجھے کوئی بھلائی نہ ملے گی لیکن تو نے میری بات نہ سنی اپنے شوہر کا مال تک اسے دے دیا اور گھر بار چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دی دیکھا اس نے تجھے کس طرح اپنے دل سے نکال دیا اور دوسری شادی کر لی اور تجھے قید کر دیا۔ لڑکی بولی' اے ملعونہ! چپ رہ' اگرچہ اس نے دوسری شادی کر لی لیکن ایک نہ ایک دن اسے ضرور میری یاد آئے گی اور وہ میرے بارے میں دریافت کرے گا۔ میں اپنے دل سے اس کی محبت نہیں نکال سکتی خواہ میں قید خانے میں مر ہی کیوں نہ جاؤں وہ میرا پیارا اور میرے دکھ کی دوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری طرف لوٹ کر آ جائے گا۔ جب اس کے شوہر نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اس کے پاس جا کر کہا اے دغا باز! تیری امید اس کے بارے میں ایسی ہے جیسی ابلیس کی جنت کے بارے میں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تجھ میں یہ عیب ہے تو میں تجھے ایک پہر اپنے پاس نہ ٹھہرنے دیتا۔ اب جب کہ مجھے یقین ہو گیا ہے تو لازم ہے کہ میں تیری گردن اڑا دوں خواہ اس کے بدلے میں قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے اس کا گلا اس زور سے دبایا کہ وہ مر گئی۔ کنیز چلانے لگی کہ ہائے میری آقا! جوہری نے کہا اے چڑیل' قصور سارا تیرا ہے' تجھے معلوم تھا کہ وہ یہ جو کچھ کر رہی ہے لیکن تو نے مجھے خبر نہ کی۔ اس کے بعد اس نے کنیز کا بھی گلا گھونٹ دیا۔

ادھر یہ وارادات ہو رہی تھی اور ادھر عبدالرحمٰن ہاتھ میں تلوار لیے دروازے کے پیچھے کھڑا سن رہا اور دیکھ رہا تھا۔ جب عبید نے دیکھا کہ میں نے تاجر کے گھر میں انہیں مار ڈالا ہے تو اسے طرح طرح کے وہم آنے لگے' نتیجے سے ڈرا اور اپنے دل میں

کہنے لگا کہ جب تاجر کو معلوم ہو گا میں نے انہیں اس کے محل کے اندر قتل کیا ہے تو وہ ضرور مجھے بھی قتل کر ڈالے گا' لیکن میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ میرا خاتمہ



ایمان پر ہو! اتنے میں تاجر عبدالرحمان اس کے پاس اندر جا پہنچا اور کہنے لگا ڈر نہیں تیرا بال بیکا نہ ہو گا۔ دیکھ یہ تلوار میں اس لیے لایا تھا کہ اگر تو نے صلح کر لی تو میں تجھے بھی مار ڈالوں اور لڑکی کو بھی۔ لیکن چونکہ تو نے یہ کام کیا ہے' لہٰذا مرحبا' مرحبا! اس کے بدلے میں تیری شادی اپنی بیٹی سے کروں گا۔ اب تاجر جوہری کو لے کر باہر آیا مردہ شو کو بلوایا اور یہ خبر مشہور کر دی کہ قمر الزمان دو کنیزیں ساتھ لایا تھا' ان کا انتقال ہو گیا لوگ اس کے پاس تعزیت کے لیے آتے اور کہتے کہ تو سلامت رہے ان کے بدل خدا تجھے اور دے! اس کے بعد دونوں کو غسل دے کر کفن پہنایا اور دفن کر آئے۔ کسی کو اصل واقعے کا پتا تک نہ چلا۔

یہ تو جوہری عبید اور اس کی بیوی اور کنیز ماجرا ہوا۔ اب تاجر عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے شیخ الاسلام اور تمام امراء کو بلا کر کہا کہ اے شیخ الاسلام! میری بیٹی کوکب الصباح کا نکاح نامہ استاد عبید جوہری کے نام لکھ دے۔ اس کا مہر مجھے پورا مل چکا ہے اور دونوں جشن ساتھ ساتھ منائے جانے لگے۔ شیخ الاسلام کی بیٹی اور کوکب الصباح کی منہ دکھائی ایک ہی تخت رواں پر ایک ہی رات ساتھ ساتھ کی گئی۔ اسی طرح شام کے وقت قمر الزمان اور استاد عبید کی منہ دکھائی ساتھ ساتھ ہوئی اور عبید نے دیکھا کہ کوکب الصباح اس کی بیوی سے ہزار درجے خوبصورت ہے۔ کچھ دنوں تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ ایک روز تاجر عبدالرحمان کے پاس گیا اور کہنے لگا چچا' مجھے وطن جانے کا اشتیاق ہے' وہاں میرا بڑا کاروبار ہے میں اسے اپنے ایک کاریگر کے سپرد کر آیا تھا۔ چاہتا ہوں کہ وطن جا کر ساری چیزیں بیچ ڈالوں اور پھر لوٹ کر یہاں آ جاؤں۔ تاجر بولا بیٹا! تجھے دل سے اجازت دیتا ہوں وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے لیکن اگر تو بغیر اپنی بیوی کے واپس جائے گا تو تیرا دل ڈانواں ڈول رہے گا کہ وطن میں رہوں یا بیوی کے پاس جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی بیوی کو بھی

لیتا جا' پھر اگر تو یہاں آنا چاہے تو مرحبا۔ ہم لوگ طلاق بالکل نہیں جانتے نہ ہماری عورتیں دوبارہ شادی کرتی ہیں اور نہ ہم کسی شخص کو نکال باہر کرتے ہیں۔



جوہری بولا مجھے ڈر ہے کہ شاید تیری لڑکی میرے ساتھ وطن چلنے پر راضی نہ ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنے شوہر کی مخالفت کرے یا اس پر ناراض ہو۔ جوہری بولا برکت دے خدا تمہیں اور تمہاری عورتوں کو۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں' تو کیا کہتی ہے؟ وہ بولی کہ جب تک میں کنواری تھی باپ کے حکم پر چلتی تھی اور اب چونکہ میری شادی ہو گئی ہے شوہر کا حکم مانوں گی اور کبھی اس کی مخالفت نہ کروں گی۔ جوہری بولا برکت دے خدا تجھے اور تیرے باپ کو اور رحمت بھیجے اس پر جس نے تیرا بوجھ اٹھایا اور اس پیٹھ پر جس سے تجھے رحم میں ڈالا۔ اب وہ چچا سے رخصت ہوا اور اپنی بیوی کو لے کر بصرے پہنچا۔ اس کے دوست اور رشتے دار اس کے خیر مقدم کے لیے گئے وہ اب تک اسی خیال میں تھے کہ وہ حجاز گیا ہوا ہے بعض اس کے آنے پر خوش تھے بعض ناخوش' بعض کہتے تھے کہ پھر وہ آ گیا ہے اب ہمیں پھر مسجدوں اور گھروں میں بند ہونا پڑے گا یہاں تک کہ کتوں اور بلیوں کو بھی بند کرنا پڑے گا۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا' اب بصرے کے حاکم کا قصہ سنو! جب اسے معلوم ہوا کہ جوہری آ گیا ہے تو وہ بہت ناراض ہوا اور اسے بلا کر کہا تو چلا گیا اور مجھے خبر تک نہ کی۔ کیا میں اتنا کم ہمت تھا کہ تجھے سفر کے لیے کچھ نہ دیتا؟ اس نے کہا معاف کر' واللہ میں حج پر نہیں گیا تھا بلکہ میرے ساتھ یہ باتیں پیش آئی تھیں۔ حاکم نے کہا واللہ اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر کے اس لڑکی سے شادی کر لیتا خواہ اس میں مجھے خزانے کیوں نہ خرچ کر دینے پڑتے لیکن خدا نے اسے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس لیے اسے اچھی طرح سے رکھیو۔اس کے بعد حاکم نے اسے انعام دیا اور وہ چلا آیا۔ پانچ سال تک لڑکی کے ساتھ بسر کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

حاکم نے اس سے شادی کی درخواست کی' وہ راضی نہ ہوئی اور حاکم سے کہا ہم لوگوں میں کوئی عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے شادی نہیں کرتی۔ للٰذا نہ میں تجھ سے شادی کر سکتی ہوں نہ کسی اور سے خواہ تو مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالے۔ اس کے بعد حاکم نے پوچھا کہ کیا تو اپنے وطن واپس جانا چاہتی ہے؟ اس نے جواب میں کہلا بھیجا اگر تو میرے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو تجھے اس کا بدلہ ملے گا۔ حاکم نے جوہری کا تمام مال جمع کیا اور اس کی حیثیت کے مطابق اپنے پاس سے بھی دیا اور اپنے ایک وزیر کے ہمراہ اسے روانہ کر دیا اور پانچ سو سوار اس کے ساتھ کر دیئے۔ وزیر اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا آئے۔ مرتے دم تک اس نے شادی نہ کی اور کر بھی کیسے سکتی تھی؟ جب اس نے حاکم سے شادی نہ کی تو پھر کس سے کرتی۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ سب عورتیں برابر ہوتی ہیں تو اس کے جنوں کا کوئی علاج نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور جو کبھی نہیں مرتی۔

○ عبداللہ بن فاضل اور اس کے بھائیوں کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------- ایک یہ کہانی بھی لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید ملکوں کے خراج کا معائنہ کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سوائے بصرے کے خراج کے تمام ملکوں کا خراج موجود ہے۔ وزیر جعفر کو بلا کر پوچھا کہ تمام ملکوں کا خراج بیت المال میں آ گیا ہے لیکن بصرے کا ابھی تک نہیں آیا۔ جعفر نے عرض کیا ممکن ہے کہ بصرے کے والی کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آ گئی ہو جس کی وجہ سے وہ خراج بھیجنا بھول گیا ہو۔ خلیفہ نے کہا خراج بھیجنے کی مدت بیس دن ہوئے گزر چکی ہے اس اثنا میں نہ اس نے خراج بھیجا اور نہ اس تعویق کی وجہ لکھی۔ جعفر نے کہا اگر تیری رائے ہو تو ہم اس کے پاس کسی کو بھیجیں۔ خلیفہ بولا ابو اسحاق الموصلی

الندیم کو بھیج۔ جعفر نے گھر جا کر ابو اسحاق کو بلوایا اور اسے خط دے کر کہا بصرے کے والی عبداللہ بن فاضل کے پاس جا اور دیکھ اس نے خراج بھیجنے میں کیوں غفلت کی۔ پھر خراج لے کر فوراً لوٹ آئیو۔ اگر خراج موجود نہ ہو اور وہ عذر کرے تو اسے اپنے ساتھ لیتا آئیو تاکہ وہ خلیفہ کے آگے خود جواب دہی کر لے۔ ابو اسحاق پانچ ہزار سوار لے کر روانہ ہو گیا اور بصرے پہنچا۔ عبداللہ بن فاضل کو اس کے آنے کی خبر ملی تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے استقبال کو گیا اسے لے کر بصرے میں داخل ہوا اور اپنے محل میں اتارا۔

جب ابواسحاق دربار میں آیا کرسی پر بیٹھا تو اس نے عبداللہ کو اپنے پہلو میں بٹھایا سارے درباری درجہ بہ درجہ بیٹھے۔ مزاج پرسی کے بعد ابن فاضل نے پوچھا اے میرے آقا! کیا کسی خاص وجہ سے تو نے قدم رنجہ فرمایا؟ اس نے کہا خراج لینے کے لیے کیونکہ خلیفہ کہتا ہے کہ خراج بھیجنے کا وقت گزر چکا اور ابھی تک نہیں آیا۔ ابن فاضل نے کہا اس لیے تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ خراج پورا حاضر ہے اور میں اسے کل بھیجنے والا تھا لیکن چونکہ تو آ گیا میں تین روز تیری ضیافت کر کے تیرے حوالے کر دوں گا' اور اب چونکہ تو نے اور امیر المومنین نے میرے اوپر مہربانی کی ہے میرے لیے واجب ہے کہ تجھے ہدیہ دوں۔ اس کے بعد اس کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا' قہوہ' شربت پلایا اور جب بیٹھے بیٹھے تہائی رات گزر گئی تو اس کے لیے ہاتھی دانت کا تخت بچھوایا جس پر سونے کا کام تھا۔ ابواسحاق اس پر لیٹ گیا اور بصرے کا والی دوسرے تخت پر جو اس کے بازو میں تھا۔ ابو اسحاق کو اس رات نیند نہ آئی کیونکہ وہ شعر کی بحروں اور نظام میں غرق تھا۔ اسے اشعار اور لطیفہ گوئی میں خاص لیاقت تھی' آدھی رات تک شعر کہتا رہا۔ اتنے وہ کیا دیکھتا ہے فاضل اٹھا اور ایک الماری کھول کر اس میں سے ایک کوڑا نکالا اور ایک جلتی ہوئی شمع لے کر محل کے دروازے سے نکل گیا' اسے یہی خیال تھا کہ ابو اسحاق سو رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- ## نو سو اناسی ویں رات

نو سو اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عبداللہ بن فاضل دروازے سے نکلا تو ابو اسحاق حیران ہوا اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ کوڑا لے کسی کو سزا دینے جاتا ہے۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے جا کر دیکھوں تو سہی کہ وہ آج رات کیا کرتا ہے۔ ابو اسحاق اٹھ کر دبے پاؤں اس کے پیچھے ہو لیا اس طرح سے کہ وہ اسے نہ دیکھ سکے کیا دیکھتا ہے کہ عبداللہ نے ایک کوٹھڑی کھولی اور اس میں سے ایک سینی نکالی جس پر چار پیالوں میں کھانا' روٹی اور ایک کوزہ پانی۔ان چیزوں کو لے کر وہ ایک دوسری کوٹھڑی میں گیا اور ابو اسحاق دروازے کی دراڑ میں سے جھانکنے لگا دیکھا اس میں بڑا قیمتی فرش بچھا ہوا ہے' بیچ میں ایک ہاتھی دانت کا تخت پڑا ہے جس پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں' اس تخت سے دو کتے سونے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ عبداللہ نے سینی تو ایک طرف رکھ دی اور آستینیں چڑھا کر

ایک کتے کو کھولا۔ کتا اچھلنے کودنے لگا اور اس نے اپنی تھوتھنی زمین پر رکھ دی گویا وہ اس کے آگے زمین چوم رہا ہے۔ اب اس نے کتے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوڑا نکالا اسے بے رحمی کے ساتھ مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ اس کی آواز بند ہو گئی وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے کتے کے ساتھ بھی وہی کیا جو پہلے کتے کے ساتھ کیا تھا' پھر اس نے رومال نکال کر دونوں کے آنسو پونچھے اور انہیں چمکار کر کہا مجھ سے ناراض نہ ہونا۔ واللہ میں یہ اپنی خوشی سے نہیں کرتا ہوں بلکہ یہ مجھ پر بہت گراں گزرتا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں اس مصیبت سے نجات دے۔ پھر اس نے دسترخوان پر سے کھانا لے کر ان کے منہ میں نوالے دیئے اور ان کے منہ پونچھ کر انہیں کوزے سے پانی پلایا' عبداللہ لوٹنے لگا تو ابو اسحاق اس سے پہلے

ہی جا کر تخت پر لیٹ گیا۔ عبداللہ نے ساری چیزیں اپنی جگہ رکھ دیں اور کپڑے اتار کر سو گیا۔

یہ تو اس کا ماجرا ہوا اب ابو اسحاق کا حال سنو! مارے حیرانی کے اسے رات بھر نیند نہ آئی وہ اپنے دل میں کہتا کہ یا اللہ' یہ کیا قصہ ہے؟ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اٹھ کر ناشتہ کیا اور قہوہ پی کر دربار میں گئے' ابو اسحاق اسی سوچ میں لگا رہا لیکن عبداللہ سے کچھ ذکر نہ کیا نہ اس نے کچھ پوچھا۔ دوسری رات پھر یہی باتیں اس کی نظر سے گزریں اور پھر تیسری رات بھی' چوتھے روز وہ خراج لے کر روانہ ہو گیا اور عبداللہ سے کچھ نہ کہا۔ جب اس نے بغداد پہنچ کر خلیفہ کو خراج دیا اور کہا کہ خراج روانگی کے لیے بالکل تیار تھا' اگر میں ایک دن بعد روانہ ہوتا تو وہ مجھے راستے میں ملتا' لیکن میں نے عبداللہ کی ایک ایسی عجیب و غریب بات دیکھی جو کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کی وجہ بھی پوچھی؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ خلیفہ نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ بصرے جا کر عبداللہ اور دونوں کتوں کو لے آ۔ اس نے کہا کہ مجھے اس سے معاف رکھ کیونکہ اس نے میرا بڑا احترام کیا ہے اور یہ باتیں مجھے اتفاقاً معلوم ہو گئی ہیں اور میں نے ان کا ذکر تجھ سے کر دیا ہے۔ میں کیا منہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور اسے لے کر یہاں آؤں؟ خلیفہ نے کہا اگر میں کسی دوسرے کو بھیجوں تو ممکن ہے کہ وہ مکر جائے کہے کہ میرے پاس کتے نہیں لیکن تیرے سامنے وہ مکر نہیں سکتا۔ اس لیے تیرا جانا ضروری ہے ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## نو سو اسی ویں رات



نو سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خلیفہ بولا کہ اگر تو نہ جائے گا تو میری تیری گردن اڑا دوں گا۔ ابو اسحاق نے کہا۔ یہ مثل سچ ہے کہ ساری آفتیں زبان سے پیدا ہوتی ہیں۔ میں نے تجھ سے کہہ کر خود اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا اچھا تو اپنے ہاتھ سے خط لکھ اور جا کر اسے لے آؤں گا۔ خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے خط لکھا اور وہ اسے لے کر بصرے روانہ ہو گیا۔ والی نے اسے دیکھ کر پوچھا خدا خیر کرے' تو دوبارہ کیسے آیا ہے؟ کیا خراج میں کچھ کمی ہے؟ اس نے کہا نہیں' خراج تو پورا ہے اور خلیفہ نے اسے منظور کر لیا ہے۔ لیکن مجھے معاف کر کہ مجھ سے تیرے حق میں ایک گستاخی سرزد ہو گئی ہے' کیا کیا جائے' قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ عبداللہ بولا وہ کیا ہے مجھ سے کہہ دے' تو میرا دوست ہے' میں تجھ پر ناراض نہیں ہو سکتا۔ ابو اسحاق بولا میں تیرے پاس مہمان تھا تو میں نے تین رات برابر دیکھا کہ تو اٹھ کر کتوں کو مارتا ہے لیکن مارے شرم کے میں نے تجھ سے کچھ کہا نہیں۔ اس کے بعد اتفاق سے خلیفہ کے سامنے میرے منہ سے یہ بات نکل گئی اس نے مجھے واپس بھیجا اور تجھے یہ خط دیا ہے۔ عبداللہ نے کہا چونکہ تو خلیفہ سے کہہ چکا ہے میں تجھے جھٹلاؤں گا نہیں' تو میرا دوست ہے اگر کوئی اور ہوتا تو میں مکر جاتا اور اسے جھٹلا دیتا۔ چل میں کتوں کو لے کر تیرے ساتھ چلتا ہوں خواہ اس میں میری موت ہی کیوں نہ ہو۔ ابو اسحاق بولا جس طرح تو نے خلیفہ کے آگے میری عزت رکھی لی خدا تیری عزت رکھے گا۔

اب اس نے خلیفہ کے لائق ہدیے لیے' دونوں کتوں کو سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اونٹوں پر سوار کیا اور بغداد پہنچ کر خلیفہ کے پاس گیا اس کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیسے کتے ہیں؟ اس پر دونوں کتے زمین چومنے اور دم ہلا ہلا کر رونے لگے

گویا وہ شکایت کر رہے تھے۔ خلیفہ کو اس پر تعجب ہوا اس نے کہا ان کیا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا یہ کتے نہیں بلکہ دو خوش رو اور حسین جوان اور میرے سگے بھائی ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا وہ انسان سے کس طرح کتے ہو گئے؟ عبداللہ نے کہا جو کچھ میں کہوں گا اس پر یہ دونوں گواہی دیں گے۔ خلیفہ بولا کتے کس طرح گواہی دے سکتے ہیں؟ اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر میں جھوٹ بولوں تو تم سر اوپر اٹھا کر آنکھیں پھیرنا اور اگر سچ کہوں تو سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لینا۔



پھر اس نے کہنا شروع کیا کہ اے خلیفہ! ہم تینوں سگے بھائی ہیں' ہماری ماں ایک اور باپ ایک۔ باپ کا نام فاضل تھا اس لیے کہ وہ ایک دوسرا بچہ جڑواں پیدا ہوئے تھے دوسرا بچہ مر گیا اور ہمارا باپ زندہ رہا لہٰذا اس کے باپ نے اس کا نام فاضل رکھا۔ اس کی تین اولادیں ہوئی سب سے بڑا منصور' منجھلا ناصر اور چھوٹا میں عبداللہ۔ جب ہم جوان ہوئے تو باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ہمارے لیے ترکے میں ایک مکان چھوڑا اور ایک دکان جس میں طرح طرح کے ہندی' رومی اور خراسانی کپڑے تھے اور ساٹھ ہزار دینار نقد۔ ہم نے اسے دفن کر کے اس کا ایک شان دار مزار بنایا اور چالیس روز تک قرآن خوانی کی۔ اس کے بعد میں نے تمام تاجروں اور شریفوں کو اکٹھا کر کے کھانا کھلایا اور ان سے کہا اے تاجرو! دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی' پاک ہے وہ ذات جو دنیا کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہے گی۔ میں نے تمہیں اس لیے جمع کیا ہے کہ ممکن ہے میرے باپ کے اوپر کسی کا قرضہ ہو تو میں ادا کر دوں۔ انہوں نے کہا اے عبداللہ! دنیا کے پیچھے آخرت بگاڑنا بے سود ہے' ہم جھوٹ نہ بولیں گے۔ ہم حلال اور حرام میں فرق جانتے ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہیں اور یتیم کا مال خوردبرد نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تیرے باپ کا مال اوروں کے پاس رہا کرتا تھا لیکن اوروں کا اس کے پاس نہیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ خداوندا' تجھی پر میرا بھروسہ اور امید ہے'ایسی حالت میں مجھے نہ ماریو کہ میں کسی کا قرض دار ہوں! اگر اس کے پاس کسی کی کوئی چیز ہوتی تو وہ اسے بے مانگے دے دیتا اور اگر اس کے دام کسی

پر آتے تو کہتا کہ جب ہو سکے دے دیجیو اگر وہ غریب ہوتا تو اسے معاف کر دیتا' غریب نہ بھی ہوتا اور مر جاتا تو وہ کہتا کہ خدا اسے معاف کر دے! ہم ایمان سے کہتے ہیں کہ اس پر کسی کا قرضہ نہیں۔ میں نے کہا خدا تمہیں برکت دے۔!

اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ ہمارے باپ پر کسی کا قرضہ نہیں اور ترکے میں اس نے مال' کپڑے اور دکان چھوڑی ہے' ہم تین بھائی تہائی تہائی کے حق دا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تقسیم نہ کریں' ساتھ ساتھ رہیں اور کھائیں پئیں؟ یا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سارا سال آپس میں بانٹ لیں؟ وہ بولے کہ بانٹ لیں اور ہر شخص اپنا حصہ لے لے۔ یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہا بھائیو' یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں گویا وہ کہنا چاہتے تھا کہ ہاں۔

پھر اس نے کہا امیرالمومنین! میں نے قاضی کے پاس سے حصہ کرنے والوں کو بلایا اور انہوں نے حصہ بخرا کر دیا۔ مکان اور دکان میرے حصے میں آئے اور وہ دونوں مال اور کپڑوں میں اپنا حصہ لے کر چل دیئے۔ میں نے دکان کھولی جو دام میرے حصے میں آئے تھے ان کے کپڑے خرید کر دکان کو بھر دیا اور خرید و فروخت کرنے لگا۔ لیکن میرے بھائیوں نے اچھے اچھے کپڑے خریدے اور ایک کشتی کرائے پر لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ایک سال تجارت کرنے کے بعد میرے پاس اتنا مال ہو گیا جتنا کے باپ نے چھوڑا تھا۔ ایک دن میں دوکان میں دولبادے پہنے ہوئے بیٹھا تھا ایک سمور کا اور ایک سنجاب کا کیونکہ ان دنوں سخت سردی پڑ رہی تھی کہ میرے دونوں بھائی محض پھٹی ہوئی قمیص پہنے آئے ان کے ہونٹ مارے سردی کے سفید پڑ گئے تھے اور کانپ رہے تھے' میں یہ دیکھ کر سہم گیا اور ان پر افسوس کرنے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

# نو سو اکیاسی ویں رات



نو سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبداللہ نے خلیفہ سے کہا میں ان پر افسوس کرنے لگا میرے ہوش جاتے رہے میں نے اٹھ کر انہیں گلے سے لگا لیا' رونے لگا اور ایک کو سمور دوسرے کو سنجاب کا لبادہ دے دیا اور انہیں حمام بھیج کر دونوں کے لیے ایک ایک ہزار دینار کی پوشاکیں بھیجیں۔ پھر میں انہیں اپنے گھر لے گیا ہم نے مل کر کھانا کھایا اور ان کے ساتھ نرمی سے باتیں کیں۔ انہیں دلاسا دیا۔ پھر اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی! یہی پیش آیا تھا یا کچھ اور؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ بعد ازاں اے امیرالمومنین! میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا گزری اور تمہارا مال کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہم سمندر کا سفر کرتے کرتے کوفے پہنچے وہاں ہمیں بہت فائدہ ہوا اور وہاں سے عجمی کپڑے خریدے جن کی قیمت بصرے میں چوگنی تھی' پھر وہاں سے کرخ گئے اور بہت فائدہ اٹھایا۔ جب ہم وہاں سے بصرے لوٹنے لگے تو تین دن تو خیریت سے گزرے' چوتھے دن طوفان آیا آندھیاں چلنے لگیں ہماری کشتی ایک چٹان سے ٹکرائی اور ٹوٹ گئی' سارا مال متاع سمندر میں جا پڑا اور ہم ایک دن پانی میں تیرتے رہے۔ خدا نے اپنی حکمت سے ایک کشتی بھیج دی اس کے مسافروں نے ہمیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور ہم شہر شہر بھیک مانگتے پھرے یہاں تک کہ کپڑے بھی اتار کر بیچ ڈالے۔ اب خدا خدا کر کے بصرے پہنچے ہیں کہ ہمارا سارا مال ضائع نہ ہو گیا ہوتا تو ہم بادشاہوں کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن خدا کو یہی منظور تھا۔ میں نے کہا بھائی! غم نہ کرو' جان بچی لاکھوں پائے۔

آؤ ہم یہ سمجھ لیں کہ ہمارا باپ آج مر گیا ہے اور جو کچھ مال و دولت میرے پاس ہے اس کا ترکہ ہے میں خوشی سے اسے آپس میں تقسیم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں

نے قاضی کے محکمے سے ایک حصہ کرنے والا بلایا اپنا سارا سامان اس کے آگے رکھ دیا اور تینوں نے ایک ایک تہائی لے لیا۔ اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا ہم تینوں دکانیں کھول کر خرید و فروخت کریں' جو جس کی قسمت میں لکھا ہے ملے گا۔ میں نے دونوں کو بھی دکانیں کھلوا دیں ان میں سامان بھر دیا اور کہا خرید و فروخت کرو اس میں سے کچھ خرچ نہ کرنا' تمہارا کھانا پینا میرے ساتھ ہے لیکن جب میرا اور ان کا ساتھ ہوتا تو وہ سفر کی تعریف کرتے اور مجھے بھی سفر پر آمادہ کرنا چاہتے۔ پھر اس نے کتوں کی طرف دیکھ کر پوچھا صحیح ہے یا غلط؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔

اس نے خلیفہ سے کہا انہوں نے مجھ سے اس قدر اصرار کیا کہ بالاخر میں راضی ہو گیا اور طرح طرح کے تھان لے کر ان کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا' چلتے چلتے ہم ایک شہر میں پہنچے جہاں ہم نے خرید و فروخت کی اور بہت فائدہ اٹھایا۔

وہاں سے اور شہروں میں گئے کچھ خریدا کچھ بیچا یہاں تک کہ ہمارے پاس بے حد مال ہو گیا۔ سفر بھی جاری تھا کشتی چلی جا رہی تھی کہ پہاڑوں کے پاس ناخدا نے لنگر ڈال دیئے اور کہا مسافرو! خدا تمہیں آج کی مصیبت سے بچا لے! اتر کر پانی تلاش کرو۔ ہم سب اتر کر پانی کی تلاش میں چل دیئے' ہر ہر شخص ایک ایک طرف روانہ ہو گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔

میں دھر چوٹی تک پہنچا بھی نہ تھا دیکھا کہ ایک سفید سانپ بھاگا چلا جاتا ہے اس کے پیچھے ایک بد صورت اژدھا لگا ہوا تھا۔ بالاخر اژدھے نے اسے پکڑ لیا اور اس کا سرا اپنے منہ میں لے کر اس کی دم اپنی دم میں لپیٹ لی اور سانپ چلانے لگا مجھے اس پر ترس آ گیا میں نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر مارا پتھر ٹھیک اس کے سر پر جا کر پڑا اور وہ مر گیا۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سانپ لوٹ پوٹ کر فوراً ایک خوبصورت لڑکی بن گئی جیسے چودہویں رات کو چاند۔ لڑکی نے اگے بڑھ کر میرا ہاتھ چوما اور کہا خدا تجھے دنیا میں عار سے آخرت میں نار سے بچائے! یہ کہہ اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا' زمین پھٹی اور اس میں سما گئی مجھے یقین ہوا کہ وہ جن ہے۔ اژدھے کے

 

اندر سے ایک آگ نکلی اور وہ جل بھن کر خاک ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر میں نے سارا ماجرا بیان کیا' سویرا ہوتے ہی ناخدا نے بادبان کھول دیئے اور کشتی چل نکلی' بیس دن تک نہ ہمیں خشکی دکھائی دی نہ کوئی چڑیا اور ہمارا پانی پھر ختم ہو چلا ناخدا نے کہا ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر چلیں جو خشکی ملے۔ ہم سب خدا سے دعا کرنے لگے کہ وہ ہمیں راستے پر لے آئے اور وہ رات بڑی کٹھن گزری۔



سویرا ہوا اور دن نکلا تو ہمیں ایک بہت اونچا پہاڑ دکھائی دیا ہم اسے دیکھ کر خوش ہوگئے ناخدا نے کہا اے لوگو! چلو ہم خشکی پر چل کر پانی ڈھونڈیں۔ ہم سب اتر کر پانی ڈھونڈنے لگے لیکن پانی کہیں نظر نہ آیا ہم بہت پریشان ہونے لگے میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور مجھے ایک گھنٹے کے فاصلے پر ایک بڑا سا دائرہ دکھائی دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا پہاڑ کے پیچھے اس دائرے کو دیکھو ایک عالی شان شہر دکھائی دیتا ہے جس میں شہر پناہ برج اور سبزہ زار' وہاں پانی اور کھانے پینے کی تمام چیزیں ملیں گی' آؤ چلیں پانی بھی لے آئیں اور راہ کے لیے گوشت' پھل وغیرہ بھی خرید لیں۔ انہوں نے کہا ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں اس شہر میں کافر اور مشرک نہ رہتے ہوں اور ہمیں گرفتار کر لیں یا مار ڈالیں اور ہمارا خون خود ہماری گردن پر ہو۔ لہٰذا ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ میں بولا' اے لوگو! تم پر میرا کوئی زور نہیں چلتا لیکن میں اپنے بھائیوں کو لے کر جاؤں گا۔ انہوں نے بھی کہا کہ ہم ڈرتے ہیں تیرے ساتھ نہیں جائیں گے۔ میں نے کہا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جاؤں گا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور جو کچھ اس نے میری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی ہوں۔ جب تک میں وہاں جا کر لوٹ نہ آؤں تم میری راہ دیکھنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- نو سو بیاسی ویں رات

نو سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبداللہ نے کہا کہ جب تک میں لوٹ کر آؤں تم میری راہ دیکھنا۔ الغرض میں انہیں چھوڑ کر چل دیا شہر کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ وہ عجیب و غریب شہر ہے' شہر پناہ بلند' برج مضبوط' عمارتیں عالی شان' دروازے چینی لوہے کے اور ان پر ایسے نقش و نگار ہیں کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ دروازے پر پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سنگین چبوترا ہے اس پر ایک شخص پیتل کی زنجیر ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور اس زنجیر میں چودہ کنجیاں ہیں۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ شخص دربان ہے اور شہر کے چودہ دروازے ہیں۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا' پھر میں نے دوبارہ اور سہ بارہ سلام کیا وہ پھر بھی منہ سے نہ بولا۔ اب میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو سلام کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ سو رہا ہے گونگا ہے یا غیر مسلم؟ اب بھی نہ اس کی زبان ہلی نہ سر میں اسے غور سے دیکھنے لگا معلوم ہوا کہ وہ پتھر ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا عجیب صنعت ہے پتھر کو کاٹ کر اس خوبی سے انسان کی شکل بنائی گئی ہے کہ سوا گویائی کے اور کوئی کسر نہیں۔ میں اسے چھوڑ کر اندر گیا اور ایک شخص کو راہ میں کھڑا دیکھ کر اس کے پاس گیا دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔ اس کے بعد میں گلی کوچوں میں سیر کرنے لگا جو انسان نظر آتا اور میں غور سے دیکھتا تو پتھر کا پاتا۔ میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا جس کے سر پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھی ہوئی تھی جسے وہ دھونے کے لیے جا رہی تھی۔ قریب گیا تو وہ بھی پتھر کی نکلی اور اس کی گٹھڑی بھی پتھر کی۔

تاجروں کے بازار میں گیا تو ہر دکان میں دکان دار بیٹھے ہوئے ہیں اور مال بھرا پڑا ہے

لیکن سب کے سب پتھر کے' کپڑے ایسے ہیں جیسے مکڑی کا جالا۔ وہاں مجھے صندوق نظر آئے انہیں کھولا تو تھیلیوں میں سونا دیکھا۔ تھیلیاں ہاتھ لگاتے ہی ریزہ ریزہ ہو گئیں لیکن سونا اپنی حالت پر قائم رہا میں نے اتنا سونا لے لیا جتنا اٹھا سکتا تھا ور اپنے دل میں کہنے لگا اگر میرے بھائی بھی ساتھ ہوتے تو وہ بھی کافی سونا لے لیتے۔ ایک دوسری دکان میں جا کر میں نے اس سے بھی زیادہ سونا دیکھا لیکن جتنا میرے پاس تھا اس سے زیادہ میں اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح میں بازار بازار سیر کرتا رہا دیکھا کہ ہر چیز پتھر کی ہے یہاں تک کہ کتے بلیاں بھی' اس کے بعد میں سنار بازار پہنچا دیکھا کہ لوگ دکانوں میں بیٹھے ہیں بعض گہنے ان کے ہاتھ میں ہیں اور بعض آگے رکھے ہوئے۔ اے امیرالمومنین! یہ دیکھ کر میں نے سونا پھینک دیا اور جتنا گہنا اٹھا سکتا تھا اٹھا لیا' وہاں سے جوہری بازار میں پہنچا دکانوں میں یاقوت' ہیرے' زمرد' اور بلخش وغیرہ پڑے ہوئے دیکھے اور لوگ پتھر کے۔ اب میں نے سارا گہنا پھینک دیا اور جواہرات لے لیے اور افسوس کرنے لگا کاش میرے بھائی ساتھ ہوتے اور جتنے جواہرات چاہتے لے لیتے اس کے بعد میں ایک بڑے دروازے پر پہنچا جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار تھے اندر چوکیاں پڑی تھیں جن پر نوکر چاکر اور لشکری بیٹھے تھے مگر سب پتھر کے۔ میں نے ان میں سے ایک کا لباس چھوا اور وہ مکڑی کے جالے کی طرح ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اندر جا کر مجھے ایک محل دکھائی دیا جس کی نظر دنیا میں نہ ہو گی۔ اس میں امراء وزراء اور رؤسا تھے لیکن سب پتھر کے' اور ایک سونے کی کرسی پر جو ہیرے جواہرات سے مرصع تھی ایک شخص بیٹھا تھا جس کے سر پر شاہی تاج تھا اور اس میں نہایت عمدہ جواہرات جڑے ہوئے تھے' قریب پہنچ کر دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔

اس دربار سے نکل کر میں حرام سرا میں گیا دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی پر ملکہ بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے سر پر جواہرات کا تاج ہے ارد گرد چاند سی لڑکیاں اور عمدہ عمدہ لباس پہنے کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ اس دربار کی شان و شوکت ایسی تھی کہ عقل دنگ ہو جائے۔ اس میں شمع دان لٹکے ہوئے تھے اور شمع دان میں ایک لاجواب بیش بہا ہیرا

تھا۔ اے امیرالمومنین! میں نے پہلے کے جواہرات میں سے جتنے لے سکتا تھا لے لیے اور سوچنے لگا کہ کون سے لوں اور کون سے نہ لوں۔ اس کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا ہوا دیکھا اس کے اندر جا کر زینے کی چالیس پیڑھیاں چڑھا ہوں گا میں نے سنا کوئی شخص مہین آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے اس آواز کی طرف چل دیا‘ چلتے چلتے محل کے دروازے پر جا پہنچا دیکھا کہ ریشم کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے اس میں موتی‘ مونگے اور یاقوت زمرد کے ٹکڑے پروئے ہوئے ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ میں پردہ اٹھا کر اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی نفیس پوشاک اور عمدہ عمدہ جواہرات پہنے بیٹھی ہے۔ اے امیر المومنین! لڑکی کو دیکھتے ہی میں اس کی محبت کا شکار ہو گیا۔ وہ ایک اونچے چبوترے پر بیٹھی حفظ قرآن پڑھ رہی تھی۔ آواز ایسی دل فریب جیسے جنت کے دروازے کے کھلنے کی جب رضوان اسے کھولے اور جو الفاظ اس کے منہ سے نکلتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جواہرات بکھر رہے ہیں۔ جب میں نے قرآن پڑھتے سنا تو میری آواز بند ہو گئی اور مجھے سلام کرتے بھی بن پڑا۔ میری عقل اور آنکھیں دونوں دنگ ہو گئیں۔ بالآخر میں نے دل مضبوط کر کے اسے سلام کیا۔ اس نے کہا تیرے اوپر بھی سلام اے عبداللہ بن فاضل اے میرے پیارے اور آنکھ کے تارے! اہلاً و سہلاً و مرحبا! میں نے کہا اے میری آقا! تجھے میرا نام کہاں سے معلوم ہوا تو کون ہے اور اس شہر کا کیا ماجرا ہے کہ سب کے سب پتھر ہو کر رہ گئے ہیں۔ خدا کے لیے ساری باتیں سچ سچ بتا۔ اس نے کہا اے عبداللہ بیٹھ جا میں اپنا اور اس شہر کا سارا قصہ تفصیل کے ساتھ تجھے سنا دوں گی۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا اور اس نے کہنا شروع کیا اے عبداللہ! خدا تجھ پر رحمت بھیجے! میں اس شہر کے بادشاہ کی بیٹی ہوں میرا باپ وہی ہے جسے تو نے دربار میں اونچی کرسی پر بیٹھا دیکھا ہے جس کے اردگرد اس کی حکومت کے امراء اور روٴسا ہیں۔ میرا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا اور گیارہ لاکھ بیس ہزار اس کے لشکری تھے‘ محض اس کے امراء کی تعداد چوبیس ہزار تھی۔ قلعوں‘ گڑھیوں‘ گانوں اور جاگیروں کے علاوہ اس کی حکومت ایک ہزار شہروں

پر تھی۔ محض عربوں کے ایک ہزار سردار اس کے ماتحت تھے جن میں ہر ایک کے حکم میں بیس بیس ہزار سوار تھے' اس کے پاس اس قدر مال و دولت' ذخیرے' معدنیات اور جواہرات تھے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو تراسی ویں رات

نو سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ پتھروں کے شہر کے بادشاہ کی بیٹی نے عبداللہ سے کہا باوجود ان تمام باتوں کے میرا باپ کافر مشرک تھا' بتوں کی پرستش کرتا تھا اس کی فوج بھی سب کی سب کافر تھی اور بتوں کو پوجتی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کے امراء اردگرد تھے کہ یک بہ یک ایک شخص دربار میں آیا جس کے چہرے کی روشنی سے سارا دربار چمک اٹھا۔ میرے باپ نے دیکھا کہ وہ سبز پوشاک پہنے ہوئے ہے' بلند بالا ہے اور اس کے ہاتھ گھٹنوں سے نیچے تک ہیں' اس کے چہرے سے دبدبہ پایا جاتا اور نور ٹپکتا ہے۔ اس نے میرے باپ سے کہا' اے باغی اے جھوٹے کب تک تو بتوں کی عبادت میں گمراہ پڑا رہے گا؟ اقرار کر کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بندہ اور رسول ہے تو بھی مسلمان ہو جا اپنی قوم کو بھی مسلمان کر لے اور بتوں کی پوجا چھوڑ دے کیونکہ وہ نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ شفاعت کر سکتے ہیں۔ کسی کی عبادت درست نہیں سوائے اللہ کے جس نے آسمانوں کو بے کھمبوں کے اٹھایا ہے اور زمین کو بچھایا ہے اور جو بندوں کے لیے رحمت ہے اس نے جواب دیا اے شخص! تو کون ہے کہ بتوں کی پرستش سے منع کرتا اور ایسی باتیں کرتا ہے؟ کیا تو ڈرتا نہیں کہ بت تجھ سے ناراض ہو جائیں گے؟ اس شخص نے کہا بت تو پتھر ہیں' نہ ان کے غصے سے مجھے نقصان نہ ان کی خوشی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ منگا تو اپنے بت کو اور اپنے لوگوں سے کہہ کہ وہ بھی اپنی اپنے بت لے آئیں۔ جب سارے بت آ جائیں تو ان سے کہیوں کہ وہ مجھ پر ناراض ہوں پھر میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ ان پر ناراض ہو' اور تم خالق اور مخلوق کی ناراضگی میں فرق دیکھ لو گے۔ تمہارے بت مصنوع ہیں اور میرے خدا صانع۔ اگر یہ بات تمہیں سچ معلوم ہو تو اس کی پیروی کرنا جھوٹ

نکلے تو اسے چھوڑ دینا میرے باپ نے کہا تو اپنے رب کی دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم اسے دیکھیں۔ اس شخص نے کہا تم اپنے ربوں کو پیش کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا ہر شخص



اپنا اپنا بت لے کر آئے سب لشکری اپنے اپنے بت جا کر لے آئے۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا' اب میری کہانی سن۔ میں اپنے باپ کے دربار کے سامنے پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی' میرا بت ہرے زمرد کا تھا اور آدمی کے قد کے برابر۔ میرے باپ نے اسے بھی منگوایا میں نے بھیج دیا اور وہ میرے باپ کے بت کے برابر رکھا گیا۔ میرے باپ کا بت یاقوت کا تھا وزیر کا الماس کا' دوسرے لوگوں کے بت بلخش' عقیق' مونگے' قماری عود' آبنوس' چاندی اور سونے کے تھے۔ عوام الناس کے بت پتھر' لکڑی اور مٹی کے۔ ہر بت کا رنگ الگ الگ تھا بعض لال بعض ہرے بعض کالے اور بعض سفید۔ اس شخص نے کہا اپنے بتوں سے کہو مجھ پر ناراض ہوں۔ میرے باپ نے اٹھ کر اپنے بت کو سجدہ کیا اور کہا اے میرے خدا! تو مہربان پروردگار ہے ان بتوں میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور تو جانتا ہے کہ یہ شخص تیری پروردگاری پر اعتراض کرتا' تیرا مذاق اڑاتا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ اس کا پروردگار تجھ سے زیادہ طاقتور ہے وہ کہتا ہے کہ ہم تیری پرستش چھوڑ کر اس کے خدا کی عبادت کریں۔ لہٰذا اے میرے خدا! اس پر اپنا قہر نازل کر۔ لیکن بت نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔ میرے باپ نے کہا اے میرے خدا! تیری یہ عادت تو کبھی نہ تھی جب میں تجھ سے بات کرتا تو جواب دیتا' اس وقت تو کیوں چپ ہے اور جواب نہیں دیتا؟ کیا تو غافل ہے یا سو رہا ہے' جاگ میری مدد کر اور مجھ سے بات کر۔ اس شخص نے کہا تیرا بت تو کچھ بھی نہیں کہتا' اس نے جواب دیا یا تو وہ غافل ہے یا سو رہا ہے۔

اب اس شخص نے میرے باپ سے کہا اے خدا کے دشمن! تو ایسے خدا کی کیا پوجا کرتا ہے جو بات تک نہیں کرتا میرے خدا کی پرستش نہیں کرتا جو قریب ہے اور جواب دیتا ہے' حاضر ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا نہ غافل ہوتا نہ سوتا ہے' وہ دیکھتا ہے اور

دکھائی نہیں دیتا اور ہر چیز پر قادر ہے؟ تیرا خدا اپنے آپ کو بھی بچا نہیں سکتا۔ مردود شیطان اس کے اندر تھا لیکن اب وہ بھی بھاگ گیا ہے۔ لہٰذا خدا کی عبادت کر اور

اقرار کر کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرا خدا اپنے آپ کو تو بچا نہیں سکتا پھر وہ تجھے کیوں کر بچا سکتا ہے' تو خود دیکھ لے کہ وہ کیسا ناکارہ ہے۔ اب اس شخص نے اٹھ کر بت کے کندھے پر ایک گھونسا مارا وہ زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے طیش میں آ کر حاضرین سے کہا اس منکر نے میرے خدا پر گھونسا مارا ہے اس کو قتل کر دو۔ انہوں نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی اٹھ نہ سکا اس نے اس کے آگے اسلام پیش کیا وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اس نے کہا اب میں تمہیں اپنے رب کا غصہ دکھاتا ہوں اور ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا مانگی اے میرے خدا اور مالک! یہ لوگ تیری روزی کھاتے اور دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ انہیں پتھر بنا دے۔ اس پر سارے شہر والے پتھر ہو گئے۔ میں اس کی دلیل سن کر مسلمان ہو گئی اور میرا حشر وہ نہ ہوا جو ان کا ہوا تھا۔ اب اس شخص نے میرے پاس آ کر کہا' تو نیک بخت نکلی۔

اس وقت میں برس کی تھی اور آج میری عمر تیس برس کی ہے۔

جب میں بچ گئی اور اس کے ہاتھ پر اسلام لے آئی تو میں نے کہا تو میرا شیخ ہے' مجھے اپنا نام بتا۔ وہ بولا میرا نام ابوالعباس خضر ہے اور اس نے میرے لیے ایک انار کا درخت لگا دیا وہ فوراً بڑا ہو گیا اس میں پتے' پھول اور پھل نکل آئے اس نے کہا خدا کا رزق کھا اور اس کی خوب عبادت کر۔ اسی نے مجھے نماز' روزہ اور قرآن سکھایا۔ آج تیئس سال سے میں اسی جگہ بیٹھی خدا کی عبادت کر رہی ہوں۔ ہر روز اس درخت پر سے ایک انار گرتا ہے اور میں اسے کھا لیتی ہوں۔ خضر ہر جمعے کو میرے پاس آتے ہیں انہی نے مجھے یہ خوش خبری دی تھی کہ تو عنقریب یہاں آنے والا ہے اور کہا تھا کہ جب وہ تیرے پاس آئے تو اس کی عزت کیجیو' اس کا حکم مانیو' اس کی بیوی بنیو اور وہ جہاں لے جائے جائیو۔ جب میں نے تجھے دیکھا تو پہچان لیا۔ اس نے مجھے

انار کا درخت دکھایا‘ اس میں ایک انار لگا ہوا تھا‘ آدھا اس نے کھایا اور آدھا مجھے دیا۔ اس سے زیادہ شیریں اور لذیز میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ میں نے کہا حضرت خضر علیہ السلام کا حکم تجھے منظور ہے کہ تو میری بیوی بنے میں تیرا شوہر اور تو میرے ساتھ میرے وطن بصرے میں چل کر رہے؟ اس نے کہا ہاں‘ انشاء اللہ میں تیری بات سنوں گی اور تیرا حکم مانوں گی۔ میں نے اس سے پکا وعدہ لیا اور وہ مجھے اپنے باپ کے خزانے میں لے گئی وہاں سے ہم نے اتنا مال لیا جتنا کہ اٹھا سکتے تھے اور وہاں سے چل دیئے بھائیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں‘ انہوں نے کہا تو کہا تھا؟ تو نے بڑی دیر لگائی‘ ہمارا دل تجھ میں لگا ہوا تھا۔ ناخدا نے مجھ سے کہا کہ اے تاجر عبداللہ! ہوا بہت دیر سے موافق ہے اور تو نے ہمیں سفر سے روک رکھا ہے۔ میں نے کہا مضائقہ نہیں‘ ممکن ہے کہ دیر میں بھلائی ہو۔ دیکھو اس دیر کی وجہ سے مجھے کیا ہاتھ آیا۔ یہ کہہ کر میں نے تمام جواہرات دکھائے اور جو کچھ پتھر کے شہر میں دیکھا تھا ان سے بیان کیا اور کہا اگر تم میرا کہنا مانتے اور میرے ساتھ چلتے تو تمہیں بھی بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو چوراسی ویں رات

نو سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ نے کہا اگر تم میرے ساتھ چلتے تو تمہیں بھی بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔ وہ بولے خدا

کی قسم اگر ہم چلتے بھی تو شہر کے بادشاہ کے پاس جانے کی ہماری ہمت کبھی نہ پڑتی۔
میں نے اپنے بھائیوں سے کہا مضائقہ نہیں جو کچھ میں لایا ہوں وہ ہم سب کے لیے کافی ہو گا اور میں نے مال کے حصے کئے برابر بھائیوں اور ناخدا کو دیئے خود بھی اتنا ہی لیا تھوڑا تھوڑا نوکروں اور ملاحوں کو بھی دیا۔ وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے مجھے دعا دی' لیکن معلوم ہوتا تھا کہ میرے بھائی راضی نہ تھے کیونکہ ان کی تیوری بدلی ہوئی آنکھیں پھری ہوئی تھیں۔ میں نے کہابھائیو! میرے خیال میں تم اس سے خوش نہیں جو میں نے تمہیں دیا ہے لیکن میں تمہارا بھائی ہوں اور تم میرے بھائی' مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں میرا مال اور تمہارا مال ایک چیز ہے اور اگر میں مر گیا تو تو تمہی میرے والی وارث ہو گے۔ اب میں نے لڑکی کو لے جا کر ایک کوٹھڑی میں بٹھایا اس کے لیے کھانا پینا بھیجا اور خود بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے ساتھ بات چیت کرنے لگا۔ انہوں نے پوچھا بھائی' تو اس حسین لڑکی کا کیا کرے گا؟ میں نے کہا بصرے پہنچ کر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک بولا بھائی' یہ لڑکی بہت حسین ہے اور مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ تو اس لڑکی کو میرے حوالے کر دے تا کہ میں اس سے شادی کر لوں۔
دوسرے بھائی نے کہا میری بھی یہی حالت ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔
میں بولا بھائیو! میں اسے زبان دے چکا ہوں اگر میں تم سے کسی کو دے دوں تو میں وعدہ خلاف بھی بنوں گا اور اس کا دل بھی ٹوٹ جائے گا۔ وہ آئی ہی اس شرط پر ہے کہ میں اس سے نکاح کروں۔ اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ میں اسے کسی اور

کو دے دوں؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بصرے پہنچ کر میں وہاں کی دو بہترین لڑکیوں سے تمہاری شادی کر دوں' مہر میں اپنے پاس سے دوں گا اور تینوں جشن ایک ساتھ ہوں گے وہ چپ ہو گئے۔ میں سمجھا کہ وہ راضی ہیں۔ ہم بصرے کی طرف روانہ ہوئے چالیس دن سفر کرنے کے بعد ہمیں بصرہ دکھائی دینے لگا' ہم خوش تھے۔ غیب کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں' میں پڑا سو رہا تھا کہ یکایک آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بھائی کے ہاتھ میں میرے ہاتھ ہیں اور دوسرے کے ہاتھ میں میرے پاؤں اور وہ چاہتے ہیں کہ مجھے سمندر میں پھینک دیں۔ میں نے کہا' بھائی! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا' اے بدتمیز! تو ایک لڑکی کی خاطر ہماری دل شکنی کرتا ہے لٰہذا ہم تجھے سمندر میں پھینک دیں گے اور یہ کہتے ہی انہوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا۔ اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا' بھائی! یہ سچ ہے کہ نہیں؟ وہ سر نیچا کر کے بھونکنے لگے اور خلیفہ کو تعجب ہوا۔ پھر اس نے اپنی کہانی شروع کی کہ اے امیر المومنین! انہوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں تھاہ تک پہنچ کر ابھرا پانی مجھے سطح پر لے آیا ایک بڑا سا پرندہ مجھ پر جھپٹا اور مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا' جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک نہایت عالی شان محل میں پایا۔ کنیزیں اپنے ہاتھ سینوں پر رکھے کھڑی تھیں اور ان کے بیچ میں ایک عورت سرخ سونے کی کرسی پر بیٹھی تھی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور اس کے سر پر تین حلقوں والا تاج تھا۔ پرندے نے وہاں جا کر مجھے اتارا اور خود شکل بدل کر ایک حسین لڑکی بن گیا۔ ملکہ نے اس سے پوچھا تو آدمی کو کیوں یہاں لائی ہے؟ اس نے کہا اماں جان! یہ وہی شخص ہے جس کی وجہ سے میں جنوں کی لڑکیوں میں منہ دکھانے کے قابل رہی اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میں نے کہا نہیں۔ وہ بولا فلاں پہاڑ پر جب ایک کالا اژدھا میری آبرو لینا اور مجھے قتل چاہتا تھا تو تو نے اسے قتل کر کے میری آبرو بچائی تھی' میں وہی سفید سانپن ہوں لیکن دراصل میں ملک احمر کی بیٹی ہوں جو جنوں کا بادشاہ ہے میرا نام سعدیہ ہے اور یہ میری ماں

مبارکہ۔ جو اژدھا میری آبرو لینا چاہتا تھا' وہ ملک اسود کا نہایت بد شکل وزیر در فیل تھا۔

ایک بار اس نے مجھے دیکھ لیا' مجھ پر عاشق ہو گیا اور میرے باپ کے پاس پیغام بھیجا

اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اے بد ذات وزیر! تیری حیثیت کیا کہ تو شاہ زادیوں کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے؟ وزیر اس پر سخت ناراض ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ میری آبرو لینے کے درپے رہتا' وہ ایسا چال باز تھا کہ میرے باپ کی اس کے آگے نہ کچھ چلتی۔ میں اس کے ڈر سے روز صورت بدلتی رہتی۔ میں جو صورت اختیار کرتی وہ اس کے مخالف صورت بدلتا۔ ایک روز میں سفید سانپن بن کر اس پہاڑ پر گئی تو اس نے اژدھا بن کر میرا پیچھا کیا اور میں اس کے پنجے میں پھنس گئی۔ اتنے میں تو آ گیا اور تو نے پتھر مار کر اسے مار ڈالا۔ تو نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے اور میں تیری احسان مند ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں اڑ کر تیرے پاس پہنچی اور تجھے بچا لائی۔ ماں نے کہا اے آدمی! مرحبا! تو نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے ہمیں چاہیے کہ تیری عزت کریں اس نے مجھے ایک بڑی قیمتی پوشاک اور بے شمار ہیرے جواہرات دیئے اس کے بعد میں اس کے باپ کے سامنے پیش کیا گیا وہ مجھے دیکھ کر سروقد کھڑا ہو گیا اس کی وجہ سے سارے لشکر نے میری تعظیم کی۔ اس نے میرے بڑا احترام کیا مجھے بہت سی قیمتی چیزیں دیں اور کہا میری بیٹی سے کہو کہ وہ اسے وہیں پہنچا آئے جہاں سے لائی ہے۔ ادھر جب میرے بھائیوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو ناخدا کی آنکھ کھل گئی اس نے پوچھا کہ سمندر میں کیا گرا؟ میرے بھائی رونے اور سینہ پیٹنے اور کہنے لگے ہمارا بھائی ضرورت رفع کرنے گیا تھا کہ سمندر میں گر پڑا۔ انہوں نے میرے مال پر قبضہ کر لیا لیکن لڑکی کے بارے میں جھگڑنے لگے' ہر ایک کہتا کہ اسے میں لوں گا۔ وہ جھگڑ رہے تھے کہ سعیدہ نے مجھے کشتی کے بیچ میں لا اتارا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- ## نو سو پچاسی ویں رات



نو سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبداللہ کا بیان ہے کہ جب سعیدہ نے مجھے بیچ کشتی میں اتارا اور میرے بھائیوں نے مجھے دیکھا تو مجھ سے لپٹ گئے اور کہنے لگے بھائی! تیرا کیا حال ہے' ہمارا تو دل تجھ میں لگا ہوا تھا؟ سعیدہ بولی اگر تمہیں اس سے محبت ہوتی تو تم اسے سمندر میں نہ پھینکتے۔ اب تم اپنے لیے پسند کر لو کہ کون سی موت مرنا چاہتے ہو۔ یہ کہہ کر اس نے پکڑا اور قتل کرنا چاہتی تھی کہ وہ چلانے لگے بھائی! ہم تیری پناہ میں ہیں۔ میں لڑکی سے سفارش کرتا کہ انہیں قتل نہ کر وہ کہتی کہ میں ضرور قتل کروں گی کیونکہ وہ دغا باز ہیں۔ میں برابر اس کی خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا اچھا تیری خاطر میں ان کے قتل سے تو ہاتھ اٹھاتی ہوں لیکن ان پر جادو کر دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کٹورا نکالا اور اس میں سمندر کا پانی لے کر پڑھا اور کہا انسانی شکل چھوڑ کر کتے بن جاؤ۔ پھر اس نے وہ پانی ان پر چھڑک دیا' وہ کتے ہو گئے جیسا کہ اے خلیفہ! تو انہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا' بھائیو! جو کچھ میں نے کہا سچ ہے؟ انہوں نے سر جھکا لیا یعنی ہاں سچ ہے۔ بعدازاں اس نے کہا اے امیرالمومنین! جادو کرنے کے بعد پری نے کشتی والوں سے کہا سنو! عبداللہ بن فاضل کو میں نے اپنا بھائی بنا لیا ہے میں روز ایک یا دو بار آ کر اس کی خبر لیا کروں گی تم میں سے جو کوئی اس کی مخالفت کرے گا ہاتھ یا زبان سے اسے تکلیف پہنچائے گا اسے بھی انہی دونوں دغا بازوں کی طرح جادو کے زور سے کتا بنا دوں گی۔ اور بولی کے بصرے پہنچ کر اپنے سامان کا جائزہ لیجیو اور مجھے بتائیو۔ اگر اس میں کوئی بھی کمی ہو گی تو میں جس کے پاس اور جس جگہ بھی ہو گا لا کر تیرے حوالے کر دوں گی اور لینے والے کو

جادو سے کتا بنا دوں گی۔ جب اپنا سامان حفاظت سے رکھ چکیو تو ان دونوں دغا بازوں کی گردنوں میں زنجیر باندھ کر ایک اکیلی کوٹھڑی میں تخت کے پائے سے باندھ دیجیو اور ہر روز آدھی رات کے وقت انہیں اتنا ماریو کہ وہ بے ہوش ہو جائیں۔ اگر کسی روز تو نے انہیں نہیں مارا تو میں آ کر پہلے تجھے ماروں گی اور پھر انہیں میں نے بہ سرو چشم کہہ کر ان کی گردنوں میں رسی ڈال دی اور ستون سے باندھ دیا پری چلتی بنی۔ دوسرے دن جب ہم بصرے پہنچے تو تاجر آئے انھوں نے مجھے سلام کیا لیکن کسی نے میرے بھائیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔ کتوں کو دیکھے اور کہتے کہ تو ان کتوں کا کیا کرے گا؟ میں کہتا میں نے انہیں راستے میں پالا ہے اور اب انہیں گھر لایا ہوں' وہ ہنستے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ میرے بھائی ہیں۔

گھر آ کر میں نے انہیں ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور خود سامان کے اتارنے اور تاجروں سے ملنے میں اتنا مشغول رہا کہ کتوں کو مارا نہ باندھا۔ اتنے میں ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آ پہنچی اور کہنے لگی تو نے نہ انہیں باندھا نہ کوڑے لگائے' یہ کیوں؟ ادھر اس نے مجھے پکڑ کر اتنے کوڑے مارے کہ میں بے ہوش ہو گیا پھر میرے بھائیوں کے پاس جا کر انہیں اتنا مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگی ہر رات انہیں اسی طرح کوڑے لگایا کر۔ میں نے کہا اے میری آقا! کل ہی میں ان کے گلے میں زنجیریں ڈالوں گا' رات کو انہیں ماروں گا اور ہر روز مارا کروں گا۔ سویرا ہوا تو میں نے دل پر جبر کر کے ان کے لیے سونے کی زنجیریں بنوائیں جیسا اس نے حکم دیا تھا اسی طرح انہیں باندھا اور رات کے وقت بادل ناخواستہ انہیں مارا بھی۔ یہ واقعہ بنی عباس کے پانچویں خلیفہ مہدی کے زمانے کا ہے۔ میں نے اس کے لیے تحفے تحائف بھیجے اور اس نے مجھے بصرے کا والی بنا دیا۔ ایک دن میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب پری کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا ہو گا اور انہیں نہیں مارا' لیکن اس نے آ کر مجھے اتنا مارا کہ میں آج تک بھولا نہیں۔ مہدی کے مرنے کے بعد تو خلیفہ ہوا اور تو نے مجھے ولایت

پر قائم رکھا۔ آج بارہ سال ہو گئے ہیں کہ میں ہر روز اپنے دل پر جبر کر کے انہیں مارتا ہوں پھر ان کی دل دہی کرتا اور اسی قید کی حالت میں انہیں کھلاتا پلاتا ہوں۔ جب تک تو نے ابواسحاق الندیم کو خراج لینے میرے پاس نہیں بھیجا کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ اسے میرا بھید معلوم ہو گیا اس نے تجھ سے بیان کیا اور تو نے اسے دوبارہ بھیج کر مجھے بلوایا۔ بس یہ ہے میری ساری کہانی۔

خلیفہ ہارون الرشید کو بڑا تعجب ہوا وہ کہنے لگا کہ تو نے اب انہیں معاف کر دیا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا اے میرے آقا! خدا انہیں معاف کرے دنیا اور آخرت میں ان سے مواخذہ نہ کرے! میں ان سے معافی کا خواست گار ہوں کیونکہ میں بارہ سال سے ہر روز کوڑے مارتا ہوں۔ خلیفہ بولا اے عبداللہ خدا نے چاہا تو میں انہیں مصیبت سے چھڑا کر پھر آدمی بنا کر تمہارے درمیان صلح کرا دوں گی اور باقی عمر تم سب بھائیوں کی طرح پیار سے رہو گے۔ جا انہیں گھر لے جا اور آج رات نہ ماریو' کل تک سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ عبداللہ نے کہا تیرے سر کی قسم اگر انہیں میں نے ایک رات بھی نہ مارا تو سعیدہ آ کر مجھے مارے گی اور اب میرا جسم مار پیٹ برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ بولا ڈر نہیں' میں تجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط دوں گا' وہ خط تو سعیدہ کو دے دیجیو اگر وہ پڑھ کر تجھے معاف کر دے تو احسان اس کی طرف سے ہے اگر وہ تجھے مارے تو سمجھ لیجیو کہ تو ایک دن انہیں مارنا بھول گیا اور اس وجہ سے تجھ پر مار پڑی۔ لیکن اگر یہ واقعہ پیش آیا اور میں امیرالمومنین ہوں تو اس سے سمجھ لوں گا۔ اس کے بعد خلیفہ نے ایک خط لکھا جو دو سطروں کا ہو گا اور اس پر مہر لگا کر کہا سعیدہ سے کہیو انسانوں کے بادشاہ خلیفہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انہیں نہ ماروں اور اس نے تجھے سلام کے بعد یہ خط دیا ہے۔ عبداللہ ان دونوں کتوں کو لے کر چل دیا اور دل میں کہنے لگا دیکھا چاہیے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ گھر پہنچ کر اس ان کے پٹے اتار دیئے اور ان سے کہا ڈرو نہیں بنی عباس کے ساتویں خلیفہ نے

تمہاری خلاصی کا بیڑا اٹھایا ہے اور میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے' خدا نے چاہا تو آج رات سے تمہیں نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا۔



اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

# • نو چھیاسی ویں رات

نو سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہ سن کر دونوں کتے بھونکنے اور اپنا منہ اس کے قدموں سے ملنے لگے گویا وہ اسے دعا دے رہے تھے۔ عبداللہ ان کی پیٹ سہلانے لگا یہاں تک کہ عشاء کا وقت آ گیا اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا' نوکروں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہنے لگا والی پاگل معلوم ہوتا ہے' بصرے کا والی ہو کر کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے' کیا اسے معلوم نہیں کہ کتے نجس ہوتے ہیں؟ انہیں کیا خبر تھی کہ وہ اس کے بھائی ہیں۔ کھانا کھا کر عبداللہ نے اپنے ہاتھ دھوئے کتوں کے ہاتھ دھلائے ہر شخص انہیں دیکھ دیکھ کر ہنستا۔ اس کے بعد وہ عبداللہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس سے اس کا سبب پوچھے۔ یہ حالت آدھی رات تک رہی اب نوکر چاکر جا کر سو رہے اور کتے بھی ایک تخت پر جا لیٹے لوگوں نے دسترخوان کا کھانا پھینک دیا اور کہنے لگے کہ ہم کتوں کا کھانا کیسے کھا سکتے ہیں؟ اتنے میں یک بہ یک زمین پھٹی سعیدہ نکلی اور اس نے کہا عبداللہ! آج تو نے کیوں کوڑے نہیں لگائے اور ان کے پٹے کیوں اتار دیے؟ میں ابھی تجھے کوڑے مار کر انہی کی طرح کتا بنائے دیتی ہوں۔ وہ بولا اے میری آقا! میں تجھے اس نقش کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی پر تھا کہ پہلے میری بات سن لے' اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ ان کے نہ مارنے کا سبب تو یہ ہے کہ آدمیوں کے بادشاہ خلیفہ امیرالمومنین ہارون الرشید نے مجھے حکم دیا ہے کہ انہیں آج رات نہ ماروں۔ اس نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اسے لے کر پڑھ' پھر جو تیرا جی چاہے میرے ساتھ کیجیو۔ اس نے خط لے کر کھولا اور پڑھا' اس میں لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم' یہ خط آدمیوں کے بادشاہ ہارون الرشید کی طرف سے ملک احمر کی بیٹی سعیدہ کے نام ہے۔ اس شخص نے اپنے بھائیوں کو معاف

کر دیا ہے اور اس کا دعویٰ ان کے خلاف ختم ہو گیا اس لیے میں نے حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور جب صلح ہو گئی تو سزا کیسی؟ اگر تم لوگ میرے احکام میں دخل اندازی کرو گے تو ہم بھی تمہارے احکام میں دخل اندازی کریں گے تمہارے قوانین توڑ ڈالیں گے اور اگر تم ہمارے احکام مانو گے تو ہم تمہارے احکام مانیں گے۔ اگر تو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتی ہے تو تجھے رسول کے نائب کا حکم ماننا چاہیے۔ اگر تو نے انہیں معاف کر دیا تو میں تجھے حتی الامکان اچھا بدلہ دوں گا۔ میرے حکم ماننے کا ثبوت یہ ہو گا کہ تو ان کا جادو توڑ کر انہیں پھر انسان بنا دے' اور اگر تو نے ان کا جادو نہ توڑا تو میں خدا کی مدد سے زبردستی ان کا جادو توڑ دوں گا۔

پری نے یہ خط پڑھا تو وہ کہنے لگی میں ابھی جا کر یہ خط اپنے باپ کے سامنے پیش کرتی ہوں اور فوراً جواب لے کر آتی ہوں۔ جب سعیدہ اپنے باپ کے پاس پہنچی اور خط پیش کیا تو اس نے خط کو چوم کر سر پر رکھا اور پڑھ کر کہا بیٹی! آدمیوں کے بادشاہ کا حکم ہمارے ہاں چلتا ہے اور ہم اس کی مخالفت نہیں کر سکتے' تو جان کر ان دونوں آدمیوں کو ابھی آزاد کر دے۔ بیٹی نے پوچھا ابا! آدمیوں کے بادشاہ کا حکم یہاں کیوں کر چلتا ہے؟ اس نے جواب دیا کئی وجہ سے' اول تو وہ انسان ہے اور ہم سے بہتر' دوسرے وہ خدا کا خلیفہ ہے' تیسرے وہ فجر کی دو رکعات کبھی ناغہ نہیں کرتا' اس لے ساتوں زمینوں کے جن بھی اکٹھے ہو کر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اگر وہ ہم پر ناراض ہو کر فجر کی دور رکعتیں پڑھے اور ہمیں آواز دے تو ہم اس طرح اس کے پاس

جا کر جمع ہو جائیں گے جیسے قصاب کے پاس بھیڑ بکریاں۔ لہٰذا بیٹی' دو آدمیوں کی خاطر ہمیں ہلاکت میں نہ ڈال بلکہ جا کر انہیں آزاد کر دے۔ یہ سن کر وہ عبداللہ بن فاضل کے پاس آئی اور کہا ہماری طرف سے خلیفہ کے ہاتھ چومیو اور کہیو کہ ہم سے ناراض

نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے وہی کٹورا نکالا اس میں پانی بھر کر منتر پڑھا اور ان پر چھڑک کر کہا کتوں کی صورت سے آدمیوں کی صورت میں آ جاؤ۔ ان کا جادو ٹوٹ گیا وہ پھر آدمی بن گئے اور کلمہ پڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور اس سے معافی مانگی۔ اس نے کہا تم مجھے معاف کرو اب انہوں نے دل سے توبہ کی اور کہا مردود ابلیس نے ہمیں بد راہ کر دیا تھا اور وہ اپنے بھائی کو منانے' رونے اور پشیمان ہونے لگے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا تم نے میری بیوی کے ساتھ کیا کیا؟ وہ بولے جب ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا تو وہ اپنی کوٹھڑی میں سے نکلی اور کہا کہ میری وجہ سے جھگڑا نہ کرو' میں تم میں سے کسی کی بھی نہ ہوں گی' میرا شوہر سمندر میں گیا' میں بھی اس کے پیچھے جاتی ہوں۔ اس کے بعد وہ سمندر میں کود پڑی اور مر گئی۔ عبداللہ بولا وہ شہید ہو گئی اور رونے لگا۔ بھائیوں نے کہا ہم نے برا کیا اور خدا نے ہمیں سزا دی۔ سعیدہ بولی وہ تیرے ساتھ یہ حرکتیں کرتے ہیں اور تو انہیں معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ اس نے کہا بہن' جس میں طاقت ہو اور معاف کرے خدا اس کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ وہ بولی خیر تو جان لیکن یہ دغا باز ہیں' ان سے بچتا رہیو' پھر وہ اس سے رخصت ہوئی اور چلی گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو ستاسی ویں رات

نو سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کیا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب سعیدہ رخصت ہو کر چلی گئی تو عبداللہ نے رات اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑے لطف سے گزاری۔ سویرا ہوتے ہی انہیں حمام بھیجا بے حد قیمتی لباس پہنایا اور دسترخوان بچھوا کر ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ نوکروں نے انہیں دیکھا تو پہچان گئے کہ اس کے بھائی ہیں انہیں سلام کیا اور امیر عبداللہ سے کہا بھائی تجھے ملے' مبارک ہو! لیکن اتنی مدت تک یہ تھے کہاں؟ وہ بولا وہی ہیں جنہیں تم کتوں کی صورت میں دیکھا کرتے تھے' شکر ہے خدا کا کہ اس نے انہیں جون سے چھٹکارا دیا۔ دربار کا وقت ہوا تو وہ انہیں لے کر خلیفہ کی خدمت میں گیا اس کے آگے زمین چومی اور دعا دی۔ خلیفہ نے کہا مرحبا! بتا کیا ماجرا پیش آیا؟ اس نے کہا میں نے تیرے حکم کے مطابق گھر جا کر ان کے پٹے کھول دیئے اور خدا پر بھروسہ کیا۔ جب ہم سونے گئے تو یک بہ یک ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آ پہنچی' اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے باقی قصہ سنا کر کہا کہ اس وقت یہ امیر المومنین کے سامنے حاضر ہیں۔ خلیفہ ادھر متوجہ ہوا دیکھا کہ دونوں چاند کے مانند ہیں کہا اے عبداللہ! خدا تیرا بھلا کرے! تو نے مجھے ایسی بات بتائی جو مجھے معلوم نہ تھی۔ خدا نے چاہا تو میں فجر کی دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہہ

کر اس نے عبداللہ بن فاضل کے دونوں بھائیوں کو بہت ڈانٹا ڈپٹا اور انہوں نے اس کے آگے معافی مانگی۔ خلیفہ نے کہا آپس میں مصافحہ کرو اور ایک دوسرے کو معاف کرو۔ پرانی باتیں خدا معاف کرے! پھر اس نے عبداللہ سے کہ ان دونوں کو اپنا نائب بنا لے اور ان سے کہا کہ اپنے بھائی کا حکم ماننا اور انہیں انعام دے کر بصرے روانہ کر دیا۔

یہ تو وہ باتیں ہوئیں جو انہیں خلیفہ کے ساتھ پیش آئیں۔ اب عبداللہ بن فاضل کی داستان سنو! وہ اپنے بھائیوں کو عزت و احترام سے لے کر بصرے پہنچا لوگ ان کی ملاقات کے لیے آئے اور شہر چراغاں کیا گیا۔ ہر شخص عبداللہ کو دعائیں دیتا اور دونوں بھائیوں کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا۔ یہ دیکھ کر وہ حسد کرنے لگے۔ عبداللہ ان کی جس قدر خاطر مدارت کرتا اسی قدر ان کے حسد کی آگ بھڑکتی جاتی۔ اس نے دونوں کو ایک ایک کنیز ہم بستری کے لیے دی' چالیس چالیس نوکر' باندیاں کالے اور گورے غلام' پچاس پچاس اصیل گھوڑے اور ان کا روزینہ اور ماہانہ مقرر کر کے اپنا نائب بنا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

## • نو سو اٹھاسی ویں رات



نو سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبداللہ نے انہیں اپنا نائب بنا کر کہا ہم تم برابر ہیں اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ خدا اور خلیفہ کے بعد میرا اور تمہارا حکم چلے گا۔ میری موجودگی اور غیر موجودگی میں بصرے پر تم حکمرانی کرنا لیکن خدا سے ڈرنا' انصاف کرنا' ظلم نہ کرنا ورنہ اس کی خبر خلیفہ تک پہنچ جائے گی اور ہم تم سب بد نام ہوں گے۔ اگر تمہیں لوگوں کے مال کی خواہش ہو تو تم اس سے زیادہ میرے مال میں سے لے لینا۔ یہ نصیحت کرنے کے بعد اس کو خیال ہوا کہ اب وہ ضرور راہ راست پر آ گئے ہوں گے اور اس لیے وہ ان کے ساتھ اور زیادہ انعام و اکرام کرنے لگا۔ لیکن جتنا وہ انعام و اکرام کرتا بھائی اور زیادہ حسد کرتے۔

ایک روز ناصر نے منصور سے کہا ہم کب تک اپنے بھائی کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے؟ وہ تاجر تھا امیر ہو گیا' چھوٹا تھا بڑا ہو گیا۔ ہم نہ بڑے ہو سکتے ہیں نہ ہمارا رتبہ بڑھ سکتا ہے' وہ مذاق اڑاتا ہے ہمیں اپنا نائب بنا رکھا ہے۔ جب چاہے وہ ہمیں معزول کر سکتا ہے۔ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں اس کے مال و دولت پر قبضہ کر کے آپس میں تقسیم کر لیں اور خلیفہ کے پاس تحفے تحائف بھیج کر اس سے کہیں کہ وہ مجھے کوفے کا والی بنا دے اور تجھے بصرے کا یا مجھے بصرے کا اور تجھے کوفے کا۔ منصور بولا تو سچ کہتا ہے لیکن اسے قتل کیوں کر کیا جائے؟ ناصر نے کہا ہم اسے دعوت پر بلائیں اس کی خوب خدمت کریں باتیں کر کے اور قصے سنا کر اسے دیر تک جاگتا رکھیں' اس کے بعد جب وہ سو جائے تو اس کا گلا گھونٹ کر سمندر میں پھینک دیں اور جب صبح ہو تو کہیں اس کی بہن پری آئی تھی اس نے کہا کہ اے حرام زادے! تیری یہ ہمت ہوئی کہ تو نے خلیفہ سے جا کر میری شکایت کی؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم اس سے ڈرتے ہیں' جیسے وہ بادشاہ ہے ہم بھی بادشاہ ہیں؟ اگر

ہم اس کا ادب نہ کرتے تو اسے بری موت مارتے لیکن میں فی الحال تجھے قتل کر کے دیکھتی ہوں کہ خلیفہ کیا کرتا ہے۔ اتنے میں زمین پھٹی اور وہ اسے لے کر زمین میں سما گئی' پھر ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ اس کی خبر ہم خلیفہ کو دیں گے اور وہ اس کی جگہ ہمیں والی بنا دے گا۔ تھوڑی مدت کے بعد ہم خلیفہ کے پاس عمدہ عمدہ ہدیے بھیجیں گے اور اس سے کوفے کا والی بننے کی درخواست کریں گے۔ اس طرح سے ہم میں سے ایک کوفے کا اور دوسرا بصرے کا والی بن جائے گی۔

انہوں نے یہ فیصلہ کر کے اپنے بھائی عبداللہ کو قتل کر ڈالیں ناصر نے دعوت کی تیاری کی اور اس سے کہا کہ تو اور منصور میری دعوت منظور کر کے میرا دل خوش کر دیں۔ عبداللہ بولا بھائی اس میں کیا مضائقہ ہے' تیرا گھر میرا گھر ہے اور دعوت نامنظور کرنا تو ویسے بھی بداخلاقی کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی منصور کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو بھی چلے گا نہ؟ اس نے جواب دیا اس شرط پر کہ تو اس کے بعد میری دعوت بھی منظور کرے۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے' جیسے وہ میرا بھائی ہے تو بھی ہے۔ ناصر نے اپنے بھائی عبداللہ کا ہاتھ چوما اور گھر جا کر دعوت کا سامان کرنے لگا۔ دوسرے روز عبداللہ نے لشکر اور اپنے بھائی منظور کر ساتھ لیا اور ناصر کے گھر پہنچا۔ دسترخوان بچھایا گیا کھایا پیا ہاتھ دھوئے مغرب اور عشا کی نماز پڑھ کر باتیں چیتیں کرنے لگے' منصور ایک کہانی کہتا تو ناصر دوسری' عبداللہ انہیں سنتا۔ محل میں وہ اکیلے تھے اور باقی لشکر دوسری جگہ تھا۔ جب عبداللہ جاگتے جاگتے تھک گیا اور اسے نیند آنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- نو سو نواسی ویں رات

نو سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبداللہ کو نیند آنے لگی تو وہ تخت پر لیٹ کر سو گیا' دونوں بھائی اس کے پہلو میں دوسرے تخت پر لیٹ گئے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ سو گیا ہے تو اٹھ کر بھائی کے سینے پر چڑھ بیٹھے' اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ بھائی سینے پر چڑھے ہوئے ہیں کہا بھائیو! یہ کیا؟ وہ بولے اے بد تمیز! نہ ہم تیرے بھائی ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ تو کون ہے۔ تیرے جینے سے تیرا مرنا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کی گردن پکڑ کر مروڑ دی وہ بے ہوش گیا' انہوں نے سمجھا مر گیا اور سمندر میں پھینک دیا۔

جب وہ سمندر میں گرا تو خدا نے ایک درفیل کو اس پر مسلط کر دیا جو اکثر محل کے نیچے آیا جایا کرتا تھا جب باورچی خانے میں جانور ذبح کئے جاتے تو ان کی آنتیں اور اوجھڑی سمندر میں پھینک دی جاتیں۔ آج چونکہ دعوت تھی اور بہت کچھ سمندر میں پھینکا گیا تھا اس لیے درفیل کو بہت کھانے کے لیے ملا وہ کھا پی کر مضبوط ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پھر کوئی چیز آ کر سمندر میں گری تو وہ دوڑ کر پہنچا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے تو وہ اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر کنارے سے دوسرے کنارے پر ڈال آیا۔ ادھر سے ایک قافلہ گزرا لوگوں نے اسے پڑا دیکھ کر قافلہ سالار کو خبر کی کہ وہ مردہ پڑا ہوا ہے۔ اس نے دیکھ کر کہا ابھی اس میں جان ہے عجب نہیں کہ وہ اچھا ہو جائے اور اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ تین منزل تک اس کا علاج کرتے رہا۔ عبداللہ کو ہوش آ گیا اور کمزوری محسوس ہونے لگی' تیس دن کے بعد وہ عجم کے ایک شہر میں پہنچے جس کا نام عوج تھا ایک سرائے میں اترے اسے فرش بچھا کر لٹا دیا اور وہ رات بھر پڑا کراہتا رہا۔

صبح ہوئی تو سرائے کے دربان نے آ کر پوچھا کہ اس بیمار کی کیا حالت ہے؟ سالار بولا

ہم نے اسے سمندر کے کنارے راہ میں پڑا پایا تھا اور برابر اس کی دوا دارو کرتے رہے لیکن ابھی تک وہ اچھا نہیں ہوا۔ دربان بولا اسے شیخہ راجحہ کے پاس لے چل۔



یہاں ایک نہایت حسین باکرہ لڑکی ہے' اس کا نام راجحہ ہے۔ لوگ بیماروں کو اس کے پاس لے جاتے اور وہ وہاں رات بھر رہ کر سویرے تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ سالار اسے لے کر راجحہ کے پاس گیا دیکھا کہ لوگ نذریں لیے اندر جاتے اور خوش خوش باہر آتے ہیں۔ دربان نے پردے کے پاس جا کر کہا اے شیخہ راجحہ! اجازت ہے؟ ایک بیمار کو لائے ہیں۔ اس نے جواب دیا اسے پردے کے اندر بھیج دے۔ دربان نے عبداللہ سے کہا اندر جا جونہی اندر گیا دیکھا کہ یہ تو میری بیوی ہے جسے مدینتہ الجبر سے لایا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور سلام کیا۔ عبداللہ نے پوچھا تو یہاں کیسے آئی؟ اس نے کہا جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے اور میرے لیے لڑ رہے ہیں تو میں بھی سمندر میں کود پڑی۔ خواجہ خضر ابوالعباس مجھے وہاں سے اٹھا کر اس زاویے میں لے آئے اور مجھے اجازت دی کہ میں بیماروں کا علاج کیا کروں' شہر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ جو شخص بیمار ہو شیخہ راجحہ کے پاس جائے اور مجھ سے کہا تو یہیں ٹھہری رہ جب تک تیرا شوہر تیرے پاس نہ آ جائے۔ سارے بیمار میرے پاس آتے ہیں' ان کی مالش کرتی ہوں اور وہ صبح تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ میں دور دور تک مشہور ہو گئی ہوں' لوگ میرے پاس نذریں لاتے ہیں اور تمام لوگ مجھ سے دعا کے طلب گار رہتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام ہر جمعرات کو میرے پاس آتے ہیں۔ چنانچہ رات ہوئی تو وہ کھا پی کر خضر علیہ السلام کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آ پہنچے اور دونوں کو زاویے سے لے جا کر بصرے میں ایک محل پر اتار دیا اور چلے گئے۔ سویرا ہوا اور عبداللہ نے غور سے دیکھا تو وہ اسی کا محل تھا' اتنے میں اسے باہر شور و غل سنائی دیا۔ جھروکے میں سے جھانکا تو اس کے دونوں بھائی دو تختوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب انہوں نے اپنے بھائی کو سمندر میں پھینک دیا تو سویرے اٹھ کر رونے

پیٹنے لگے اور کہا ہمارے بھائی کو پری اٹھا کر لے گئی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ہدیہ تیار کر کے خلیفہ کے پاس بھیجا اور اس سے بصرے کی ولایت طلب کی۔ خلیفہ نے انہیں بلا کر قصہ پوچھا اور بہت ناراض ہوا صبح کو اس نے دن نکلنے سے پہلے دور رکھتیں

پڑھ کر جنوں کو بلایا ور ان سے عبداللہ کی خبر پوچھی۔ انہوں نے اپنی لا علمی ظاہر کی لیکن ملک احمر کی بیٹی سعیدہ نے آ کر بتا دیا کہ وہ کہاں ہے۔ دوسرے روز اس نے ناصر اور منصور کو خوب پٹوایا۔ انہوں نے اپنی خطا کا اقرار کر لیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ انہیں لے جا کر عبداللہ کے محل کے دروازے پر پھانسی دے دو۔ غرض کہ عبداللہ دونوں کو دفن کر کے بغداد گیا اور خلیفہ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح اس لڑکی سے کرا دیا جسے وہ مدینہ الحجر سے لایا تھا اور مرتے دم تک دونوں بصرے میں رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی مرتی نہیں۔

○ رفوگر اور اس کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------- مصر میں ایک رفوگر معروف نام رہتا تھا جو پرانی قالینوں کو رفو کرتا۔ اس کی ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اور جسے لوگ رنڈی کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ وہ بڑی بدکار، شریر، بے شرم اور چال باز تھی۔ وہ اپنے شوہر پر حکم چلاتی اور دن بھر میں ہزار گالیاں دیتی، برا بھلا کہتی۔ رفوگر اگرچہ غریب تھا لیکن عزت والا ڈرتا تھا کہ کہیں اس کی آبرو پر دھبہ نہ لگ جائے اس لیے وہ اس کے شر فساد سے ڈرتا رہتا۔ اگر وہ کسی دن زیادہ کما کر لاتا تو بیوی پر خرچ کر دیتا اگر کسی دن تھوڑا کماتا تو وہ اس کی زندگی اجیرن کر دیتی۔ ایک روز اس نے معروف سے کہا آج شام کو سویاں لائیو جن پر شہد پڑا ہو۔ وہ کہنے لگا واللہ آج میرے پاس دام

تو نہ ہوں گے لیکن خدا کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر آسان ہو جائے! بیوی بولی باتیں نہ بنا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



ooo

# • نو سو نوے ویں رات

نو سو نوے رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بیوی نے کہا باتیں نہ بنا' آسان ہو یا مشکل' شہد والی سویاں لے کر آئیو ورنہ گھر میں نہ گھسیو۔ اس نے کہا اللہ کریم ہے اور اٹھ کر نماز پڑھی جا کر دکان کھولی اور دعا مانگی کہ خدا وندا مجھے سویاں دیجیو اور اس رنڈی کے ہاتھ سے بچائیو! دوپہر تک دکان پر بیٹھا رہا کوئی کام نہ ملا بیوی کے ڈر کے مارے کانپنے لگا کان بند کر کے چلا حیران پریشان تھا کہ سویاں کہاں سے لائے؟ اس کے پاس تو روٹی کے لیے بھی دام نہیں۔ جب وہ سویوں کی دکان کے پاس سے گزرا تو وہاں ٹھہر گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ سویوں والے نے کہا اے استاد معروف! تو کیوں رو رہا ہے؟ کون سی ایسی مصیبت تجھ پر آئی ہے؟ اس نے جواب دیا میری بیوی بڑی مرد مار ہے اس نے کہا کہ بے سویاں لیے نہ آئیو۔ دوپہر تک دکان میں بیٹھا رہا لیکن میں نے اتنا بھی نہیں کمایا کہ روٹی خرید سکوں۔ سویوں والا ہنسنے لگا اور بولا کتنی سویاں چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' پانچ رطل۔ دکاندار نے تول کر پانچ رطل سویاں دے دیں اور کہا میرے پاس مکھی کا شہد نہیں' شکر کا شہد ہے جو مکھی کے شہد سے اچھا ہے۔ معروف شرم کے مارے کچھ نہ کہہ سکا کیونکر ادھار لے رہا تھا۔ دکان دار نے پوچھا' روٹی اور پنیر بھی چاہیے؟ اس نے کہا' ہاں۔ اور چار اٹھنیوں کی روٹی ایک کا پنیر اور دس کی سویاں لیں۔ دکان والا بولا' اے معروف! تیری طرف پندرہ اٹھنیاں ہو گئی ہیں' ایک اٹھنی نقد حمام کے لیے بھی لیتا جا۔ دو تین دن میں جب خدا تجھے دے ادا کر دیجیو۔

معروف سویاں' روٹی اور پنیر لے کر اسے دعا دیتا ہوا چل دیا ور راستے بھر کہتا رہا کہ خداوندا تو کتنا کریم ہے! گھر پہنچ کر اس نے سویاں بیوی کے آگے رکھ دیں۔ بیوی نے دیکھا' یہ تو گنے کا شہد ہے۔ کہنے لگی میں نے تو تجھ سے کہا تھا کہ مکھیوں کے

شہد کے ساتھ لائیو تو گنے کا شہد ڈلوا لایا۔ معروف نے معافی مانگی اور کہا میں ادھار لایا ہوں۔ بیوی نے کہا، جھوٹ بکتا ہے اور ناراض ہو کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا ور کہا جا کر دوسری سویاں لا اور اس زور سے اس کی کنپٹی پر مکا رسید کیا کہ اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور خون سینے تک بہنے لگا۔ رفوگر کو بھی غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کیا اور اس نے آہستہ سے بیوی کے سر پر ایک دھول ماری۔ بیوی نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور چلانے لگی اے مسلمانو! دوڑو، پڑوسیوں نے آ کر اس کی داڑھی چھڑائی اور عورت کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا ہم سب سویوں کو گنے کے شہد کے ساتھ کھاتے ہیں، تو اس بے چارے پر کیوں ظلم کر رہی ہے؟ بری بات ہے۔ ادھر وہ تو دونوں میں صلح کرا کے چل دیئے اور بیوی نے قسم کھائی کہ میں ہرگز نہیں کھاؤں گی۔ شوہر بھوکا تو تھا ہی بولا تو نہیں کھاتی تو میں کھاتا ہوں۔ بیوی نے کہا یہ زہر ہو کر تیرے حلق سے اترے گا! شوہر ہنستا جاتا، کھاتا جاتا اور کہتا تو نے ان کے کھانے کی قسم کھائی ہے۔ خدا نے چاہا تو میں کل شام کو سویاں اور خالص شہد لاؤں گا پھر تو اکیلی انہیں کھائیو۔ وہ بیوی کو سنائے جاتا اور بیوی اسے بد دعائیں دیئے جاتی۔

غرض کہ رات بھر بیوی اسے برا بھلا کہتی اور کوستی رہی، صبح ہوئی تو اس نے اپنے شوہر کو مارنے کے لیے آستینیں چڑھائیں۔ شوہر نے کہا صبر کر، میں جا کر تیرے لیے دوسری سویاں لاتا ہوں۔ وہ ابھی دکان کھول کر بیٹھا ہی تھا کہ قاضی کے دو پیادے آئے اور کہا چل تجھے قاضی بلاتا ہے، تیری بیوی نے تیرے اوپر نالش کی ہے۔ وہ قاضی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی بیوی پاؤں پر پٹیاں باندھے کھڑی ہے اس کا برقع خون میں لتھڑا ہوا ہے وہ روتی اور آنسو پونچھتی جاتی ہے۔ قاضی نے کہا اے شخص! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا تو نے اپنی بیوی کو مارا اور اس کی بانہہ توڑ دی؟ دانت توڑا ہے؟ اس نے کہا اگر میں نے اسے مارا ہو یا دانت توڑا ہو تو جو تیرا جی چاہے مجھے

سزا دے۔ اصل قصہ یہ ہے اور پڑوسیوں نے آ کر بیچ بچاؤ کیا ہے۔ قاضی نے چوتھائی دینار نکالا اور کہا اس کی سویاں اور خالص شہد خرید کر باقی بیوی کو دے دے اور دونوں صلح کر لو۔ اس نے کہا یہ دام بیوی کے حوالے کر دے اور بیوی نے لے لیے۔ قاضی نے دونوں میں صلح کرا دی اور کہا اے نیک بخت! اپنے شوہر کا کہنا مان اور اے بھلے مانس! اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ۔ بیوی ایک راستے سے چل دی اور شوہر دوسرے راستے سے دکان چلا گیا۔ ابھی دکان کھولی ہی تھی کہ دونوں پیادے آ کر کہنے لگے ہمارا حق دے۔ اس نے کہا قاضی نے تو مجھ سے کچھ نہیں لیا بلکہ چوتھائی مجھے دیا۔ وہ بولے ہمیں اس سے مطلب نہیں قاضی نے تجھے دیا یا تجھ سے لیا'اگر تو ہمارا حق نہ دے گا تو ہم زبردستی لے لیں گے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے پکڑ کر گلی میں گھسیٹنا شروع کیا اور اس نے مجبور ہو کر اپنے اوزار بیچے اور انہیں نصف دینار دیا۔ پیادے چلے گئے تو وہ بیٹھ کر افسوس کرنے لگا اب اوزار بھی جاتے رہے' کام کیسے کروں گا؟

اتنے میں اور دو آدمی بھیانک شکل کے اس کے پاس پہنچے اور کہا چل قاضی کے پاس' تیری بیوی نے نالش کی ہے۔ وہ بولا قاضی نے تو ہمارے درمیان صلح کرا دی ہے۔ انہوں نے کہا ہم اس قاضی کے پیادے نہیں ہیں' تیری بیوی نے ہمارے قاضی کے پاس نالش کی ہے۔ وہ بیوی کو کوستا ہوا دونوں پیادوں کے ساتھ چل دیا۔ قاضی کے ہاں پہنچ کر اس نے بیوی کو دیکھا اور کہا اے حلال زادی! کیا ہم میں صلح نہیں ہو گئی؟ بیوی نے کہا' ہم میں صلح نہیں ہو سکتی' شوہر نے قاضی سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا ابھی ابھی فلاں قاضی نے ہم دونوں میں ملاپ کرایا ہے۔ قاضی نے کہا' اے رنڈی جب اس نے صلح کرا دی ہے تو پھر میرے پاس کیوں آئی؟ اس نے جواب دیا میرے شوہر نے اس کے بعد مجھے مارا ہے۔ قاضی بولا ملاپ کر لو' اب تو اسے نہ ماریو اور وہ بھی تیری مخالفت نہیں کرے گی۔ اور پیادوں کا حق دے دے اس نے دے دیا۔ جا کر دکان کھولی اور بیٹھ گیا لیکن مارے رنج و غم کے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ ایک شخص نے آ کر کہا اے معروف! بھاگ' تیری بیوی نے باب علی میں جا کر تیری شکایت کی ہے اور

تیرے اوپر بلا ٹوٹنے والی ہے۔ وہ اٹھا اور دکان بند کر کے باب النصر کی طرف چلا۔ اس وقت اس کے پاس محض پانچ اٹھنیاں باقی تھیں' چار کی تو اس نے روٹیاں خریدیں ایک کا پنیر اور بھاگا۔ راستے میں زور سے پانی برسنے لگا سامنے ایک کھنڈر دکھائی دیا اس میں گھس گیا' رونے لگا اور کہا خداوندا! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے ایسے ملک میں پہنچا دے جہاں وہ میرا پیچھا نہ کر سکے۔ اتنے میں دیوار پھٹی ایک لمبا تڑنگا شخص اس میں سے نکلا اور کہنے لگا اے شخص! تو آج مجھے کیوں پریشان کر رہا ہے؟ میں دو سو سال سے یہاں رہتا ہوں اب تک کوئی اس گھر میں آیا نہیں۔ بتا تیرا کیا مقصد ہے تاکہ میں اسے پورا کر دوں کیونکہ مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ معروف نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا وہ سوار ہو گیا۔ وہ شخص اڑا عشاء کے وقت سے لے کر فجر تک اڑتا رہا اور جا کر اسے ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- **نو سو اکیانویں رات**

نو سو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- دیو نے رفوگر معروف کو ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا اور کہا اے انسان! یہاں سے اتر کر سامنے والے شہر میں

چلا جا‘ وہاں تیری بیوی کسی حالت میں نہیں پہنچ سکتی۔ معروف اس شہر میں جا پہنچا اور اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ لوگ اسے دیکھ کر متعجب ہوتے کیونکہ اس کا لباس ان لوگوں سے مختلف تھا۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا کیا تو پردیسی ہے؟ اس نے کہا ہاں! اس شخص نے کہا کس ملک سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا مصر سے۔ اس شخص نے کہا کیا تجھے مصر چھوڑے مدت ہو گئی ہے؟ معروف بولا کل عصر کے وقت چھوڑا ہے۔ وہ شخص ہنسنے لگا اور کہا لوگو‘ آؤ اور سنو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ کل عصر کے وقت مصر سے چلا۔ یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا کہ ایسی باتیں کرتا ہے؟ یہاں سے مصر کا راستہ پورے سال بھر کا ہے۔ معروف بولا پاگل تم ہو گے‘ دیکھو یہ میرے پاس مصر کی روٹیاں ہیں جو ابھی تک تازی ہیں۔ روٹیاں دیکھ کر سب اچنبھے میں پڑ گئے کیونکہ وہ روٹیاں ان کی روٹیوں کی سی نہ تھیں۔ اب شہر بھر میں اس کا شہرہ ہو گیا۔ بعض اسے سچا مانتے بعض جھوٹا اور اس کا مذاق اڑاتے۔

اس اثنا میں ایک تاجر خچر پر سوار آ پہنچا‘ اس کے پیچھے دو غلام تھے‘ وہ بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا اندر آیا اور کہا لوگو‘ تمہیں شرم نہیں آتی غریب پردیسی کا مذاق اڑاتے ہو؟ وہ سب کو برا بھلا کہتا رہا کسی نے چوں تک نہ کی پھر اس نے معروف کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی ان کی باتوں پر خیال نہ کر‘ یہ بے شرم ہیں اور میرے ساتھ آ۔ وہ اسے ایک بڑے اور خوبصورت مکان میں لے گیا‘ ایک شاہانہ کرسی پر بٹھایا اور ایک ہزار دینار کی پوشاک پہنائی۔ معروف خوش رو تو تھا ہی پوشاک پہن کر تاجروں کا شاہ بندر

معلوم ہونے لگا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا دونوں نے کھانا کھایا اس نے معروف سے پوچھا بھائی' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام معروف ہے اور پیشہ پرانی قالینوں کی رفوگری۔ اس نے پوچھا وطن؟ معروف بولا مصر۔ اس نے کہا محلہ؟ معروف بولا تو مصر سے واقف ہے؟ اس نے کہا میں وہیں کا باشندہ ہوں۔ معروف نے کہا میرا گھر درب احمر میں ہے۔ اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کو پہچانتا ہے؟ معروف نے کہا میری دیوار سے اس کی دیوار ملی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا اس کی کتنی اولادیں ہیں؟ معروف نے کہا تین: مصطفیٰ' محمد اور علی۔ مصطفیٰ عالم ہے اور لڑکے پڑھاتا ہے' محمد عطر فروش ہے اور اس کی دکان باپ کی دکان کے پہلو میں ہے۔ اس کی شادی ہو چکی ہے اور اس کا حسن نامی ایک لڑکا ہے۔ اب رہا علی تو میں اور وہ بچپن میں ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ عیسائی لڑکوں کا لباس پہن کر گرجوں میں جاتے' کتابیں چرا لاتے اور انہیں بیچ کر کھاتے اڑاتے۔ ایک دن عیسائیوں نے ہمیں کتاب چراتے پکڑ لیا اور اس کے باپ سے جا کر شکایت کی کہا کہ اگر تو اسے منع نہ کرے گا تو ہم بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کریں گے۔ باپ نے ان کی خاطر اسے کوڑے لگائے اور وہ اس وجہ سے بھاگ گیا آج تیس سال ہوئے کہ اس کی کوئی خبر نہیں۔

اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کا بیٹا علی میں ہی ہوں اور تو معروف میرا دوست ہے۔ اب بتا کہ تیرا آنا یہاں کیسے ہوا؟ معروف نے اپنی بیوی کا سارا قصہ بیان کیا اور کہا ایک جن مجھے لا کر چھوڑ گیا ہے۔ یہاں لوگوں کی بھیڑ میرے اردگرد لگ گئی اور انہوں نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا میں کل مصر سے چلا ہوں انہوں نے یقین نہیں کیا' اتنے میں تو آ پہنچا۔ علی نے کہا میں ناراض ہو کر گھر سے چل دیا تھا اور بیس سال تک شہر بہ شہر خاک چھانتا ہوا یہاں پہنچا۔ اس شہر کا نام اختیان ختن ہے' یہاں کے لوگ بڑے شریف ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور جو کچھ ان سے کہا جائے اسے سچ مانتے ہیں۔ میں نے یہاں آ کر کہا کہ میں تاجر ہوں' میرا سامان پیچھے آ رہا ہے۔ انہوں نے میرا کہنا سچ مانا اور میرے لیے ایک مکان خالی کرا دیا۔ پھر میں نے

کہا جب تک میرا سامان نہ آ جائے مجھے ایک ہزار دینار کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھے ایک ہزار دینار دے دیئے۔ میں نے ان کا سامان خریدا اور جب اسے بیچا تو مجھے پچاس دینار کا فائدہ ہوا۔ اسی طرح خریدتے بیچتے میں امیر ہو گیا۔ بھائی! تجھے یہ مقولہ معلوم ہے کہ دنیا دغا بازی اور حیلہ سازی کا نام ہے؟ لہٰذا اگر تو کہے گا میں رفوگر اور غریب ہوں اور بیوی کے ڈر سے بھاگ آیا ہوں' وغیرہ وغیرہ تو وہ تیری بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر تو کہے گا کہ مجھے دیو اٹھا کر لایا ہے تو وہ تجھ سے بھاگیں گے اور تیرے پاس کوئی پھٹکے گا بھی نہیں لوگ کہیں گے کہ اس پر جن آتا ہے۔ معروف نے پوچھا' پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس نے کہا میں کل تجھے ایک ہزار دینار' ایک خچر اور ایک غلام دوں گا تو سوار ہو کر سوداگر بازار آئیو' میں وہاں تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوں گا سلام کر کے تیرا ہاتھ چوموں گا اور تیری بڑی عزت کروں گا۔ جب میں پوچھوں کہ فلاں کپڑے لایا ہے؟ تو کہیو بے شمار۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ تیرے لیے ایک دکان لے دیں اور ان سے کہوں گا کہ تو بڑا امیر اور سخی ہے۔ جب کوئی فقیر آئے تو جتنا دے سکے دیجیو۔ اس سے انہیں میری بات کا یقین آ جائے گا کہ تو بڑا آدمی ہے اور بے حد سخی وہ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد میں ان سب کی دعوت کر کے تیرے ساتھ شناسائی کرا دوں گا اور سب تجھے جان جائیں گے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # نو سو بانوے ویں رات

نو سو بانوے ویں رات ہوئی اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ تاجر علی نے معروف سے کہا سب تجھے جان جائیں گے اور تو سب کو جان جائے گا تا کہ ان کے ساتھ خرید فروخت اور لین دین کر سکے۔ جب سویرا ہوا تو علی نے اسے ایک ہزار دینار دیے۔ عمدہ پوشاک پہنا کر اسے خچر پر سوار کیا ایک غلام دیا ور کہا اب اپنی بیوی کی بد چلنی کو بھول جا کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو۔ معروف سوار ہو کر سوداگر بازار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ تاجر علی بہت سے تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ علی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا اے تاجر معروف! اے بھلائی اور نیکی کے پتلے۔ تیرا نام مبارک ہو! یہ کہہ کر اس نے تاجر کے رو برو اس کا ہاتھ چوما' خچر پر سے اتارا اور اسے تاجروں سے ملایا۔ تاجروں نے پوچھا کیا یہ بھی تاجر ہے؟ اس نے کہا بلکہ سب سے بڑا تاجر' مصر بھر میں اس سے اور اس کے باپ دادا سے امیر کوئی تاجر نہیں' اس کے ساجھی ہند' سندھ اور یمن میں موجود ہیں۔ اس کا یہاں آنا تجارت کی غرض سے نہیں بلکہ سیر و تفریح کی غرض سے ہے کیونکہ کمائی کے لیے اسے پردیس میں جانے کی ضرورت نہیں' اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ آگ بھی اسے نہیں کھا سکتی۔ یہ تمام تعریفیں سن کر لوگ اس کے پاس آئے ناشتا اور شربت پیش کیا حتیٰ کہ تاجروں کا شاہ بندر بھی سلام کے لیے حاضر ہوا۔ علی نے اور تاجروں کے سامنے اس سے پوچھا اے میرے آقا! تو فلاں تھان بھی اپنے ساتھ لایا ہے اس نے کہا بے شمار جو کچھ وہ پوچھتا جاتا معروف کہتا کہ بے شمار۔

وہ بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ ایک فقیر آیا اور تاجروں سے بھیک مانگنے لگا۔ کسی نے اسے آدھا درہم دیا کسی نے ایک جدید اور اکثر لوگوں نے کچھ بھی نہیں دیا۔ جب وہ معروف کے پاس پہنچا تو اس نے مٹھی بھر سونا اسے دیا اور وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ تاجروں کو

بڑا تعجب ہوا' وہ کہنے لگے یہ بھیک نہیں شاہانہ بخشش ہے۔ اگر وہ حد سے زیادہ مال دار نہ ہوتا تو فقیر کو مٹھی بھر کر سونا نہ دیتا۔ فقیروں نے جا کر ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا اور وہ ایک ایک کر کے آتے اور معروف انہیں ایک مٹھی سونا دیتا یہاں تک کہ ہزار دینار ختم ہو گئے۔ اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔ شاہ بندر نے کہا اے تاجر معروف! خیر تو ہے؟ اس نے کہا اس شہر والے زیادہ تر فقیر اور مسکین ہیں' اگر میں یہ جانتا ہوں تو اپنے ساتھ خرچ میں زیادہ مال لیتا آتا اور فقیروں کو دیتا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں مدت تک یہاں رہا تو فقیروں سے کیا کہوں گا؟ فقیروں کو لوٹانا میری فطرت سے بعید ہے۔ شاہ بندر نے کہا ان سے کہیو کہ خدا تمہیں دے! معروف نے کہا میری عادت نہیں اور اسی وجہ سے میں بہت رنجیدہ ہوں۔ شاہ بندر نے ایک نوکر کو بھیج کر ہزار دینار بھجوا دیئے ور اس نے پھر فقیروں کو دینار شروع کر دیا۔ جب وہ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ہزار دینار میں سے جو کچھ بچا تھا اس نے نمازیوں پر نچھاور کر دیا۔ پھر اس نے ایک اور تاجر سے ہزار دینار لیے انہیں بھی بانٹ دیا۔ تاجر علی یہ ساری باتیں دیکھتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ غرض کہ بازار کا دروازہ بند ہوتے ہوئے اس نے پانچ ہزار دینار خرچ کر دیئے جس سے وہ ادھار لیتا کہتا کہ میرا سامان آ جانے دے' چاہے سونا لے لیجیو چاہے کپڑے' میرے پاس بہت سامان ہے۔

شام کو علی نے اسے اور تمام تاجروں کو دعوت پر بلایا جو کوئی اس سے پوچھتا کہ فلاں چیز لایا ہے وہ کہتا بے شمار۔ دوسرے دن وہ پھر بازار گیا اور لوگوں سے ادھار لے لے کر فقیروں کو دینے لگا۔ بیس دن تک اس کی یہی حالت رہی' ساٹھ ہزار دینار اس پر ادھار ہو گئے اور سامان کا کہیں پتا نہیں۔ اب لوگ پریشان ہوئے اور کہنے لگے' تاجر معروف کا مال اب تک نہیں آیا' آخر وہ کب تک لوگوں سے ادھار لے کر فقیروں کو دیا کرے گا۔ تاجر علی بولا ذرا اور صبر کرو' اس کا مال آتا ہی ہو گا۔ اس کے بعد علی نے معروف سے تنہائی میں کہا' یہ کیا تیری حرکت ہے؟ میں نے تجھ سے روٹی سینکنے کے لیے کہا تھا یا جلا دینے کو؟ تجھ پر ساٹھ ہزار دینار کا قرضہ ہو چکا ہے۔ وہ

بولا کیا مضائقہ؟ ساٹھ ہزار دینار کی حیثیت کیا ہے؟ جب میرا سامان آ جائے گا میں ادا کر دوں گا' چاہے وہ کپڑے لے لیں چاہے دینار اور درہم۔ علی کہنے لگا اللہ اکبر! کیا تیرے پاس سامان ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ علی نے کہا میں نے ہی تو تجھے یہ گر سکھایا تھا اس نے کہا چل' زیادہ باتیں نہ بنا' کیا میں کوئی بھک منگا ہوں جب میرا سامان آ جائے گا تو میں ایک کے بدلے دو دے دوں گا۔ تاجر علی کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا اے بد تمیز! تو جھوٹ بولتا ہے اور شرماتا نہیں' ٹھہر تو سہی میں تجھے ابھی اس کا مزا چکھاتا ہوں۔ معروف بولا جو تیرا جی چاہے کر' اگر لوگ صبر سے بیٹھے رہے اور میرا سامان آ گیا تو جتنا ان سے لیا ہے اس سے زیادہ دے دوں گا۔ علی اسے چھوڑ کر چلا گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا' پہلے تو میں نے اس کی تعریف کی' اب برائی کس منہ سے کروں؟ تاجروں نے اس کے پاس آ کر کہا' اے علی! تو نے اس سے باتیں کیں؟ اس نے جواب دیا' مجھے شرم آتی ہے۔ میں نے بھی اسے ایک ہزار دینار دیئے ہیں۔ تم نے اسے بے میرے مشورے کے دیا ہے' تم خود اس سے جا کر تقاضا کرو اور اگر وہ نہ دے تو بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کرو۔ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے اور شکایت کی ساتھ ہی اس کی سخاوت بھی بیان کی۔ یہ بادشاہ بڑا لالچی تھا' معروف کی سخاوت اور دریا دلی سن کر وزیر سے کہنے لگا وہ ضرور مالدار ہو گا اگر اس کا سامان آ گیا تو سب انہیں دے دے گا حالانکہ اس کا زیادہ مستحق میں ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ میں اس سے محبت بڑھاؤں جب اس کا سامان آ جائے تو بجائے اس کے کہ تاجر اسے لیں میں اس کا مالک بنوں اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر کے اس کا مال بھی اپنے مال میں شامل کر لوں۔ وزیر نے کہا۔ جہاں پناہ' میرے خیال میں وہ دغا باز ہے اور دغا باز لالچی کے گھر کو اجاڑ دیتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- نو سو ترانوے ویں رات

نو سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب وزیر نے کہا کہ وہ دغا باز ہے تو بادشاہ بولا اچھا' میں اس کا امتحان لیتا ہوں اسے بلا کر ہیرے کا ایک ٹکڑا دکھاتا ہوں۔ اگر وہ اسے پہچان گیا اور اس کی قیمت بتا دی تو وہ سچا ہے ورنہ میں اسے بری موت ماروں گا۔ بادشاہ نے اسے بلوایا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر پوچھا لوگ کہتے کہ ان کا تجھ پر ساٹھ ہزار دینار قرضہ ہے۔ معروف بولا سچ ہے جب میرا سامان آ جائے گا تو میں ایک کے دو ادا کر دوں گا۔ اب بادشاہ نے اسے ہیرا دکھا کر کہا بتا یہ کیسا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا اور اس کے پاس یہی ایک ہیرا تھا۔ معرورف نے اسے زور سے دبا کر توڑ دیا اور ہنس کر کہنے لگا جہاں پناہ' یہ ہیرا نہیں بلکہ معمولی معدنہے' اس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو گی۔ ہیرا ستر ہزار دینار سے کم نہیں ہوتا۔۔ اس کو ہیرا نہیں کہتے بلکہ معدن۔ اگر ہیرے کا ٹکڑا اخروٹ سے چھوٹا ہو تو ہمارے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تیرے پاس ایسے ہیرے ہیں جن کا تو ذکر کرتا ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ بادشاہ نے کہا کیا تو مجھے ان ہیروں میں سے دے سکتا ہے؟ اس نے کہا بے شمار' میرا سامان آ جانے دے' میں تجھے بے داموں دے دوں گا۔ بادشاہ خوش ہو گیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم جاؤ جب اس کا سامان آ جائے تو اپنے اپنے مجھ سے آ کر لے جانا۔ یہ سن کر تاجر چلے گئے۔

یہ تو معروف اور تاجروں کا قصہ ہوا' اب بادشاہ کا حال سنو۔ اس نے وزیر سے کہا تاجر کے ساتھ بات چیت کر' نرمی سے پیش آ اور اس کے آگے میری بیٹی کا ذکر کر تاکہ اس سے شادی کر لے اور اس کا مال و متاع مجھے مل جائے۔ وزیر بولا وہ تو مجھے مکار معلوم ہوتا ہے' ایسی باتیں جانے دے ایسا نہ ہو کہ بیٹی بھی تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ اس وزیر نے پہلے بادشاہ سے درخواست کی تھی کہ وہ شہزادی کی شادی اس کے ساتھ

کر دے لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ اب بادشاہ نے وزیر سے کہا چونکہ میں اس پر راضی نہ تھا کہ اپنی بیٹی تجھے دوں لہٰذا تو چاہتا ہے کہ وہ پڑی مرتی رہے یہاں تک کہ وہ تجھے مل جائے۔ تیرا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کیونکر جھوٹا او دغا باز ہو سکتا ہے!اس نے میرے ہیرے کی قیمت بتا دی اور اس کے پاس بے شمار جواہرات ہیں' جب وہ میری بیٹی سے ہم بستر ہو گا اور دیکھے گا کہ وہ بڑی خوبصورت ہے تو وہ اپنے سارے ہیرے جواہرات اسے دے دے گا۔ وزیر بادشاہ کے ڈر کے مارے چپ ہو گیا اور معروف کے پاس جا کر کہا بادشاہ تجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کر دے۔ تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا مضائقہ نہیں لیکن میرا سامان آ جانے دے کیونکہ شہزادیوں کا مہر بہت زیادہ ہوتا ہے' میرا سامان آ جائے گا تو میں مال دار ہو جاؤں گا۔ کم از کم پچاس ہزار توڑے میں اس کے مہر میں دوں گا' ایک ہزار توڑے فقیر کو بانٹوں گا ایک ہزار توڑے براتیوں پر خرچ کروں گا اور ایک ہزار سے لشکر والے کی دعوت کروں گا۔ سو ہیرے لونڈی غلاموں میں تقسیم کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار سے ننگوں کو کپڑے پہناؤں گا۔ یہ تمام باتیں اس وقت تک نہیں ہ سکتیں جب تک میرا سامان نہ آ جائے۔

وزیر نے یہ تمام باتیں جا کر بادشاہ سے کہیں۔ بادشاہ بولا پھر بھی تو اسے جھوٹا اور دغا باز بتاتا ہے۔ اگر تو نے اپنا منہ بند نہ کیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ جا کر اسے میرے پاس لے آ۔ میں اس سے خود باتیں کروں گا۔ وزیر جا کر اسے لے آیا' بادشاہ نے کہا اس طرح کے عذر نہ کر' میرا خزانہ پر ہے' اس کی کنجیاں لے کر جتنا جس پر چاہے خرچ کر اور جب تیرا سامان آ جائے تو تیرا جو جی چاہے اپنی بیوی کو دیجیو ہم مہر میں جلدی نہیں کرتے تیرے سامان کا انتظار کریں گے' ہم میں‌اور تجھ میں ہر گز کوئی فرق نہیں۔ بادشاہ نے شیخ الاسلام کو بلا کر دونوں کا نکاح نامہ لکھوا دیا جشن منانے کی تیاری کرنے لگا شہر سجایا گیا شادیانے بجنے لگے اور دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے۔ معروف کرسی پر بیٹھا اور بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ سونا

چاندی لا اور معروف مٹھی بھر بھر کر فقیروں کو دینے لگا۔ وزیر یہ دیکھ کر طیش میں آیا جاتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ تاجر علی تعجب کرتا اور اس سے کہتا کیا تاجروں کا مال تو نے کافی ضائع کیا کہ اب بادشاہ کے مال پر ہاتھ صاف کرتا ہے؟ معروف جواب دیتا تجھے اس سے کیا واسطہ؟ جب میرا سامان آ جائے گا تو میں بادشاہ کو اس سے زیادہ دے دوں گا اور دل میں کہتا کہ جو ہو گا سو ہو گا' تقدیر سے مفر نہیں۔

چالیس دن تک جشن ہوتا رہا' اکتالیسویں دن شہزادی کی منہ دکھائی کی رسم ادا ہوئی اور معروف نے لوگوں پر خوب سونا چاندی نچھاور کیا۔ اب اسے شہزادی کے پاس لے گئے پردہ گرا کر دروازوں میں قفل ڈال دیئے اور اسے دلہن کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوئے۔

معروف دیر تک بیٹھا ہاتھ ملتا' اور لاحول پڑھتا رہا۔ شہزادی بولی اے میرے آقا! خیر تو ہے؟ تو رنجیدہ کیوں ہے؟ اس نے کہا میں کیونکر رنجید نہ ہوں؟ تیرے باپ نے ہری کھیتی کو آگ لگا دی ہے۔ شہزادی بولی' میرے باپ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا میرا سامان آنے سے پہلے اس نے ہماری شادی کر دی۔ میں چاہتا تھا کہ سو ہیرے تو تیری کنیزوں کو دوں کم از کم ایک ایک ہیرا تو ہر ایک کے حصے میں آئے وہ خوش ہوں اور کہیں جب ہمارا آقا ہماری مالکہ سے ہم بستر ہوا تھا تو ہمیں ایک ایک ہیرا دیا تھا۔ اس سے تیری عزت بڑھتی اور میں اس میں کمی نہیں کرتا کیونکہ میرے پاس بہت ہیرے ہیں۔ شہزادی نے کہا بس اسی وجہ سے تو رنجیدہ ہے۔ میرا خیال نہ کر' میں تیرا سامان آنے تک انتظار کروں گی۔ رہیں کنیزیں ان سے تیرا کوئی تعلق نہیں۔ اٹھ اور اپنے کپڑے اتار کر آرام سے بیٹھ۔ معروف نے کپڑے اتارے فرش پر بیٹھ گیا اور راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

## • نو سو چورانوے ویں رات

نو سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- اس کے بعد معروف حمام گیا شاہانہ لباس پہن کر وہاں سے نکلا اور دربار پہنچا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور خزانچی کو حکم دیا کہ خلعتیں لا کر وزیروں' امیروں اور منصب داروں کو پہنا۔ بیس دن تک بادشاہ ہر ایک کو اس کے درجے کے مطابق انعام دیتا رہا لیکن سامان نہ آیا۔ اب خزانچی معروف کی غیبت میں بادشاہ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ وزیر کے ساتھ اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ زمین چوم کر کہنے لگا جہاں پناہ' میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں' اگر نہ کہوں تو بعد میں تو مجھے لعنت ملامت کرے گا۔ خزانہ خالی ہو گیا ہے اب اس میں زیادہ باقی نہیں اور دس دن کے بعد وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا میرے داماد کا سامان ابھی تک نہیں آیا اور نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ وزیر ہنس پڑا اس نے کہا خدا تجھ پر مہربان ہو! آخر تو کب تک اس جھوٹے دغا باز سے غافل رہے گا؟ قسم ہے تیرے سر کی سامان تو درکنار اس کے پاس دھاگے کی لچھی تک نہیں۔ وہ تجھے برابر دھوکا دیئے چلا جا رہا ہے اس نے تیرا مال ضائع کر دیا اور تیری بیٹی سے مفت میں شادی کر لی۔ بادشاہ نے پوچھا پھر کیا کرنا چاہیے؟ وزیر نے کہا شوہر کا حال محض بیوی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ تو اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلا تا کہ میں اس کی حقیقت دریافت کروں۔ بادشاہ نے کہا بہت خوب' اگر ثابت ہو گیا کہ وہ چال باز ہے تو میں اسے بری موت ماروں گا۔ اس نے اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلوایا اور کہا کہ وزیر تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ وزیر نے کہا اے میری آقا! تیرے شوہر نے تیرے باپ کا سارا مال خرچ کر دیا اور تجھ سے بلا مہر نکاح کیا ہے۔ وہ برابر سامان کا وعدہ کرتا جاتا ہے لیکن اس کا سامان کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے شوہر کا حال بتا۔ شہزادی بولی وہ باتیں تو بہت کرتا ہے اور ہر روز جواہرات' سامان اور قیمتی

حال کپڑوں کا مجھ سے وعدہ کرتا ہے لیکن اب تک میں نے کچھ دیکھا نہیں۔ وزیر نے کہا' آج رات تو اس سے باتوں باتوں میں سچی بات پوچھ لے۔ پھر وہ سب باتیں تو ہم سے بیان کر دے۔ شہزادی نے کہا ابا جان میں اس سے تمام باتیں پوچھ لوں گی۔



یہ کہہ کر شہزادی چلی گئی' عشاء کے بعد اس کا شوہر معروف آیا تو وہ اسے سے بغل گیر ہو گئی اور بڑا پیار جتانے لگی' خدا بچائے اس پیار سے جو عورتیں اپنا مطلب نکالنے کے وقت جتاتی ہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ شوہر بالکل مست و بے خود ہو گیا تو کہنے لگی اے میرے پیارے آنکھ کے تارے! خدا مجھ میں اور تجھ میں کبھی جدائی نہ ڈالے! تیری محبت میرے دل میں سما گئی ہے اور تیرے عشق کی آگ نے میرا جگر کباب کر دیا ہے' لیکن میں چاہتی ہوں کہ تو سچ سچ بتا دے کہ تیرا کیا قصہ ہے۔ آخر تو کب تک میرے آگے جھوٹ بولا کرے گا؟ اگر تیرا بھید کھل گیا اور ہم اس کے لیے پہلے سے تیار نہیں تو مجھ پر ناراض ہو گا۔ اور تو نے سچ سچ بتا دیا تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آخر تو کب تک کہے جائے گا کہ میں تاجر اور مال دار ہوں میرا سامان آ رہا ہے؟ مدت گزر گئی سامان ہی سامان پکارے جاتا ہے اور سامان کا کہیں پتا نہیں اس غم میں تیرا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو مجھ سے کہہ دے اور میں تیرے چھٹکارے کی کوئی تدبیر نکال دوں گی۔ معروف نے کہا اے میری آقا! میں تجھ سے اپنا کچا چٹھا کہے دیتا ہوں' پھر تیرا جو جی چاہے کیجیو۔ شہزادی نے کہا کہہ اور سچ سچ کہہ' سچائی نجات کی ناؤ ہے۔ معروف نے کہا اے میری آقا' سن نہ میں تاجر ہوں اور نہ میرے پاس سامان ہے۔ اپنے وطن میں رفوگر تھا اور میری ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا لوگ اسے رنڈی کہتے تھے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ شہزادی یہ سن کر ہنس پڑی اور کہنے لگی جھوٹ بولنے اور دغابازی میں تو بڑا ماہر ہے۔ اس نے کہا اے میری آقا! میرا پردہ فاش نہ کر' خدا تجھے سلامت رکھے!

شہزادی بولی سن' تو نے میرے باپ کے ساتھ دغا کیا' اسے اتنا دھوکا دیا کہ اس نے لالچ میں آ کر مجھے تیرے ساتھ بیاہ دیا اور اس کا مال تو نے خوب اڑایا حالانکہ وزیر اس کے خلاف تھا اس نے کتنی بار میرے باپ سے کہا بھی کہ تو دھوکے باز ہے! میرے باپ نے اس کا کہنا اس لیے نہ مانا کہ اس نے ایک بار مجھ سے شادی کی درخواست کی تھی اور وہ راضی نہیں ہوا تھا۔ میری تجھ سے شادی ہو گئی۔ شادی کو بہت دن گزر گئے اور میرا باپ گھبرانے لگا تو اس نے مجھ سے کہا میں تجھ سے گفتگو کروں اور اب میں نے تجھ سے گفتگو کی اور بھید کھل گیا۔ میرا باپ تجھے سزا دینے پر مصر ہے لیکن تو میرا شوہر ہو چکا ہے میں تجھے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ اگر میں باپ سے کہہ دوں تو تیرا جرم اس کے نزدیک معافی کے قابل نہ ہو گا۔ وہ تجھے ضرور قتل کر دے گا اور لوگوں میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ میں نے ایک دغا باز سے شادی کی ہے اور میری بد نامی ہو گی' اگر میرے باپ نے تجھے قتل کر دیا اور چاہا کہ میں کسی دوسرے سے بیاہ کروں تو میں اسے مرتے دم تک گوارا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ابھی اٹھ کر غلاموں کا بھیس بدل اور میرے پاس سے پچاس ہزار دینار لے اور گھوڑے پر سوار ہو کر کسی ایسے ملک میں نکل جا جہاں میرے باپ کا حکم نہ چلتا ہو۔ وہاں جا کر تجارت کر اور مجھے پوشیدہ خط لکھ کہ تو کس ملک میں ہے' مجھ سے جتنا ہو سکے گا بھیجتی رہوں گی اور تو امیر ہو جائے گا۔ اسی اثنا میں اگر میرا باپ مر گیا تو میں تجھے بلا بھیجوں گی تو بڑی عزت کے ساتھ یہاں آ جائے گا اور اگر میں مر گئی یا تو مر گیا تو پھر قیامت کے دن ہم ملیں گے۔

جب تک ہم دونوں صحیح سلامت ہیں میں تجھے برابر خط اور مال بھیجتی رہوں گی۔ فی الحال چلا جا' کہیں ایسا نہ ہو کہ دن نکل آئے اور تیرا سر اڑا دیا جائے۔ معروف نے اٹھ کر غلام کا بھیس بدلا اور سائیس سے کہا گھوڑا تیار کر اور شہزادی سے رخصت ہو کر آخری رات میں شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ جو کوئی اسے دیکھتا یہی گمان کرتا کہ بادشاہ

کا غلام کسی کام کے لیے جا رہا ہے۔ صبح ہوئی تو بادشاہ اور وزیر شہزادی کے پاس آئے۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹی' کیا کہتی ہے؟ وہ بولی خدا تیرے وزیر کا منہ کالا کرے' وہ چاہتا ہے کہ مجھے اور میرے شوہر کو بدنام کرے۔ بادشاہ نے کہا کیونکر؟ اس نے کہا قبل اس کے کہ کل میں اس سے گفتگو کروں فرج غلام ایک خط لے کر آیا اور کہا کہ دس غلام نیچے کھڑے ہوئے ہیں' انہوں نے مجھے یہ دے کر کہا کہ ہماری طرف سے معروف تاجر کے ہاتھ چوم اسے یہ خط دے اور اس سے کہہ ہم تیرے وہ غلام ہیں جو سامان کے ساتھ ہیں۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ تو نے شہزادی سے شادی کی ہے اور ہم تجھے اپنی سرگزشت سنانے آئے ہیں۔ میں نے خط لے کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا: پانسو غلام کی طرف سے ان کے آقا حضرت معروف تاجر کے نام۔ تیرے جانے کے بعد دو ہزار بد سواروں نے ہم پر حملہ کر دیا ہم میں اور ان میں سخت لڑائی ہوئی اور آج تیسواں دن ہے کہ برابر ہو رہی ہے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک رکھا ہے' اسی وجہ سے ہم اب تک تیرے پاس نہیں پہنچ سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو پچانوے ویں رات

نو سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس کے بعد خط میں یہ تھا کہ بدو' ہمارے دو سو گٹھے لے گئے ہیں اور پچاس غلاموں کو قتل کر ڈالا ہے' جب اسے یہ خبر ملی تو وہ کہنے لگا خدا ان کا ستیاناس کرے' محض دو سو گٹھوں کے پیچھے بدوں سے لڑ رہے ہیں' دو سو گٹھوں میں زیادہ سے زیادہ سات ہزار دینار کا مال ہو گا' بہتر ہے کہ میں جا کر ان سے کہوں کہ جلد چلے آئیں اور جو کچھ بدو لے گئے ہیں اسے جانے دیں۔ میں سمجھوں گا کہ میں نے وہ مال ان پر صدقہ کر دیا۔ یہ کہہ کر وہ ہنستا ہوا چل دیا اور اس کے چہرے پر ذرا سی شکن بھی نہ آئی' نہ مال ضائع ہونے کا ملال تھا نہ غلاموں کے قتل پر افسوس۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے جھروکے میں سے جھانک کر دیکھا تو واقعی دس غلام کھڑے تھے چاند سے زیادہ خوب صورت دو ہزار کی پوشاک پہنے ہوئے۔ وہ انہیں لے کر چل دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں نے وہ باتیں اس سے نہ پوچھیں جو تو نے مجھ سے پوچھنے کے لیے کہی تھی ورنہ وہ میرے اور تیرا دونوں کا مذاق اڑاتا لیکن یہ ساری خرابی تیرے وزیر کی ہے اس نے میرے شوہر کے بارے میں اسے ناشائستہ الفاظ کہے۔ بادشاہ نے کہا بیٹی! تیرے شوہر کے پاس بڑی دولت ہے اس لیے اسے ان باتوں کی بالکل پروا نہیں' جس روز سے وہ آیا ہے فقیروں کو برابر خیرات دیتا ہے۔ خدا نے چاہا تو عنقریب اس کا سامان آ جائے گا اور ہمیں اس سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ بادشاہ پر بیٹی کی چال چل گئی اس نے اسے تسلی دی اور وزیر کو خوب ڈانٹا۔

یہ تو بادشاہ کا قصہ ہوا' اب تاجر معروف کا حال سنو۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل بیابان میں نکل گیا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے دل میں کہتا' کاش میں مر گیا ہوتا! چلتے چلتے دوپہر کے قریب ایک گاؤں کے پاس پہنچا دیکھا کہ ایک

کسان دو بیل لیے کھیت جوت رہا ہے۔ بھوک سے وہ اتنا پریشان تھا کہ اس نے کسان کے پاس جا کر سلام کیا اس نے مرحبا کہا اور پوچھا کیا تو سلطان کے غلاموں میں سے ہے؟ معروف بولا ہاں۔ کسان بولا میرے ہاں آج تیری دعوت ہے۔ معروف نے کہا بھائی تیرے پاس تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا' تو میری دعوت کیسے کرے گا؟ کسان نے کہا اتر تو سہی' میں قریب والے گاؤں میں جا کر تیرے لیے ناشتہ اور تیرے گھوڑے کے لیے چارہ لے آؤں گا۔ معروف نے کہا اگر گاؤں اتنا قریب ہے تو جتنی دیر میں تو پہنچے گا میں بھی پہنچ جاؤں گا اور جو میرا جی چاہے گا بازار سے مول لے کر کھا لوں گا۔ کسان بولا یہ تو محض ایک چھوٹی سی بستی ہے' نہ بازار ہے نہ لین دین کی کوئی صورت۔ تو یہیں ٹھہر' میں جا کر ابھی لیے آتا ہوں۔ معروگ گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ کسان ناشتہ لینے چل دیا' یہ اس کا انتظار کرنے اور اپنے جی میں کہنے لگا میں نے اس کسان کو اس کے کام سے روکا ہے مجھے اس کے بدلے ہل چلانا چاہیے۔ اس نے تھوڑا ہی سا جوتا ہو گا کہ ہل نے کسی چیز سے ٹکر کھائی اور بیل ٹھہر گئے غور سے دیکھا تو ایک سونے کے حلقے میں پھنسا ہوا تھا اور حلقہ مرمر کی ایک گول سل میں لگا ہوا جو چکی کے برابر تھی۔

معروف نے کوشش کر کے سل کو اپنی جگہ سے سرکایا تو اسے اس کے نیچے ایک تہہ خانہ دکھائی دیا جہاں سیڑھیاں تھیں۔ وہ اترا اور دیکھا کہ وہاں چار کمرے ہیں' پہلے میں نیچے سے اوپر تک مٹی بھری ہوئی ہے دوسرے میں زمرد' موتی اور مونگے' تیسرے میں یاقوت' بخلش اور فیروزے اور چوتھے میں ہیرے اور طرح طرح کے قیمتی جواہرات صدر میں ایک بلور کا صندوق ہے جس میں لاجواب جواہرات ہیں جو اخروٹ کے برابر ہیں۔ صندوق کے اوپر ایک ڈبیہ بھی رکھی ہوئی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر اسے تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی اس نے اس ڈبیہ کو اٹھا کر کھولا جو صندوق کے اوپر رکھی ہوئی دیکھا کہ اس میں ایک سونے کی انگوٹھی ہے جس پر طلسمات کندہ ہیں۔ انگوٹھی کو وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ اسے کسی چیز سے رگڑ لگی۔ رگڑ لگنی تھی کہ کسی نے آواز دی اے میرے

آقا! میں حاضر ہوں' مانگ کیا مانگتا ہے؟ کوئی شہر تعمیر کر دوں یا کسی شہر کو اجاڑ دوں کسی بادشاہ کو قتل کر دوں یا نہر کھودوں۔ معروف نے کہا اے خدا کے بندے! تو کون ہے؟ جواب آیا میں اس انگوٹھی کا موکل ہوں' تو جو کچھ مانگے گا میں حاضر کروں گا۔ میں جنوں کی ایک قوم کا بادشاہ ہوں۔ بہتر قبیلے میرا لشکر ہے اور ہر قبیلہ بہتر ہزار کا ہے' ہر ہزار کے ماتحت ہزار دیو ہیں ہر دیو ہزار سرداروں پر حکومت کرتا ہے ہر سردار کے نیچے ہزار شیطان ہیں اور ہر شیطان کے نیچے ہزار جن' یہ سب میرے حکم کے تابع ہیں' میری مخالفت نہیں کر سکتے اور میں انگوٹھی کے تابع ہوں اور اس کے مالک کی مخالفت نہیں کر سکتا اس وقت تو اس کا مالک ہے اور میں تیرا فرمانبردار۔ جب کبھی اور جہاں کہیں تجھے میری ضرورت ہو انگوٹھی کو رگڑیو اور میں تیرے پاس آ موجود ہوں گا۔ لیکن خبردار دوبارہ نہ رگڑیو ورنہ میں جل کر مر جاؤں گا اور تو پچھتاوے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو چھیانوے ویں رات

نو سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب انگوٹھی کے موکل نے معروف کو سارے گر بتا دیئے تو اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ابوالسعادات۔ معروف نے کہا ابوالسعادات یہ کیا جگہ ہے اور تجھے اس ڈبیہ میں کس نے بند کیا؟ اس نے جواب دیا یہ خزانہ شداد بن عاد کا ہے "جس نے کھمبے والے شہر ارم کو آباد کیا جس کا جواب دنیا بھر میں نہیں پیدا کیا گیا۔" میں اس کے جیتے جی اس کا خادم تھا' یہ تیری قسمت میں لکھی تھی۔ معروف نے کہا' کیا تو اس خزانے کو زمین کے اوپر نکال سکتا ہے؟ اس نے کہا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور زمین کی طرف اشارہ کیا وہ پھٹی جن اس میں سما گیا اور وہ تھوڑی دیر کے بعد دو چھوٹے خوب صورت لڑکوں کو لے کر نکلا جن کے ہاتھوں میں سونے کی پراتیں تھیں' وہ انہیں بھر بھر کے اوپر لاتے اور انڈیل جاتے یہاں تک کہ سارا تہہ خانہ خالی ہو گیا۔ معروف نے پوچھا یہ لڑکے کون ہیں؟ اس نے کہا میرے بیٹے' کیونکہ اور جنوں کا لانا ٹھیک نہ تھا' میرے بیٹوں نے تیرا کام کر دیا اور انہیں تیری خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ بتا اب اور کیا چاہتا ہے؟ معروف نے کہا کیا تو اس مال کو صندوقوں میں بھر کر خچروں پر لاد سکتا ہے؟ جن بولا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور ایک چیخ ماری اس کے آٹھ سو بیٹے آ موجود ہوئے۔ اس نے ان سے کہا تم میں سے بعض خچر بن جائیں اور بعض ایسے خوبصورت بن جائیں جن پر سونے کے زین ہوں اور ان میں جواہرات ٹنکے ہوئے۔

اب معروف نے صندوق منگائے اور کہا ہر ایک جنس کو الگ الگ صندوق میں رکھو۔ انہوں نے ایسا ہی کر کے انہیں تین سو خچروں پر لاد دیا۔ معروف بولا ابوالسعادات! کیا تو عمدہ عمدہ تھان لا سکتا ہے؟ اس نے پوچھا مصری یا شامی' عجمی' ہندی یا رومی؟ معروف

نے کہا ہر ایک قسم کے سو سو گٹھے سو خچروں پر۔ اس نے کہا صبح تک حاضر ہو جائیں گے۔ معروف نے کہا میرے لیے ایک خیمہ لگا اس نے خیمہ لگا کر اس میں دسترخوان بچھا دیا اور معروف سے کہا اے میرے آقا! خیمے میں بیٹھ اور میرے بیٹے تیری پاسبانی کریں گے۔ ابوالسعادات جنوں کے پاس چلا گیا کہ انہیں کپڑے لینے بھیجے اور معروف خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں کسان ایک پیالے میں مسور کی دال اور ایک کٹورے میں جو لیے پہنچا دیکھا کہ خیمہ لگا ہوا ہے اور غلام ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اس کا خیال ہوا کہ بادشاہ آ گیا ہے وہ ششدر کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کاش میں بادشاہ کے لیے دو چوزے تل کر لایا ہوتا! وہ لوٹنے ہی والا تھا کہ معروف کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے آواز دی اور غلام اسے معروف کے پاس لے گئے۔ معروف نے پوچھا کیا لایا ہے؟ اس نے کہا تیرا ناشتہ اور گھوڑے کا چارا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بادشاہ آیا ہوا ہے تو دو چوزے ذبح کر کے میں اس کی دعوت کرتا۔ معروف نے کہا بادشاہ تو نہیں آیا ہے لیکن میں اس کا داماد ہوں اس سے ناراض ہو کر چلا آیا تھا اب اس نے غلاموں کو بھیج کر مجھ سے صلح کر لی ہے اور میں شہر واپس جا رہا ہوں۔ تو نے بے مجھے پہچانے بغیر میری دعوت کی ہے اس لیے جو کچھ تو لایا ہے میں وہی کھاؤں گا۔ معروف نے پیالہ دستر خوان کے بیچ میں رکھا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ کسان نے دستر خوان پر سجے عمدہ عمدہ کھانے کھائے۔ جب پیالہ خالی ہو گیا تو اس نے اس میں سونا بھر دیا اور کہا‘ اسے گھر دے آ اور میرے پاس شہر میں آئیو‘ میں تجھے انعام دوں گا۔ کسان پیالے اور بیلوں کو لے کر اپنے گاؤں چلا گیا۔

جب صبح ہوئی تو گرد اٹھی اور ابو السعادات سات سو خچروں پر تھانوں کے گٹھے لیے آ پہنچا‘ خیمے کے پاس پہنچ کر خچر پر سے اتر پڑا اور زمین چوم کر کہا۔ اے میرے آقا! تیری ضرورت بالکل پوری ہو گئی اس تخت رواں پر ایک شاہانہ پوشاک ہے۔ اسے پہن کر تخت رواں پر سوار ہو جا اور مجھے حکم دے کہ میں اب کیا کروں۔ معروف بولا میں تجھے خط لکھ کر دیتا ہوں تو اسے لے کر میرے خسر بادشاہ کے پاس اختیان ختن

جا لیکن اس کے پاس انسانی شکل میں جائیو۔ اور معروف نے ایک خط لکھ کر اس پر مہر لگائی اور ابو السعادات اسے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا' دیکھا کہ وہ وزیر سے کہہ رہا ہے میرا دل داماد میں لگا ہوا ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدو اسے قتل نہ کر دیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کس طرف گیا ہے تو میں لشکر لے کر اس کی کمک کو پہنچتا! کاش اس نے جانے سے پہلے مجھے بتا دیا ہوتا! وزیر نے کہا' خدا تیری اس غفلت پر رحم کرے! قسم ہر تیرے سر کی اسے معلوم ہو گیا کہ ہم اسے پہچان گئے ہیں اور وہ مارے ڈر کے بھاگ گیا ہے۔

اتنے میں پیادے نے آ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور دعا دی۔ بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا مجھے تیرے داماد نے بھیجا ہے اور وہ سامان کے ساتھ آ رہا ہے' اس کا یہ خط ہے۔ بادشاہ نے خط لے کر پڑھا' اس میں لکھا تھا کہ ------ "سلام کے بعد میرے خسر کو معلوم ہو کہ میں سامان لے کر آ گیا ہوں۔ لشکر کے ساتھ میرا استقبال کر۔"

بادشاہ نے وزیر سے کہا منہ کالا ہو تیرا! کب تک تو میرے داماد کی عزت آبرو پر دھبہ لگاتا اور اسے جھوٹا اور دغاباز بناتا رہے گا؟ دیکھ وہ سامان لے کر آ گیا ہے۔ وزیر نے مارے شرم اور پشیمانی کے سر نیچا کر لیا اور کہا کہ جہاں پناہ! میں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ کوئی سامان آتا نظر نہیں آتا تھا' ڈرتا تھا کہ جو مال اس نے خرچ کر دیا ہے کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ بادشاہ بولا جب سامان آ گیا تو مال کی کیا حیثیت؟ اس کے بدلے وہ ہمیں بہت کچھ دے دے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور بیٹی کو جا کر خوش خبری سنائی کہ تیرا شوہر عنقریب سامان لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ دیکھ یہ اس نے خط بھیجا ہے اور میں اس کے خیر مقدم کے لیے جا رہا ہوں۔ بیٹی یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گئی اور دل میں کہنے لگی یہ عجیب و غریب ماجرا ہے کیا وہ میرے ساتھ مذاق کرتا اور مجھے بے وقوف بناتا تھا؟ اس نے اپنے آپ کو فقیر بنا کر میرا امتحان لینا چاہا تھا؟ شکر ہے خدا کہ مجھ سے اس کی شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا‘ اب تاجر علی بصری کا حال سنو۔ جب اس نے دیکھا کہ شہر سجایا جا رہا تو اس کا سبب پوچھا۔ لوگوں نے کہا بادشاہ کا داماد تاجر معروف اپنا سامان لے کر آ رہا ہے۔ علی نے اپنے دل میں کہا اللہ اکبر!یہ کیا قصہ ہے؟ وہ تو اپنی بیوی سے بھاگ کر میرے پاس آیا تھا اور غریب تھا‘ پھر یہ سامان کہاں سے آ گیا؟ ممکن ہے کہ شہزادی نے اس کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر نکال دی ہو۔ خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو ستانوے ویں رات

نو سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- تاجر علی بولا خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے' سارے تاجر خوش ہو گئے کہ اب ہمیں دام مل جائیں گے۔ ادھر بادشاہ لشکر جمع کر کے نکلا ادھر ابوالسعادات نے معروف کو جا کر خبر دی کہ میں خط پہنچا آیا ہوں۔ معروف نے شاہی لباس پہنا اور تخت رواں پر سوار ہو گیا وہ بادشاہ سے ہزار گنا زیادہ شان دار معلوم ہوتا تھا۔ آدھے ہی راستے پر پہنچا ہو گا کہ بادشاہ لشکر کے ساتھ آ پہنچا اور معروف کو شاہی لباس پہنے اور تخت رواں پر بیٹھا دیکھ کر لپٹ گیا' سلام کیا۔ تمام امراء نے بھی اسے سلام کیا اور انہیں یہ یقین آ گیا کہ معروف سچا ہے اور اس کی کوئی بات جھوٹ نہیں۔ جب وہ جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تو تاجر دوڑے ہوئے آئے اس کے آگے زمین چومی۔ تاجر علی نے کہا اے دغا بازوں کے استاد تو نے خوب چال چلی لیکن تو اس کا مستحق ہے اور خدا اپنے فضل سے تجھے اور دے گا۔ معروف ہنس کر چل دیا' محل میں جا کر کرسی پر بیٹھا اور کہا میرا سونا بادشاہ کے خزانے میں داخل کر دو اور کپڑوں کے گٹھے یہاں لاؤ۔ انہوں نے ایک ایک گٹھا کر کے کھولنا شروع کیا یہاں تک کہ کل سات سو کے سات سو گٹھے کھول ڈالے۔ ان میں سے بہترین کپڑے چھانٹ کر شہزادی کو بھیجے کہ وہ انہیں کنیزوں میں تقسیم کر دے۔ اس کے بعد اس نے تاجروں کا قرضہ ادا کرنا شروع کیا' جس کا ایک ہزار تھا اسے دو ہزار بلکہ زیادہ کے کپڑے دیئے۔ پھر فقیروں اور مسکینوں کو دینا شروع کیا۔ غرض سات سو کے سات سو گٹھے دے ڈالے۔ لشکریوں کو مٹھی بھر بھر کر معدنیات' زمرد' یاقوت' موتی اور مونگے دیئے۔

بادشاہ نے کہا بیٹا' اتنی بخشش کافی ہے کیونکہ تیرے سامان میں سے اب تھوڑا سا ہی بچا ہے۔ اس نے کہا میرے پاس اور بہت ہے۔ اب اس کی سچائی کا چرچا ہونے لگا

کسی کی ہمت نہ پڑتی کہ اسے جھٹلائے۔ وہ بخشش کی بالکل پرواہ نہ کرتا کیونکہ جو وہ چاہتا موکل لا موجود کرتا۔ اتنے میں خزانچی نے آ کر بادشاہ سے کہا جہاں پناہ' خزانہ بھر گیا اور سونا اور جواہرات ابھی باقی ہیں' انہیں کہاں رکھا جائے؟ بادشاہ نے کہا' فلاں جگہ رکھ۔ شہزادی کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی۔ یا اللہ اتنی دولت کہاں سے آ گئی؟ تاجر بھی اس کی بخششوں سے باغ باغ ہو گئے اور اسے دعائیں دینے لگے۔ تاجر علی بڑا متعجب تھا اور کہتا تھا یا اللہ اس نے کون سی ایسی چال چلی کہ اس کے ہاتھ اتنے خزانے لگ گئے۔ اگر یہ محض شہزادی کا دیا ہوا مال ہوتا وہ فقیروں کو اس دریا دلی سے نہ دیتا۔



یہ تو تھا اس کا ماجرا ------ اب بادشاہ کا حال سنو۔ معروف کی سخاوت اور دریا دلی دیکھ کر اسے بے حد تعجب ہوا۔ جب وہ اپنی بیوی کے پاس گیا تو وہ مسکراتی ہوئی اس سے ملی اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگی کیا تو میرے ساتھ مذاق کرتا تھا یا یہ کہہ کر تو فقیر ہے اور اپنی بیوی سے بھاگ کر یہاں آیا ہے میرا امتحان کرنا چاہتا تھا؟ خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے تیری شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی' تجھ سے زیادہ مجھے کوئی پیارا نہیں خواہ تو امیر ہو یا غریب' لیکن بتا تو سہی کہ ایسی باتیں کرنے سے تیرا مقصد کیا تھا؟ معروف بولا میں تیرا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ آیا تیری محبت خالص ہے یا محض مال اور دنیا کی وجہ سے' اب مجھے یقین ہو گیا کہ ہاں خالص ہے اور تیری قدر قیمت معلوم ہو گئی۔ پھر اس نے ایک گوشے میں جا کر انگوٹھی رگڑی اور جب ابو السعادات حاضر ہوا تو معروف نے کہا میں اپنی بیوی کے لیے شاہانہ پوشاک اور ایسا شاہانہ گہنا چاہتا ہوں جس میں چالیس نایاب موتیوں کا ایک ہار ہو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور جا کر لے آیا۔ موکل کو واپس کر کے وہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور وہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ مارے خوشی کے شہزادی کے ہوش جاتے رہے اس نے دیکھا کہ گہنوں میں دو پازیبیں ہیں جو سونے کی ہیں جواہرات سے مرصع اور بڑی کاری گری کی بنائی ہوئی۔ اس نے کہا میں انہیں عید کے دن پہنا کروں گی۔ معروف بولا نہیں

بلکہ انہیں روز پہنا کر' ایسی میرے پاس بے شمار ہیں۔ کنیزیں یہ دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کے ہاتھ چومنے لگیں۔ اب بادشاہ نے وزیر سے کہا بتا اب تو کیا کہتا ہے؟



اس نے جوب دیا' جہاں پناہ! ایسی باتیں تاجروں سے تو ظاہر ہوتی نہیں وہ ایک ٹکڑا کتان کا بھی بے نفع لیے نہیں بیچتے' ان کے پاس ایسی چیزیں کہاں سے آئیں جو بادشاہوں کو بھی میسر نہیں؟ اس میں کوئی نہ کوئی بات ہے۔ اگر تو میرا کہنا مانے تو میں اس کی تحقیق کر کے تجھے بتا دوں گا۔ بادشاہ بولا بہت خوب۔ وزیر نے کہا' اس سے مل کر محبت جتا اور باتیں چیتیں کر اور کہہ کہ اے میرے داماد! میں تو اور وزیر چل کر باغ کی سیر کریں۔ وہاں پہنچ کر ہم کھائیں پیئں گے اور جب شراب اسے ذرا چڑھ جائے گی تو اس سے سارا بھید لے لیں گے۔ میں کہتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ لشکر کو مال و دولت دے کر اپنی طرف کر لے اور حکومت تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ بادشاہ بولا تو سچ کہتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

- ## نو سو اٹھانوے ویں رات

نو سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ نے وزیر سے کہا تو سچ کہتا ہے اور دونوں اس پر متفق ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ نوکروں اور سائیسوں نے آ کر کہا' ہم نے ان گھوڑوں اور خچروں کو باندھ دیا تھا جو سامان لے کر آتے تھے لیکن سویرے ہمیں معلوم ہوا کہ غلام گھوڑوں اور خچروں کو چرا کر بھاگ گئے۔ ہم نے تمام اصطبل چھان مارے نہ وہاں کوئی گھوڑا ہے نہ خچر' اس کے بعد ہم نے اس جگہ جا کر دیکھا جہاں غلام اترے تھے تو ایک کا بھی پتا نہیں نہ جانے وہ بھاگ کیسے گئے۔ بادشاہ بولا اے مردود! ایک ہزار چوپائے اور پانسو غلام بھاگ گئے اور تمہیں خبر تک نہ ہوئی۔ جاؤ جب تمہارا آقا حرم سرا سے نکلے تو اس سے کہنا۔ اتنے میں معروف حرم سرا سے نکلا اور انہیں رنجید دیکھ کر وجہ پوچھی۔ انہوں نے سارا قصہ سنایا تو وہ کہنے لگا ان کی قیمت ہی کتنی ہو گی کہ تم افسوس کرتے ہو' چلو بھاگ جاؤ۔ یہ سن کر بادشاہ وزیر سے کہنے لگا یہ شخص کیا بلا ہے؟ اس کے سامنے دولت کی حقیقت ہی نہیں۔ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ نے کہا۔ اے داماد! میں چاہتا ہوں کہ میں' تو اور وزیر باغ میں چل کر سیر و تفریح کریں۔ اس نے کہا بہت خوب اور تینوں باغ پہنچے۔ وزیر نے اچھی اچھی کہانیاں سنانی شروع کیں اور معروف سنا کیا۔ اس کے بعد دستر خوان بچھایا گیا اور شراب کی صراحیاں لائی گئیں' وزیر نے ایک جام بھر کر پہلے بادشاہ کو دیا پھر دوسرا معروف کو۔ معروف نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ اس نے کہا شراب' اور اس کی اتنی تعریف کی کہ معروف خود جام بھر بھر کر پینے لگا۔

جب وزیر کو یقین ہو گیا کہ اسے شراب کا نشہ خوب چڑھ گیا ہے تو اس نے کہا۔ اے تاجر معروف! مجھے تعجب آتا ہے کہ تجھے ایسے جواہرات کہاں سے ہاتھ لگے جو

بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں؟ نہ ہم نے عمر بھر تجھ جیسی سخاوت دیکھی' یہ تو بادشاہوں کی خاصیت ہے نہ کہ تاجروں کی۔ معروف بولا نہ میں تاجر ہوں نہ بادشاہ' یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا حال شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ وزیر نے کہا خدا کے لیے ہمیں بھی وہ انگوٹھی دکھا ہم بھی دیکھیں وہ انگوٹھی کیسی ہے۔ معروف بد مست تو تھا ہی انگوٹھی اتار کر وزیر کو دے دی۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگا اگر میں اسے رگڑوں تو موکل آ جائے گا؟ معروف نے کہا' ہاں' رگڑ موکل آ جائے گا اور تو اس کا تماشا دیکھیو۔ وزیر نے انگوٹھی کو رگڑا ہی تھا کہ آواز آئی اے میرے آقا! مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کوئی شہر اجاڑنا چاہتا ہے یا کسی بادشاہ کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ وزیر نے معروف کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کم بخت کو لے جا کر جنگل بیابان میں پھینک آ جہاں وہ بھوک پیاس سے مر جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ موکل معروف کو لے کر اڑا' معروف نے کہا اے ابو السعادات! تو مجھے کہاں لیے جا رہا ہے؟ اس نے کہا اے بے وقوف! جس کے پاس ایسا طلسم ہو کہیں وہ اسے لوگوں کو دیتا ہے کہ وہ اس کا تماشا دیکھیں۔ جو مصیبت تجھ پر اتری ہے بجا ہے اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں ایک ہزار قد کی بلندی سے تجھے پھینک دیتا اور زمین تک پہنچتے پہنچتے ہوا سے تیرے پرزے پرزے اڑ جاتے۔ معروف چپ ہو گیا اور جن نے اسے غیر آباد زمین میں لا کر اتار دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- نو سو ننانوے ویں رات

نو سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جن نے معروف کو لے جا کر غیر آباد زمین میں پھینک دیا۔ ادھر وزیر نے بادشاہ سے کہا' دیکھا نا وہ کیسا جھوٹا اور دغا باز نکلا۔ بادشاہ نے کہا' اے وزیر! تو سچا ہے دکھا تو مجھے انگوٹھی' دیکھوں تو وہ کیسی ہے۔ وزیر نے طیش میں آ کر اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا اے بے وقوف! تجھے کیوں دوں؟ کیا تیرا مالک ہونے کے بعد پھر تیرا غلام بن جاؤں؟ دیکھ میں تیرا بھی خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی رگڑی اور جن آ پہنچا' اس نے کہا اس بد تمیز کو بھی وہیں جا کر پھینک آ جہاں تو اس کے داماد کو پھینک آیا ہے۔ جن اسے لے کر اڑا تو اس نے کہا' اے خدا کے بندے! میرا کیا جرم ہے؟ جن بولا مجھے معلوم نہیں' میرے مالک نے یہی حکم دیا ہے' جس کے پاس یہ طلسمی انگوٹھی ہو گی میں اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ اڑتا اڑتا اس جگہ پہنچا جہاں معروف تھا اور وہاں اسے پھینک کر چلا آیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ معروف وہاں بیٹھا رو رہا ہے نہ اس کے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے نہ پینے کی اس کے پاس جا کر اپنا قصہ سنایا اور دونوں بیٹھ کر رونے لگے۔

یہ تو ان دونوں کا ماجرا ہوا' اب وزیر کا حال سنو۔ جب وہ معروف اور بادشاہ سے پیچھا چھڑا چکا تو باغ سے نکل کر سارے لشکر کر بلوایا' دربار گیا انہیں انگوٹھی کا قصہ سنایا اور کہا میں نے معروف اور بادشاہ کو نکال باہر کیا ہے اگر تم نے مجھے اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کیا تو میں موکل سے کہوں گا وہ تمہیں بھی وہیں جا کر پھینک آئے گا اور تم بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔ انہوں نے کہا ہمیں نقصان نہ پہنچا۔ ہم تجھے اپنا بادشاہ مانتے ہیں اور تیرا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے مجبوراً اسے بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس نے انہیں خلعت عطا کیے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی کو کہلا بھیجا کہ تیار رہ'

میں آج رات تیرے ساتھ ہم بستر ہوں گا کیونکہ میں تیرا مشتاق ہوں۔ شہزادی رونے اور اپنے باپ اور معروف پر افسوس کرنے لگی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ عدت پوری ہو جانے دے اس کے بعد نکاح نامہ لکھوا کر حلال طریقے سے ہم بستر ہو جائیو۔ وزیر نے جواب دیا' میں عدت ودت نہیں جانتا نہ اتنی مدت ٹھہر سکتا ہوں نہ مجھے نکاح نامے کی ضرورت ہے نہ میں حلال اور حرام میں فرق جانتا ہوں' آج رات ہی میں تجھ سے ہم بستری کروں گا۔ شہزادی نے کہا کوئی ہرج نہیں' مرحبا۔ یہ اس کی چال تھی۔

یہ جواب سن کر وہ خوش ہو گیا اور سب لوگوں کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کھاؤ' یہ ولیمہ ہے کیونکہ میں آج رات شہزادی سے ہم بستر ہوں گا۔ شیخ الاسلام نے کہا جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو اور تیرا نکاح نامہ مرتب نہ ہو جائے ہم بستری حرام ہے۔ اس نے کہا میں عدت ودت نہیں جانتا۔ باتیں زیادہ نہ بنا' شیخ الاسلام مارے ڈر کے چپ ہو رہا اور لشکر والوں سے کہا کہ وہ کافر ہے' اس کا کوئی دین و مذہب نہیں۔

جب رات ہوئی اور وہ شہزادی کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بہترین کپڑے پہنے اور بناؤ سنگھار کئے بیٹھی ہے۔ جب اس کی نظر وزیر پر پڑی تو اس نے کہا مرحبا' اگر تو نے میرے باپ اور شوہر کو قتل کر دیا ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔ اس نے کہا میں انہیں بے مارے نہیں چھوڑوں گا۔ شہزادی نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اس سے ہنسی مذاق اور محبت کا اظہار کرنے لگی۔ یہ پیاری پیاری باتیں اور مسکراہٹ دیکھ کر وزیر کے ہوش جاتے رہے اور وہ وصال کا طالب ہوا لیکن جب وہ شہزادی کے قریب آیا وہ دور ہٹ کر رونے لگی اور کہا دیکھ وہ شخص میری طرف دیکھ رہا ہے۔ خدا کے لیے اسے یہاں سے دور کر۔ اگر وہ ہماری طرف برابر دیکھتا رہے گا تو تو کیونکر ہم بستر ہو گا؟ وزیر کو غصہ آ گیا اس نے کہا' کہاں ہے وہ شخص؟ شہزادی بولی کہ وہ کیا انگوٹھی کے نگ میں بیٹھا ہوا ہے اور سر نکالے ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ وزیر بولا ڈر نہیں وہ انگوٹھی کا موکل ہے اور میرا فرمانبردار۔ شہزادی نے کہا مجھے بھوت پریتوں سے ڈر لگتا ہے' انگوٹھی اتار کر مجھ سے دور پھینک دے۔ وزیر نے انگوٹھی اتار کر تکیے پر رکھ دی اور جونہی

شہزادی کے پاس آیا اس نے اس زور سے وزیر کے دل پر ایک ٹھوکر ماری کہ وہ چت ہو گیا اور اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ شہزادی نے کنیزوں کو آواز دی' چالیس کنیزوں نے آ کر وزیر کر پکڑ لیا اور اس نے انگوٹھی کو تکیے پر سے اٹھا کر رگڑا۔ ابو السعادات نے آ کر کہا اے میرے آقا! حاضر ہوں۔ شہزادی نے کہا کہ اس کافر کو لے جا کر قید خانے میں بند کر آ اور اس کے پاؤں میں سخت بیڑیاں ڈال دے۔ جب وہ اسے قید خانے میں بند کر کے واپس آیا تو شہزادی نے کہا میرے باپ اور شوہر کو تو کہاں لے گیا ہے؟ اس نے کہا' دنیا کے غیر آباد حصے میں۔ شہزادی نے کہا میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ انہیں فوراً لے آ۔ جب جن ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ دونوں بیٹھے رو رہے ہیں اور ایک دوسرے سے شکوے شکایت کر رہے ہیں۔ جن نے کہا غم نہ کرو۔ خوشی کے دن قریب ہیں' یہ یہ واقعات پیش آئے ہیں اور میں وزیر کو اپنے ہاتھ سے قید کر آیا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ انہیں شہزادی کے پاس اٹھا لایا۔ شہزادی نے انہیں سلام کیا بٹھا کر کھانا اور حلوا کھلایا۔ دوسرے دن دونوں کو شاہی پوشاکیں پہنا کر باپ سے کہا کہ تو شاہی کرسی پر بیٹھ اور پہلے کی طرح حکومت کر' میرے شوہر کو میمنے کا وزیر بنا کر لشکر بلا کر انہیں سارا ماجرا سنا اور وزیر کو قید خانے سے نکال اور قتل کر کے جلا دے' وہ کافر ہے چاہتا تھا کہ بے نکاح کے زبردستی میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کافر ہے اور اس کا کوئی دین مذہب نہیں۔ بادشاہ نے کہا بیٹی' تیرا کہنا سر آنکھوں پر لیکن انگوٹھی مجھے یا اپنے شوہر کو دے دے۔ شہزادی نے کہا نہ تو اس کا اہل ہے نہ وہ۔ انگوٹھی میرے پاس رہے گی کیونکہ میں اس کی حفاظت تم دونوں سے بہتر کر سکتی ہوں۔ تمہارا جی چاہے مجھ سے مانگنا اور میں موکل سے منگوا کر تمہیں دے دوں گی' جب تک میں زندہ ہوں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا اور جب میں مر جاؤں تو انگوٹھی کا جو چاہا کرنا۔ اب بادشاہ اپنے داماد کو لے کر دربار میں گیا۔ لشکر نے ساری رات بڑے رنج و غم میں گزاری تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ وزیر شہزادی کے ساتھ

بے نکاح کے زبردستی ہم بستر ہونا چاہتا ہے جو اسلام کی توہین ہے۔ جب وہ دربار پہنچے تو شیخ الاسلام کو برا بھلا کہنے لگے کہ تو نے وزیر کو اس زبردستی سے روکا کیوں نہیں؟

اس نے جواب دیا لوگو! وہ کافر ہے اور انگوٹھی کا مالک بن بیٹھا ہے ہم تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خدا اس سے سمجھے گا' تم چپ رہو۔ ورنہ وہ کہیں تمہیں قتل نہ کر دے۔ لشکر والے دربار میں بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے کہ بادشاہ اپنے داماد معروف کے ساتھ داخل ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

# • ایک ہزارویں رات

ایک ہزارویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب لشکر والوں نے بادشاہ اور اس کے داماد معروف کو دربار میں آتے دیکھا تو وہ خوش ہو کر کھڑے ہو گئے اور اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ کرسی پر بیٹھا انہیں سارا ماجرا سنایا اور ان کا غم غلط ہو گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور وزیر کو قید خانے سے لایا جائے۔ وزیر آیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے بری موت مارو۔ لوگوں نے اسے قتل کر کے جلا دیا اور وہ بری حالت میں جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد پانچ سال تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد چھٹے سال بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ شہزادی نے معروف کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا لیکن انگوٹھی نہ دی۔ اسی اثنا میں اس کے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکا پیدا ہوا' وہ پانچ برس کا ہوا تو ماں بیمار پڑی اور اس نے معروف کو بلا کر کہا مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیٹے کو حفاظت سے رکھیو بلکہ یہ کہ انگوٹھی کی خبر گیری کیجیو۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اتاری اور معروف کو دے دی۔ دوسرے دن اس کا انتقال ہو گیا۔ معروف نے بادشاہ بن کر حکوت کرنی شروع کر دی۔ ایک دن جب اس نے دربار برخاست کیا اور امراء کے ساتھ دیر تک شراب نوشی میں مشغول رہا' آدھی رات کے بعد انھوں نے اجازت چاہی اور چلے گئے اور وہ کپڑے بدل کر سو گیا تو نیند میں اسے محسوس ہوا کہ کوئی چیز اس کے پاس فرش پر ہے۔ ڈر کے اٹھ بیٹھا اور اعوذ باللہ پڑھ کر آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ اس کے پاس ایک بد صورت عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ عورت نے جواب دیا ڈر نہیں میں تیری بیوی فاطمہ ہوں۔ معروف نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور باوجود صورت کے مسخ ہو جانے اور دانتوں کے بڑھ جانے کے اسے پہچان لیا اور کہا' تجھے یہاں کون لایا؟ بیوی نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ اس نے کہا ختیان ختن اور تو کب مصر سے چلی؟ بیوی

نے کہا' ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ معروف نے کہا یہ کیسے؟ بیوی نے کہا جب میں نے تجھ سے لڑائی دنگا کرنا شروع کیا شیطان نے مجھے ورغلایا کہ تجھے نقصان پہنچاؤں اور میں نے حکام سے جا کر تیری شکایت کی تھی تو انہوں نے تجھے تلاش کیا لیکن تو نہ ملا۔ دو دن کے بعد میں پچھتائی مجھے معلوم ہوا کہ خطا میری ہے لیکن پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ مدت تک میں تیری جدائی میں بیٹھی رویا کی۔ ناداری کی وجہ سے بھیک مانگنے نکلی تو دن بھر کسی نے کچھ نہ دیا جس کے پاس روٹی کا ٹکڑا مانگنے جاتی وہ مجھے برا بھلا کہتا اور کچھ نہ دیتا۔ رات کے وقت میرے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا اور میں مارے بھوک کے پریشان تھی کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شخص میرے سامنے کھڑا کہہ رہا ہے اے عورت کیوں رو رہی ہے؟ میں نے کہا میرا شوہر مجھے کھلاتا پلاتا تھا' کھو گیا ہے اور میں مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اس نے پوچھا تیرے شوہر کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا' معروف۔ اس نے کہا میں تیرے شوہر کو جانتا ہوں وہ ایک جگہ کا بادشاہ ہے تو چاہے تو میں تجھے اس کے پاس پہنچا دوں۔ میں نے کہا' خدا کے لیے مجھے اس تک پہنچا دے۔ وہ مجھے لے کر اڑا اور اس محل میں پہنچ کر کہا۔ اس حجرے میں جا' وہاں تیرا شوہر تخت پر پڑا سو رہا ہے۔ اندر آ کر میں نے تیری شان و شوکت دیکھی۔ میرا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ تو مجھ سے نہیں چھوٹ سکتا کیونکہ میں تیری بیوی ہوں۔ شکر ہے خدا کا اس نے ہمیں ملا دیا!

معروف نے بولا میں نے تجھے چھوڑا ہے یا تو نے مجھ کو؟ تو ہی تو ایک قاضی سے دوسرے کے پاس جا کر میری شکایت کرتی تھی اور بالاخر باب عالی پہنچی اور میرے اوپر قلعے سے بلا نازل ہوئی اور میں تیرے ڈر کے مارے بھاگا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا اور کہا اب میں بادشاہ ہوں اور شاہ زادی کے ساتھ شادی کی تھی لیکن اس کا انتقال ہو گیا' اس سے میرا ایک بیٹا ہے جس کی عمر سات سال کی ہے۔ بیوی نے کہا جو کچھ ہوا وہ قسمت کی لکیر تھی جو مٹ نہیں سکتی۔ اب میں نے توبہ کی ہے اور تیری پناہ میں ہوں مجھے نہ چھوڑ اور خیرات میں کھانے کو دے۔ وہ برابر خوشامد کرتی رہی یہاں

تک کہ اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے کہا' توبہ کر اور میرے ساتھ رہ' تیرے لیے خوشی ہی خوشی ہے' لیکن اگر تو نے پھر شرارت کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اب



مجھے کسی کا ڈر نہیں نہ یہ اندیشہ ہے کہ تو باب عالی میں جا کر میری شکایت کرے گی' میں بادشاہ ہوں لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میں سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ میرے پاس ایک انگوٹھی ہے' جب اسے میں رگڑتا ہوں تو اس کا موکل حاضر ہو جاتا اور جو کچھ میں اس سے مانگتا ہوں وہ لا حاضر کرتا ہے۔ اگر تو اپنے وطن جانا چاہے تو میں تجھے وہاں ایک دم میں پہنچا دوں گا اور تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ عمر بھر کے لیے کافی ہو' اور اگر تو یہاں رہنا چاہے تو میں تیرے لیے ایک محل خالی کرا دوں گا اس میں خاصی ریشمی فرش بچھوا دوں گا تیری خدمت کے لیے بیس کنیزیں دوں گا اور اچھے سے اچھا کھانا اور عمدہ عمدہ پوشاکیں دیا کروں گا تو ملکہ بن کر رہے گی اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے گی۔

بیوی نے کہا' میں تیرے ہی پاس رہنا چاہتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے معروف کا ہاتھ چوما اور شرارت سے توبہ کی۔ معروف نے اس کے لیے ایک محل خالی کرا دیا اسے کنیزیں اور غلام دے کر ملکہ بنا دیا۔ بیٹا جیسے اپنے باپ کے پاس آیا جایا کرتا' اس کے پاس بھی آتا جاتا لیکن وہ اس سے نفرت کرتی تھی کیونکہ وہ اس کا بیٹا نہ تھا۔ جب بیٹے نے اس کے یہ اطوار دیکھے تو وہ بھی اس سے نفرت کرنے لگا۔ ادھر معروف خوبصورت سے خوبصورت کنیزوں کے ساتھ رہنے لگا۔ اپنی بیوی فاطمہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی کیونکہ وہ بوڑھی اور بد صورت ہو چکی تھی سوائے اس کے معروف وہ برائیاں بھی نہیں بھولا تھا جو اس نے اس کے ساتھ کی تھیں۔ مثل ہے کہ برائی مقصد کی جڑ کاٹ ڈالتی اور دل دل میں دشمنی پیدا کر دیتی ہے۔ تاہم وہ برابر اس کے ساتھ بھلائی کرتا رہا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ خدا اس سے خوش رہے۔

دینا زاد نے اپنی بہن شہر زاد سے کہا تو نے کیسی اچھی اچھی کہانیاں سنائی ہیں! شہر زاد

بولی کہ یہ تو کچھ بھی نہیں، اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا اور قتل نہ کیا تو کل کی کہانی اس سے بھی اچھی ہو گی۔ جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو بادشاہ نے اپنے دل میں کہا جب تک باقی کہانی نہ سن لوں اسے قتل نہیں کروں گا۔ دربار میں آیا تو وزیر دستور کے موافق بغل میں کفن دبائے پہنچا۔ بادشاہ دن بھر احکام جاری کرتا رہا اور اس کے بعد حرم سرا میں اپنی بیوی شہر زاد کے پاس گیا۔

○○○

# • ایک ہزار پہلی رات

ایک ہزار پہلی رات ہوئی تو اور بادشاہ حرم سرا میں اپنی بیوی شہر زاد کے پاس گیا تو دنیا زاد نے اپنی بہن سے کہا' معروف کی کہانی پوری کر دے۔ وہ بولی سر آنکھوں پر یہ شرط طے کہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ نے کہا میں اجازت دیتا ہوں کیونکہ میرا دل بھی اسی میں لگا ہوا ہے اور میں اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔ شہر زاد نے کہا اے بادشاہ -------



بادشاہ معروف اپنی بیوی کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے اسے کھانے پینے کو دیتا۔ بیوی نے یہ دیکھا تو اسے معروف سے دشمنی پیدا ہو گئی اور شیطان نے اسے یہ پٹی پڑھائی کہ اس سے انگوٹھی لے کر اسے قتل کر دے اور اس کہ جگہ خود ملکہ بن بیٹھے۔ یہ پختہ ارادہ کر کے وہ ایک رات اپنے محل سے نکلی اور اپنے شوہر بادشاہ معروف کے محل کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اس رات بادشاہ اپنی ایک چہیتی کنیز کے پاس تھا جو بڑی خوبصورت تھی۔ وہ اسم اعظم کا اتنا احترام کرتا کہ جب کسی سے ہم بستر ہوتا تو انگوٹھی اتار ڈالتا اور جب تک پاک نہ ہو جاتا نہ پہنتا۔ اس کی بیوی فاطمہ نے روانہ ہونے سے پہلے یہ پتا لگا لیا تھا کہ جس وقت وہ جماع کرتا ہے تو انگوٹھی اتار کر تکیے پر رکھ دیتا ہے۔ معروف کا دستور تھا کہ ہم بستری کرنے کے بعد کنیز کو کمرے سے باہر کر دیتا تا کہ انگوٹھی جاتی نہ رہے اور کمرے میں قفل لگا کر حمام جاتا اور وہاں سے نکل کر انگوٹھی پہن لیتا۔ فاطمہ کو یہ ساری باتیں معلوم ہو چکی تھیں' اسی لیے وہ رات کے وقت نکلی کہ جب وہ سوتا ہو گا تو میں محل میں جا کر انگوٹھی چرا لاؤں گی اور اسے خبر نہ ہو گی۔

وہ نکلی تو شہزادے نے اسے اندھیرے میں سے دیکھ لیا کہ وہ تیز تیز اس کے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے' اپنے دل میں کہنے لگا دیکھوں تو سہی یہ چڑیل اس وقت اندھیرے

میں اپنے محل سے نکل کر کیوں میرے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے' ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے اس طرح سے ہو لیا کہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔ اس کے پاس ہمیشہ ایک چھوٹی سی تیز تلوار رہتی اور وہ اسے اتنی پیاری تھی کہ جب کبھی وہ باپ کے دربار میں جاتا تو اسے لگا کر جاتا۔ باپ اسے دیکھ کر ہنستا اور کہتا بیٹا' ماشاء اللہ تلوار بڑی شاندار ہے لیکن نہ تو اسے لے کر کسی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کا سر اڑایا ہے۔ وہ جواب دیا اگر کسی کو دیکھوں گا کہ وہ سر اڑائے جانے کے قابل ہے تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ باپ یہ سن کر قہقہہ لگاتا۔ اب جب کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کے پیچھے چلا تو تلوار میان میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ جب وہ باپ کے محل میں داخل ہوئی تو شہزادہ دروازے پر ٹھہر گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتی ہے دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے یا اللہ! اس نے انگوٹھی کہاں رکھی؟ اور اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ بیٹے کو یقین ہو گیا کہ وہ انگوٹھی کی تلاش میں ہے۔ اتنے میں اس کی نظر انگوٹھی پر پڑی اس نے یہ کہہ کر کہ مل گئی' اسے اٹھا لیا اور باہر جانے لگی۔ شہزادہ کواڑ کے پیچھے چھپ گیا' عورت دروازے سے نکلی اور انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اور چاہتی ہی تھی کہ اسے رگڑے شہزادے نے تلوار اٹھا کر اس زور سے اس کی گردن پر ماری کہ وہ ایک چیخ مار کر گری اور مر گئی۔ معروف کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی مری پڑی لہو بہہ رہا ہے اور اس کا بیٹا تلوار کھینچے کھڑا ہے۔ اس نے کہا بیٹا' کیا ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان' تو کتنی بار مجھ سے کہہ چکا ہے کہ تیری تلوار تو بڑی شاندار ہے لیکن نہ تو تو اسے لے کر کسی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کر سر اڑایا ہے' دیکھ اب میں نے ایک شخص کا سر اڑا دیا جو اس قابل تھا۔ یہ کہہ کر اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔

اس کے بعد معروف نے انگوٹھی ڈھونڈنے لگا۔ وہ کہیں نظر نہ آئی' اس نے دیکھا کہ لڑکا اسے مٹھی میں لیے ہوئے ہے اس نے اسے اس کی مٹھی میں سے نکال لیا اور

کہنے لگا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ جیسے تو نے مجھے اس ناپاک عورت سے نجات دی خدا تجھے دنیا اور آخرت میں نجات دے! اب معروف نے اپنے نوکروں کو بلا کر ان سے فاطمہ کی حرکت بیان کی۔ انہوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور قبر کھود کر گاڑ آئے۔ مصر سے اس کی مٹی وہاں لے گئی تھی۔ پھر معروف نے اس کسان کو بلوایا جس کے پاس بھاگتے وقت وہ مہمان رہا تھا' اسے میمنے کا وزیر بنایا اور جب اسے معلوم ہوا کہ کسان کی ایک بڑی حسین و جمیل بیٹی ہے تو اس نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اپنے بیٹے کی بھی شادی کر دی اور وہ عیش و عشرت اور خوشی کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا' صحبتوں کو ترہتر کرنے والی اور بھرے گھرانوں کو اجاڑنے' بیٹوں اور بیٹیوں کو یتیم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں ملک اور حکومت کی کنجیاں ہیں۔

اس مدت میں شہر زاد کے تین بیٹے بادشاہ سے پیدا ہو چکے تھے۔ جب وہ یہ کہانی کہہ چکی تو اس نے اٹھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور کہا جہاں پناہ! میں تیری لونڈی ہوں اور ایک ہزار ایک راتیں ہو چکی ہیں کہ میں تیرے سامنے پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں سنا رہی ہوں اگر تو اجازت دے تو میں تجھ سے کچھ مانگوں۔ بادشاہ بولا' جو مانگے گی' پائے گی۔ شہر زاد نے دائیوں اور غلاموں کو آواز دی کہ میرے بچوں کو لے آؤ اور وہ دوڑ کر لے آئے یہ تین لڑکے تھے۔

ایک پاؤں پاؤں چلتا تھا
دوسرا گھٹنوں کے بل اور
تیسرا دودھ پیتا تھا۔

اس نے ان تینوں کو لے کر بادشاہ کے آگے ڈال دیا اور زمین چوم کر کہا' جہاں پناہ! یہ تیری اولادیں ہیں اور میں تجھ سے یہ مانگتی ہوں کہ ان کے طفیل میں مجھے قتل نہ کر۔ اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو یہ بچے بے ماں کے رہ جائیں گے اور انہیں کوئی

عورت نہ ملے گی جو اچھی طرح ان کی تربیت کر سکے۔ یہ سن کر بادشاہ رونے لگا اس نے اپنے بیٹوں کو چھاتی سے لگا لیا اور کہا اے شہر زاد! ان بچوں کے آنے سے پہلے ہی میں تجھے معاف کر چکا تھا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تو بڑی نیک پارسا اور پاکباز ہے۔ خدا برکت دے تجھے اور تیرے باپ کو' تیری ماں کو اور سب تیرے اگلوں اور پچھلوں کو! میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر بات سے باز آیا جس سے تجھے تکلیف پہنچے۔ شہر زاد خوش ہو گئی اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی اور کہا خدا تیری عمر بڑھائے تیرا دبدبہ اور شان زیادہ کرے!

یہ خوش خبری شاہی محل اور پھر سارے شہر میں پھیل گئی۔ بادشاہ کو بھی اتنی خوشی ہوئی کہ سویرا ہوتے ہی اس نے سارے لشکر کو بلوایا اور شہر زاد کے باپ وزیر کو ایک نہایت شان دار خلعت دیا اور کہا خدا تجھے اپنی امان میں رکھے کہ تو نے اپنی نیک بیٹی سے میری شادی کرائی جس کی وجہ سے میں نے لوگوں کی بیٹیوں کو قتل کرنے سے توبہ کی! میں نے دیکھ لیا کہ وہ نیک' پارسا اور پاکباز ہے اور خدا نے اس سے مجھے تین بیٹے عطا کئے۔ اس کی اس مہربانی کا لاکھ لاکھ شکر! اس کے بعد اس نے تمام وزیروں اور امیروں کو خلعت بخشے تین دن تک شہر سجایا گیا اور اس کا بار کسی شہر والے پر نہیں ڈالا بلکہ سارا خرچ شاہی خزانے سے ادا کیا۔ شہر کبھی پہلے اس طرح نہیں سجایا گیا تھا۔ شادیانے بجائے گئے اور باجوں کے تمام استادوں نے اپنی اپنی صنعت دکھائی۔ بادشاہ نے انہیں بڑے بڑے انعام دیئے' فقیروں اور غریبوں کو خیراتیں دیں اور ساری رعیت کے تمام لوگوں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا' صحبتوں کو تربتر کرنے وال موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جسے زمانہ کبھی فنا نہیں کر سکتا' اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کام کو بھلاتا نہیں اور اس میں ہر صفت کمال کے ساتھ پائی جاتی ہے اور درود اور سلام اس شخص پر جو اس کے دربار کا سردار اور بہترین مخلوق ہے۔ ہمارے سر تاج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے سردار

ہیں، اور ہم ان کے وسیلے سے خدا سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمارا خاتمہ بالخیر کرے!